حساب دل رہنے دو
نبیلہ عزیز
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com

حسابِ دِل رَہنے دُو

''سر! پلیز اس فائل میں آپ کے سائن چاہئیں یہ فائل آج ہی بینک بھجوانی ہے، منیجر صاحب کا فون آیا تھا۔'' اس نے عارفین شیرازی کو فون کال بند کرتے دیکھ کر فوراً ہی اپنا کام کہنا شروع کر دیا تھا اور ساتھ ہی فائل اس کے سامنے ٹیبل پہ رکھ دی تھی۔

اس نے فائل اٹھا کر چیک کی اور پھر پین کا کیپ ہٹا کر فائل پہ سائن بھی کر دیے تھے۔

''اور کچھ؟'' وہ ڈائریکٹ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''جی سر! مسز ہمدانی نے یہ فیکس بھیجا ہے۔'' اس نے دوسری فائل کھول کر فیکس بھی اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔

''اوکے......'' وہ آہستگی سے بولا تھا۔

''کیا اب میں جا سکتی ہوں؟'' وہ جانے کے لیے پر تول رہی تھی۔

''ہوں!'' وہ کسی سوچ میں گم صرف سر ہی ہلا سکا تھا اور وہ تیزی سے پلٹ گئی تھی۔

''اروئ! رکو میری بات سنو۔'' اپنی سوچ، اپنے دھیان سے نکلتے ہی اس نے بے ساختہ اروئ کو پکارا تھا اور اس کا ہاتھ ہینڈل گھماتے تھم گیا تھا۔

''جی سر؟'' اس نے پلٹ کر انتہائی نارمل سے انداز میں پوچھا تھا۔ لیکن اب وہ خاموش ہو چکا تھا کہ کیا کہے؟ کیونکہ کہنے کو تو بہت کچھ تھا، مگر کہنے کا......صحیح وقت نہیں تھا۔

''کیا اب میں جا سکتی ہوں؟'' اس نے دُہرا کر پوچھا تھا۔

''ہوں؟ نہیں بیٹھو یہاں۔'' اس نے ''آپ'' کو ''تم'' میں بدلتے ہوئے کرسی کی سمت اشارہ کیا تھا۔

''سر! میری ٹیبل پہ اس وقت کافی سارا کام ادھورا پڑا ہے، سو پلیز لٹ می گو۔'' وہ بے حد سنجیدہ اور دوٹوک لہجے میں کہہ رہی تھی اور وہ اس کے انداز پہ لب بھینچتے ہوئے خود کو کنٹرول کرتا اپنی چیئر دھکیل کر اس کے مقابل آ کھڑا ہوا تھا۔

''اروئ! تمہیں شاید اندازہ نہیں ہے کہ جس حقیقت سے تم دامن چھڑا رہی ہو، نظریں چرا رہی ہو، میں اس حقیقت کو ہر زاویے سے، ہر لحاظ سے قبول کر چکا ہوں۔'' عارفین شیرازی کا لہجہ کافی مضبوط تھا۔

''کون سی حقیقت سر؟'' وہ بے حد اجنبیت اور لاتعلقی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

''تم اچھی طرح جانتی ہو اروی! پلیز اس طرح بات نہ کرو۔'' عارفین کے لہجے میں پل میں تھکن اتر آئی تھی۔

''سر میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ ہمارے درمیان جو کچھ بھی ہوا ہے وہ ایک ''ڈرامہ'' تھا اور اس ڈرامے میں دو کریکٹر تھے اروی حیات اور عارفین شیرازی اور ان دونوں کریکٹرز کا اپنے آپ پہ کوئی اختیار نہیں تھا، ان کا تمام دارومدار اور اختیار اس ڈرامے کی ڈائریکٹر اور پروڈیوسر کے ہاتھ میں تھا، یعنی زوئلہ شیرازی اینڈ رابعہ شیرازی کے ہاتھ میں...... اور اب جب اس سوپ سیریل کا اختتام...... ہو چکا ہے تو آپ اسے ریپیٹ کیوں کرنا چاہتے ہیں؟ ایک ڈرامہ ایک بار ہی ہٹ ہوتا ہے، بار بار ریپیٹ کرنے سے نہیں...... پلیز بھول جائیں اس بات کو کہ جو گزرا وہ حقیقت تھی، بلکہ اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ جو ہوا وہ ''ڈرامہ'' تھا۔ ایک ڈرامہ ختم ہو تو دوسرے ڈرامے کی تیاری کی جاتی ہے، پلیز آپ بھی کسی نئے ڈرامے پہ توجہ دیں اور پھر سے تیاری شروع کر دیں۔''

اروی نے کافی نپے تلے اور کھرے کھرے لفظوں میں اسے اپنی اہمیت اور دائرہ سمجھا دیا تھا۔ جس پہ چند سیکنڈز کے لئے عارفین شیرازی کچھ بھی نہ کہہ پایا تھا۔

''تم آخر چاہتی کیا ہو؟ تم نے کیا سوچا ہے اس سارے قصے کے بارے میں؟'' عارفین کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اروی کو کیسے سمجھے اور اسے کیسے سمجھائے؟ شاید ان کی کیفیات، تاثرات اور جذبات اس مقام پہ تھے جہاں لفظوں کا دائرہ اور اظہار کا پیراہن بھی کم پڑ جاتا تھا، بالکل اسی طرح عارفین شیرازی ٹھیک سے اظہار نہیں کر پا رہا تھا اور اروی اس کے احساسات کو سمجھ نہیں پا رہی تھی اور اسی بات پہ وہ جھنجھلا اٹھتا تھا۔

''میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں اروی کہ تم خود کیا چاہتی ہو؟''

''آپ مجھے بار بار ڈسٹرب کرنا چھوڑ دیں۔'' وہ تیزی سے بولی تھی

''اور جو میں ڈسٹرب ہو رہا ہوں؟ میری زندگی سکون سے عاری ہو چکی ہے؟ کیا اس کا احساس نہیں ہے تمہیں؟'' وہ بے بسی سے مٹھیاں بھینچتا دبے لہجے میں جیسے بپھر رہا تھا۔

''سر! آپ اپنے ذاتی معاملات میں مجھے مت گھسیٹا کریں، میں آپ کی پی اے ہوں، میرا تعلق آپ کے کاروبار، آپ کے آفس اور آپ کے دیگر کاموں سے ہے۔ آپ کی ذات سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے اور پلیز وقت بے وقت کوئی ڈرامہ ری ایکٹ کرنے سے پہلے یہ سوچ لیا کریں کہ یہ آفس ہے آپ کا بیڈروم نہیں۔''

''شٹ اپ اروی! جسٹ شٹ اپ۔'' عارفین شیرازی کا ہاتھ اٹھا، لیکن پھر اس نے اپنے ہاتھ کو فضا میں ہی روک لیا تھا۔

''تم سے بات کرنے کے لئے مجھے کسی آفس، کسی بیڈروم کی حدود کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں جب چاہے، جہاں چاہے تم سے بات کر سکتا ہوں۔'' وہ کافی غضب ناک لہجے میں کہتا دروازے کو ٹھوکر مارتا ہوا اروی سے پہلے آفس سے باہر نکل گیا تھا اور اروی پہلی بار اس کا اس قدر شدید غصہ اور جذباتی انداز دیکھ کر چپ کی چپ رہ گئی تھی، یہ اس کے غصے کی انتہا ہی تھی کہ وہ آج اس پہ ہاتھ اٹھا بیٹھا تھا، بے شک یہ تھپڑ اس کے چہرے پہ نہیں پڑا تھا، مگر اس تھپڑ کا احساس عارفین کو بھی ہو گیا تھا اور اروی کو بھی۔

❁......❁......❁

''السلام علیکم!'' ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی ہمیشہ کی طرح ذرا اونچی آواز سے سلام کیا تھا، اور بابا جان نے چونک کر اس کی سمت دیکھا تھا، وہ کافی ڈھیلے ڈھالے انداز سے بریف کیس صوفے پہ ڈال کر ٹائی کی ناٹ کھول رہا تھا۔

''تھک گئے ہو؟'' اس کے سلام کا جواب دے کر وہ پوری طرح سے اس کی سمت متوجہ ہوئے تھے۔

''شاید......'' وہ بے حد آہستگی سے بولا اور صوفے کی بیک سے پشت ٹکا کر پلکیں موند لی تھیں۔

''عارفین! تم اپنے اندر کا حال کیوں نہیں بتاتے؟ صبح گھر سے آفس کے لئے نکلتے ہوئے بہت تازہ دم، زندگی سے بھرپور ہوتے ہو، لیکن واپسی پہ اک ہارے ہوئے جواری کی طرح نظر آتے ہو۔ مجھے بتاؤ آخر تم کیا چیز ہار کے گھر آتے ہو؟ ایسی کیا چیز ہے جو تمہیں خوش نہیں رہنے دیتی؟ پہلے تمہاری اولاد نہیں تھی، لیکن تم خوش رہتے تھے، اب اللہ نے یہ کمی بھی پوری کر دی ہے، تمہیں چاند سا بیٹا دیا ہے، لیکن پھر بھی تم خوش نہیں ہو؟ کیا وجہ ہے آخر؟'' بابا جان ہاتھ میں پکڑی کتاب ایک سائیڈ پہ رکھتے ہوئے اپنی گہری نگاہوں سے اس کا بغور جائزہ لینے لگے۔ جبکہ عارفین کے دل میں ایک سرد لہر اٹھی تھی۔

''بابا جان آپ کی خواہش اور اپنی ماں کی ضد نے ہی تو مجھے اس قدر ہارنے پہ مجبور کیا ہے، اب میں اپنے اختیار میں نہیں ہوں تو میں کیا کر سکتا ہوں، میں آپ لوگوں میں سے کس کو دوش دوں؟ کون مجرم ہے میرا؟ آپ لوگ یا پھر میں خود؟'' اس نے بے بسی سے سوچا تھا۔

''عارفین بولو کیا ہار کے آئے ہو؟'' بابا جان اسے کھوجنا چاہتے تھے۔

''اپنی زندگی، اپنا دل......'' وہ بہت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں آہستگی سے بولا تھا اور بابا جان اس کے جواب پہ اُلجھ کے رہ گئے تھے، شک تو انہیں پہلے سے تھا، اب وہ ان کے شک کو یقین دے رہا تھا۔

''تمہارا مطلب ہے تم اپنی زندگی یعنی اپنا سب کچھ ہار کے گھر آئے ہو؟'' انہوں نے باقاعدہ دُہرا کر پوچھا تھا۔

''ہاں شاید یہی کہا ہے۔'' عارفین نے آنکھیں کھول کر چھت سے لٹکتے بے حد خوبصورت اور بیش قیمت فانوس کو دیکھتے ہوئے جس لہجے میں کہا تھا بابا جان کو اور بھی بے چینی لگ گئی تھی۔

''ہمارا تو خیال تھا کہ تمہاری زندگی اس گھر میں ہوتی ہے، تمہاری بیوی، تمہارا بچہ، تمہاری ماں، تمہارے دادا، دادی، تمہارا سب کچھ یہاں ہے، پھر باہر تمہاری زندگی......'' انہوں نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑی تھی۔

''یہاں اس گھر میں میری زندگی نہیں بلکہ زندگی کے چند حصے رہتے ہیں، جبکہ میری پوری زندگی اور زندگی کا حاصل اس گھر سے دور ہے میں اپنی زندگی کو اور زندگی کے تمام حصوں کو یکجا کرنا چاہتا ہوں، ایک جگہ رکھنا چاہتا ہوں، میں ایک مکمل زندگی جینا چاہتا ہوں بابا جان...... لیکن مجھ سے ایسا ہو نہیں پا رہا، مجھ سے میری زندگی کے حصے سمٹ نہیں پا رہے، بلکہ اور بھی بکھر رہے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ میں بھی بکھر رہا ہوں، مجھ پہ کیا بیت رہی ہے میں بیان نہیں کر پا رہا، میں بے بسی کی انتہا پہ ہوں اس وقت۔'' وہ اضطراری انداز سے کہتا صوفے سے کھڑا ہو گیا تھا، دونوں ہاتھ اپنے بالوں میں پھنسا لئے تھے، اس کی بے چینی اور بے بسی اک اک حرکت سے عیاں تھی۔

''کوئی نام بھی تو ہوگا تمہاری زندگی کا؟'' بابا جان کے سوال پہ وہ بُری طرح چونک گیا تھا اور جب احساس ہوا کہ وہ ''کس'' کے سامنے کھل رہا ہے تو فوراً ہی اپنے آپ کو اس سنگین حماقت سے روک لیا تھا اور اپنی کیفیت کنٹرول کرنے لگا تھا۔

''حانی! حانی کہاں ہے نظر نہیں آ رہا؟'' وہ بڑی مہارت سے بدل گیا تھا۔

''عارفین ہم نے کچھ اور پوچھا ہے؟'' بابا جان نے زور دے کر کہا تھا۔

''وہ سب بھی ہوتا رہے گا بابا جان ابھی میں اس سے تو مل لوں، روز وہ یہاں ہی ہوتا ہے ڈرائنگ روم میں، لیکن آج کہیں دکھائی نہیں دے رہا، میں ابھی آتا ہوں اسے دیکھ کر۔'' عارفین نے وہاں سے نکلنے میں تین سیکنڈز کا وقت لیا تھا اور بابا جان اپنے پوتے کی دُہری شخصیت کے...... پرزے جوڑتے ملاتے رہ گئے تھے۔

وہ بہت دنوں سے اس پہ غور کر رہے تھے، لیکن ابھی تک کوئی سراغ ہاتھ آ کے نہیں دیا تھا۔ حالانکہ کبھی کبھی عارفین کا خود دل چاہتا تھا کہ وہ سب کچھ بابا جان کے سامنے بیان کر دے، اپنے دل کے نہاں خانے میں چھپے تمام اچھے بُرے راز ان کے حضور کھول کے رکھ دے، مگر حوصلہ کرتے کرتے پھر سے ہمت ہار جاتا تھا۔ صرف یہ سوچ کر سب کچھ جان لینے کے بعد نہ جانے ان کا ردعمل کیا ہوگا؟ وہ کونسا فیصلہ کریں گے؟ اور کیا سوچیں گے؟ کیا سب نے ان کو دھوکہ دیا؟ بیٹا ان کا اپنا نہیں بن سکا تو کیا پوتا بھی ان کا نہیں بن پایا؟ ان کے پاس ساری زندگی کا سرمایہ، ساری زندگی کا کیا اثاثہ تھا؟ صرف اور صرف عارفین شیرازی اور زندگی کے ایک مقام پہ وہ بھی ان کو دھوکہ دے گیا تھا؟ اور یہی سب سوچ کر وہ اپنے آپ کو کچھ بھی کہنے سے روک لیتا تھا ابھی بھی اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو روکا تھا اور بات ٹال دی تھی۔

❁......❁......❁

وہ کمرے میں داخل ہوا ہی تھا کہ بی بی جان نے فوراً ہاتھ کے اشارے سے اسے کچھ بھی بولنے سے روک دیا تھا، گویا حانی ابھی سویا تھا، وہ ایک ہاتھ سے اسے تھپکتے ہوئے سلا رہی تھیں۔

''السلام علیکم!'' اس نے بے حد آہستگی سے قریب آ کر سلام کیا تھا۔

''وعلیکم السلام، بیٹھو بیٹا۔'' انہوں نے بھی آہستگی سے ہی جواب دیا تھا۔

''یہ ٹھیک تو ہے؟'' اس نے حانی کی سمت اشارہ کیا تھا۔

''ہاں اللہ کا شکر ہے ٹھیک ہے، یہ بس نیند کے لئے رو رہا تھا اسی لئے سلایا ہے۔'' بی بی جان نے چھ ماہ کے حانی کو پیار بھری نظروں سے دیکھا، وہ نرم بستر پر، نرم سی کروٹ لئے سو رہا تھا۔

''زونلہ کہاں ہے؟'' عارفین کو بیوی کا خیال آیا۔

''جہاں ہوتی ہے۔'' بی بی جان نے تلخی سے کہا تھا اور عارفین چپ سا ہو گیا تھا، وہ جن چیزوں، جن کاموں میں قصوروار نہیں بھی تھا ان کے لئے بھی مجرم ہو جاتا تھا۔

''اچھا بیٹا تم کپڑے تبدیل کر کے آؤ تب تک ہم کھانا لگواتے ہیں۔'' بی بی جان بیڈ سے اترتے ہوئے بولیں۔

''دودھ پیا ہے اس نے؟'' عارفین نے بیڈ کے قریب آتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ظاہر ہے بیٹا یہ دودھ پی کر ہی سویا ہے، دودھ کے بغیر گزارا ہے اس کا؟'' وہ خوشگوار لہجے میں بات کر کے عارفین کی فکر مٹا رہی تھیں۔ وہ بیڈ کے قریب کھڑا حانی کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا، آنسوؤں کی نمی سے اس کی پلکیں جڑی ہوئی تھیں، وقفے وقفے سے اس کے منہ سے ہلکی ہلکی سسکیاں بھی نکل رہی تھیں، یعنی وہ کافی دیر تک اور کافی شدت سے روتا رہا تھا۔

''میں اس کو اپنے بیڈ روم میں لے جاتا ہوں۔'' وہ جھک کر اسے اٹھانے لگا تھا۔

''ارے...... رے جاگ جائے گا، اتنی مشکل سے سلایا ہے ابھی...... پگلے اسے کوئی تنگ کر رہا ہے یہاں؟'' بی بی جان نے بڑی تیزی سے عارفین کا بازو پیچھے ہٹایا تھا۔

''دیکھو تھکے ہوئے آئے ہو، جا کر کپڑے تبدیل کرو اور کھانا کھاؤ آ کر، میں بھی آ رہی ہوں۔'' وہ لہجہ بدل کر بولیں تو عارفین خاموشی سے پلٹ کر چلا گیا تھا اور تھوڑی دیر بعد وہ بی بی جان اور بابا جان کے ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا، لیکن اس کا دھیان بار بار زوبلہ کی طرف جا رہا تھا جو حانی کی ذرا سی بھی پرواہ کئے بغیر اس وقت نہ جانے کہاں رنگ رلیاں منا رہی تھی؟ اور حانی تو دور کی بات اس نے اب عارفین کی تھوڑی بہت پرواہ کرنا بھی چھوڑ دی تھی، پہلے ساری زندگی اس نے ماں کی لاپروائیاں دیکھی تھیں اور اب ماں کے ساتھ ساتھ بیوی کی عیاشیاں بھی دیکھنا پڑ رہی تھیں، قسمت کا چکر ہی کچھ ایسا تھا کہ وہ چاہ کر بھی ان سے دامن نہیں چھڑا پا رہا تھا، کیونکہ ان سے دامن چھڑا لینا اتنا آسان ہوتا تو آج وہ اس نوبت کو نہ پہنچتا جہاں وہ سکون بھی گنوا بیٹھا تھا اور جہاں وہ بی بی جان، بابا جان کے ساتھ ساتھ اپنے ضمیر کا اور اپنے بیٹے کا بھی مجرم تھا۔

❁......❁......❁

''تمہیں تنخواہ نہیں ملی ابھی تک؟ گھر کی ہر چیز ختم ہو چکی ہے، اتنی تنگی ہو رہی ہے آج کل۔'' اس کو آفس کے لئے تیار ہوتے دیکھ کر بھابی نے ذرا بے زاری سے کہا تھا، اروی اپنے لمبے بالوں کی چوٹی بناتے بناتے لمحہ بھر کو رکی اور بھابی کا کوفت زدہ چہرہ دیکھا تھا۔

''یکم آج ہے بھابی......'' اس نے نپے تلے مگر کچھ خفگی بھرے انداز سے جواب دیا تھا۔

''اچھا؟ میں تو سمجھی تھی کہ کل یکم تھی، خیر واپسی پہ تنخواہ ملے تو میری یہ میڈیسن لے آنا، رات کو تھکن سے نیند نہیں آئی اور بی پی بھی ہائی ہو جاتا ہے۔'' انہوں نے جھٹ اپنی لسٹ تھما دی تھی اور اروی اپنا بیگ اٹھا کر باہر نکل آئی تھی۔

''سونیا تیار ہے؟'' اس نے پلٹ کر بھابی سے پوچھا تھا۔

''ہاں تیار ہے اس کی ٹیچر سے کہنا کل کسی بچے نے سونیا کو مارا تھا، اس کے گال پہ ابھی بھی نشان ہے یہ دیکھو۔'' بھابی نے سونیا کو پکڑ کر سامنے کیا تھا۔

''تو آپ نے مجھے کل کیوں نہیں بتایا تھا؟'' اروی سونیا کو قریب سے دیکھ کر تڑپ گئی تھی اس کے گال پہ سرخ نشان، بہت واضح دکھائی دے رہا تھا۔

''میں ابھی بات کرتی ہوں ٹیچر سے۔'' اروی سونیا کی انگلی تھامے دروازہ عبور کر گئی تھی۔

سونیا کا سکول ان کے محلے سے اتنا دور نہیں تھا، اروی روزانہ آفس جاتے ہوئے سونیا کو سکول چھوڑتے ہوئے جاتی تھی اور واپسی پہ سارہ اس کو لے آتی تھی۔ پانچ سالہ سونیا جو ابھی پریپ میں اپنی زبان اپنے الفاظ کے اتار چڑھاؤ درست کر رہی تھی، سب گھر والوں کو ہی بہت پیاری لگتی تھی، اروی اور سارہ بھی بے حد پیار کرتی تھیں اور پیار تو انہیں ایک سالہ عمر سے بھی تھا، وہ بھی اپنی توتلی زبان سے پھوپھو کہہ کر دل موہ لیتا تھا اور وہ بہنیں نثار ہو جاتی تھیں۔

سونیا کی ٹیچر سے بات کرتے کرتے وہ آفس سے لیٹ ہو چکی تھی، جبھی بہت عجلت میں وہ آفس پہنچی تھی اور سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ بُری طرح کسی سے ٹکرائی تھی، لیکن ایک مضبوط ہاتھ نے جس مضبوطی سے اسے بازو سے پکڑ کر گرنے سے روکا تھا وہ اس گرفت اور اس ہاتھ کے مضبوط لمس سے ہی پہچان گئی کہ اسے سہارا دینے والا کون ہے؟

''ایم سوری سر!'' وہ فوراً سنبھل کر بولی تھی، جبکہ عارفین نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی تھی۔

''کتنے منٹ لیٹ ہیں آپ؟''

''چالیس منٹ۔'' اس نے سر جھکا لیا تھا۔

''آفس کے رولز کے مطابق پندرہ منٹ لیٹ ہونے والے ورکر کو چھوٹ دی جا سکتی ہے اتنا زیادہ لیٹ ہونا قابل قبول نہیں ہو سکتا۔''

عارفین آفس ٹائمنگ کے متعلق اتنا سختی سے پیش آتا تھا کہ اس کا کوئی بھی ورکر کبھی لیٹ نہیں ہوتا تھا، کیونکہ وہ سب کے سامنے جھاڑ کے رکھ دیتا تھا، جیسے اس وقت اروی کے ساتھ ہوا تھا۔

''ایم سوری سر مجھے اپنی بھتیجی کے ساتھ اس کے سکول جانا پڑ گیا تھا، اس لئے لیٹ ہو گئی تھی۔'' وہ اپنے سامنے کھڑے تفتیشی آفیسر کو سر جھکائے جواب دے رہی تھی۔

''کم از کم آپ کو مجھ سے پہلے آفس میں موجود ہونا چاہئے کیونکہ آپ میری پی اے ہیں، میں نہیں، اور یہی اس جاب کی ڈیمانڈ ہے انڈر سٹینڈ؟''

''یس سر!'' اس نے آہستگی سے سر ہلایا تھا۔

''اوکے آپ اب جا سکتی ہیں۔'' وہ سیڑھیوں کی سمت اشارہ کرتے ہوئے راستے سے ہٹ گیا تھا اور وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گئی تھی۔

''ہیلو مس اروی حیات! کیسی ہیں آپ؟'' ابھی وہ اپنی سیٹ پہ آ کر بیٹھی ہی تھی کہ کہیں سے احمر انصاری ٹپک پڑا تھا۔

''اللہ کا شکر ہے ٹھیک ہوں میں۔'' وہ انتہائی لاپروائی سے کہتی اپنی ٹیبل کے دراز کا لاک کھول کر ضروری فائلز نکالنے لگی۔

''صبح ہی صبح باس نے اچھا نہیں کیا، کم از کم آپ کو اندر تو آنے دیتے، وہیں سیڑھیوں پہ ہی کلاس لینا شروع کر دی۔'' احمر انصاری ہمدردی جتا رہا تھا۔ لیکن اروی ایسی کسی بھی ہمدردی کو خاطر میں نہیں لاتی تھی، وہ ایک باشعور اور سمجھدار لڑکی تھی، وہ ہمیشہ وہی کرتی تھی جو اس کے لئے فائدہ مند

ہوتا تھا، جو اس کے لئے نہ سہی، لیکن اس کے گھر والوں کے لئے اچھا ہوتا تھا۔اور جو اس کے دل و دماغ کو مناسب لگتا تھا۔

''غلطی میری ہی تھی، میں لیٹ آئی تھی، حالانکہ مجھے آفس رولز کی خبر بھی تھی، پھر بھی یہ کوتاہی کر بیٹھی اور سر کا حق بنتا ہے کہ وہ اپنے ورکرز کی غلطی ان کی کوتاہی پہ انہیں ڈانٹ سکیں، کیونکہ وہ ہمیں ''اس وقت'' کا پیسہ دیتے ہیں، وقت کے زیاں پہ نقصان انہی کا ہوتا ہے ہمارا نہیں۔'' اروی نے ایک مضبوط سی دلیل دے کر احمر انصاری کی بولتی بند کر دی تھی جو اس آفس میں جاب کرنے کے لئے نہیں بلکہ اپنے شوق کی تکمیل کرنے کے لئے آتا تھا، وہ کافی اچھی فیملی سے تعلق رکھتا تھا اور عارفین شیرازی کے جاننے والوں میں سے تھا، انہی کی سفارش پہ اس نے اسے جاب دے رکھی تھی، ورنہ احمر انصاری کا ہونا نہ ہونا برابر ہی تھا۔

''اوہ ایم سوری! میں بھول گیا تھا کہ آپ ایک سمجھ دار خاتون ہیں، آپ ہر ایک کا زاویہ نظر سمجھتی ہیں سوائے......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی، جس پہ اروی نے سر اٹھا کر جن نظروں سے دیکھا تھا وہ گڑبڑا کر وہاں سے اٹھنے پہ مجبور ہو گیا تھا۔

''ویسے مس اروی حیات انسان کو اتنا روڈ بھی نہیں ہونا چاہئے کہ وہ دو منٹ کسی سے بات بھی نہ کرے۔'' احمر انصاری کی بات پہ وہ کھول اٹھی تھی۔

''مسٹر احمر انصاری یہ وقت باتوں کا نہیں کام کا ہوتا ہے۔''

''میں جانتا ہوں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کام کے علاوہ کچھ نہیں جانتیں، آپ کے پاس کام کے لئے وقت ہے، مگر اپنے آس پاس بکھرے انسانوں کے لئے ذرا سا بھی ٹائم نہیں۔'' احمر انصاری بے حد سنجیدہ لہجے میں بول رہا تھا۔

''میرے پاس اس لئے کسی اور کام کے لئے وقت نہیں ہوتا، کیونکہ میں آپ کی طرح شوقیہ جاب نہیں کرتی، یہ جاب، یہ کام میری ضرورت ہیں، مجھے تنخواہ ملتی ہے، وقت کی پابندی کرنا اور آفس کے رولز کے مطابق چلنا میری مجبوری ہے، کیونکہ میں اگر ٹھیک سے کام نہیں کروں گی تو مجھے تنخواہ نہیں ملے گی اور تنخواہ نہ ملی تو میری مجبوریاں حل نہیں ہوں گی، اس لئے میں چاہتی ہوں کہ کوئی بھی میری زندگی اور میری جاب ٹائمنگ میں مداخلت نہ کرے۔'' اروی کا لہجہ بے انتہا سخت تھا، وہ حد سے زیادہ اموشنل ہو گئی تھی، اسے بار بار لوگوں کا اس کی سمٹی ہوئی ذات کو کریدنا اور بکھیرنا بہت بُرا لگتا تھا، وہ چڑ جاتی تھی، احمر انصاری پل بھر کے لئے کچھ کہہ ہی نہ سکا تھا، کیونکہ وہ سچ ہی تو کہہ رہی تھی، شوقیہ جاب کرنے اور مجبوری کے تحت کام کرنے میں بڑا فرق تھا۔احمر انصاری کام نہ بھی کرتا تو اس کی صحت پہ کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا، وہ جاب سے ہاتھ دھو کر بھی ریلیکس رہتا جبکہ اروی جاب سے ہاتھ دھو بیٹھتی تو یقیناً اس کے گھر والوں کو فاقے کرنا پڑ جاتے......اسی لئے اس کام کی فکر اور وقت کی قدر کرنا پڑتی تھی۔

''ایم سوری مس اروی، میں اس خیال سے ہرگز نہیں کہہ رہا تھا، بلکہ آپ کو سب سے الگ تھلگ دیکھتا ہوں تو دل میں بے اختیار یہ خواہش ابھرتی ہے کہ آپ بھی سب کے ساتھ ہنسیں بولیں، سب کے ساتھ مل کر بیٹھیں، انجوائے کریں اور یہ اداسی اور تنہائی کا حصار توڑ دیں۔''

''پلیز احمر صاحب میں اس وقت کسی بھی طویل بحث میں نہیں پڑنا چاہتی۔'' اس نے احمر انصاری کی بات درمیان میں ہی کاٹ کر اپنی بات واضح کی تھی، جس کو سمجھتے ہوئے وہ سر ہلا کر خاموشی سے پلٹ کر باہر نکل گیا تھا اور وہ کوئی بھی بات خود پہ طاری کئے بنا فوراً سر جھٹک کر اپنے کام میں لگ گئی

تھی۔ اور شام پانچ بجے آفس سے سیلری لے کر نکلی تو بھابی کی تھمائی ہوئی لسٹ دیکھی تھی جن پہ کچھ دوائیاں اور کچھ نائٹ کریمز تھیں، جو وہ اپنے چہرے کو تروتازہ رکھنے کے لئے رات سونے سے پہلے استعمال کرتی تھیں۔ اس نے گھر کی سمت رخ کرنے کی بجائے مارکیٹ کی سمت رخ کیا تھا، بھابی کی مطلوبہ اشیاء لینے کے بعد بھائی کے لئے فروٹ لیا۔ جوس بسکٹ اور چاکلیٹ سونیا کے لئے، لئے تھے، سارہ کی چپل نہیں تھی اس کے لئے چپل پسند کی اور بھائی کی پسندیدہ ڈش بنانے کے لئے قیمہ بھی بنوالیا تھا، ذہن میں جو ضروری کام تھے وہ نپٹالئے تھے، البتہ باقی رقم سے ابھی بجلی، گیس اور سونیا کی فیس کے بل بھی جمع کروانا تھے، انہی کا حساب کتاب کرتی سارا سامان اٹھائے وہ کسی ٹیکسی یا رکشا کے انتظار میں سڑک پہ آ کھڑی ہوئی تھی۔

اس وقت شام کے چھ بج رہے تھے، شام کا سیاہ آنچل مزید سیاہ رنگ میں رنگتا جا رہا تھا اور سورج کا سنہری جسم اُفق کی گود میں چھپ کر گہری نیند لینے کا تمنائی ہو رہا تھا اور اس کی یہ تمنا ماحول میں عجیب سی افسردگی کا رس گھول رہی تھی، اداسی پوری فضا میں رچی تھی۔ لوگ پنچھیوں کی طرح اپنے اپنے آشیانوں کو لوٹ رہے تھے، سڑک کا کشادہ سینہ گاڑیوں کے ٹائروں سے دھڑک رہا تھا۔ ہر ایک کو سب سے پہلے آگے نکلنے کی اور اپنے گھر جانے کی جلدی تھی، کئی رنگین، شوخ مزاج رومینٹک مرد جاتے جاتے سگنل کے قریب کھڑے بچے سے اپنی بیویوں کو خوش کرنے کے لئے پھولوں کے گجرے بھی لیتے جا رہے تھے اور وہ بچہ مسکراتے ہوئے خوشی خوشی پھول بیچ رہا تھا، صرف اس احساس سے کہ آج وہ بھی اچھی کمائی کر کے گھر جائے گا، اس کے گھر والوں کی ضرورت بھی پوری ہوگی اور اس پھول بیچنے والے بچے کی خوشی دیکھ کر اروی کے دل میں اک گہری ہوک اٹھی تھی اور جسم کا رواں کھڑا ہو گیا تھا، صرف اتنی سی سوچ سے کہ ''گھر والوں کی ضرورت پوری کرنے کے لئے انسان اتنا مجبور ہو جاتا ہے کہ اپنا آپ بھی ''بیچ'' دیتا ہے، اپنا جسم، اپنے احساسات اور اپنے جذبات بھی پیسوں میں تول دیتا ہے، کبھی کبھی اپنی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے اور کبھی کبھی گھر والوں کی ضرورت پوری کرنے کے لئے...... اور وہ بچہ تو محض پھول ہی بیچ رہا تھا۔'' اروی اس بات کو سوچتے ہوئے کانپ اٹھی تھی، اس کے ماتھے پہ پسینے کے قطرے نمودار ہو گئے تھے، دل بے انتہا گھبرایا تھا اور اپنی غیر ہوتی حالت کو سنبھالتی وہ قریب رکنے والی گاڑی سے اچانک ڈر کے پیچھے ہٹی تھی۔

''آؤ میں ڈراپ کر دیتا ہوں...... کافی دیر ہو چکی ہے۔'' عارفین کی بھاری آواز کافی قریب سے ابھری تھی، وہ اپنی سوچ اور موجودہ ماحول سے چونک کر اس کی سمت متوجہ ہوئی تھی، وہ گاڑی کا شیشہ فولڈ کر رہا تھا۔

''نو تھینکس سر میں چلی جاؤں گی۔'' اس نے بیگ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے سختی سے انکار کر دیا تھا۔

''ٹائم بہت ہو چکا ہے اور اس اسٹاپ پہ رش بھی بہت ہے، تمہیں دیر ہو جائے گی۔'' عارفین نے اصرار کیا تھا، وہ چند لمحے ہی سہی اسے اپنے پاس اپنے قریب دیکھنا چاہتا تھا۔

''ایم سوری سر، میں عارضی سہارے نہیں اپنانا چاہتی، اللہ حافظ......'' وہ کہہ کر اس طرف بڑھ گئی جس طرف سے مخصوص ہارن دیتی لوگوں سے کھچا کھچ بھری بس آ رہی تھی اور پھر عارفین کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ اس پر ہجوم بس اور دھکم پیل میں سوار ہو گئی تھی، عارفین کا خون غصے اور اذیت کے احساس سے جل کر سیاہ ہو گیا تھا، اس نے تلملا کر اسٹیئرنگ پہ مکا دے مارا تھا۔

''میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا؟ سب آزاد ہو گئے اور...... میں...... میں قید میں آ گیا؟'' بے بسی نے جیسے اس کے غصے، اس کی سوچ کو مفلوج

کر ڈالا تھا۔ گھر آ کر ہمیشہ کی طرح وہ تھکے تھکے سے انداز میں صوفے پہ ڈھے گیا تھا، لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس اذیت، اس بے بسی کو دل کی دیواروں پہ نقش ہوتا محسوس کرتا اچانک قریب ہی سے حانی کے رونے کی آواز سنائی دی تھی اور وہ ساری تھکن اور ساری کوفت بھلا کر فوراً سیدھا ہوا تھا۔

''ارے...... نئی...... نئی یار رونا نئی...... شاباش نئی رونا۔'' اس نے فوراً کاٹ میں سوئے حانی کو اٹھا لیا تھا، وہ بیدار ہونے کے بعد رونے کا اسٹارٹ لے چکا تھا اور اسے چپ کروانا بے حد مشکل کام تھا، مگر آج وہ باپ کی صورت دیکھ کر خود بخود ہی خاموش ہو گیا تھا، چھ ماہ کا حانی عارفین شیرازی کے شب و روز کا مرکز تھا، وہ اپنے بیٹے کی ذرا سی تکلیف پہ تڑپ اٹھتا تھا، خود تھکن ہونے کے باوجود وہ اس کی ہر چیز کا دھیان رکھتا تھا، اس کی بھرپور نینداس کے صاف ستھرے کپڑے اس کے فیڈر اور نپل کی صفائی، اس کے پیمپر ز اور بچی...... وغیرہ بھی وہ ملازمہ سے پوری توجہ سے کرواتا تھا، تاکہ وہ کسی بھی چیز سے ڈسٹرب نہ ہو...... کبھی جو حانی آفس سے واپسی پہ روتا ہوا ملتا تو پھر عارفین کا سارا غصہ زوئلہ پہ ہوتا تھا یا پھر اپنی ماں رابعہ شیرازی...... مگر زوئلہ کو رابعہ شیرازی کی...... سپورٹ حاصل تھی، اسی لئے وہ عارفین کے غصے کو کافی لائٹ لیتی تھی، اسے حانی کی بالکل پرواہ نہیں تھی، البتہ کبھی کبھار اگر وہ موڈ میں ہوتی تو خوب پیار محبت کا منظر دیکھنے کو ملتا تھا۔ آج تک حانی کو باپ کی محبت ہی میسر آئی تھی، وہ چھ ماہ کا معصوم بچہ ماں کے ہوتے ہوئے بھی ماں کے وجود اور ماں کی محبت سے محروم تھا۔ اور اسی چیز پہ عارفین کا خون پہروں جلتا تھا اور اپنی بے بسی پہ وہ اکثر بپھر بھی جاتا تھا، مگر ماں کے ساتھ بدمزگی پیدا کرنا بھی اسے اچھا نہیں لگتا تھا۔ وہ کئی بار اپنے آپ کو انتہائی قدم اٹھانے سے روک لیتا تھا، حانی کی پیدائش سے پہلے وہ اتنا بے بس نہیں تھا جتنا اب ہو گیا تھا اور نہ ہی اسے اس طرح جلنے کڑھنے کی عادت تھی، جیسے اب ہو چکی تھی...... لیکن پھر بھی گزارا تو کرنا ہی تھا۔

''عذرا حانی کا فیڈر لے کر آؤ اسے بھوک لگی ہے۔'' عارفین نے ملازمہ کو آواز دی تھی، آج بی بی جان واپس گاؤں جا چکی تھیں اور بابا جان بھی ان کے ساتھ ہی گئے تھے، لیکن ان کی آمد اکثر و بیشتر ہوتی رہتی تھی، پہلے بی بی جان صرف ڈاکٹر سے چیک اپ کے لئے شہر آتی تھیں، لیکن اب وہ حانی سے ملنے کے لئے بھی آ جاتی تھیں۔

''زوئلہ کہاں ہے؟'' عذرا سے حانی کا فیڈر لے کر وہ اپنی بیگم کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

''جی وہ اوپر بیڈروم میں آرام کر رہی ہیں۔'' عذرا نے آہستگی سے بتایا تھا۔

''اس وقت وہ گھر پہ ہے؟'' اسے حیرت ہوئی تھی۔

''جی رات کو انہوں نے بڑی بیگم صاحبہ کے ساتھ کسی شو میں شرکت کے لئے جانا ہے اس لئے آرام کر رہی ہیں۔'' عذرا نے اس کے آرام کا جواز بھی بیان کر دیا تھا اور وہ سر ہلا کر رہ گیا تھا، گویا اس وقت اس گھر کی بیگمات گھر پہ ہی تھیں...... وہ تھوڑی دیر بعد حانی کو ساتھ لئے اپنے بیڈروم میں آ گیا تھا۔ جہاں زوئلہ اپنے آرام دہ نائٹ ڈریس میں ملبوس ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی اپنے ہاتھوں پہ کلینزنگ ملک سے مساج کرتی نظر آئی تھی۔

''ہائے عارفین! آپ کب آئے آفس سے؟'' زوئلہ اسے دیکھ کر دور سے ہی ہاتھ ہلا کر چہکی تھی۔

''تم میرے آنے جانے کی ٹائمنگ سے اچھی طرح واقف ہو۔'' عارفین کا لہجہ سرد تھا۔

''کبھی کبھی نجانے کیوں'' آپ لیٹ بھی ہو جاتے ہیں۔ اس لئے پوچھ رہی تھی۔'' زوئلہ کا لہجہ البتہ بہت سے معنی لئے ہوئے تھا، عارفین

کے وجود میں غصے کی ایک تیز لہر اٹھی تھی، لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا دروازے پہ دستک دے کر رابعہ شیرازی اندر داخل ہوئی تھیں۔

''زونلہ بیٹا تم کتنے بجے گھر سے نکل رہی ہو؟'' وہ زونلہ کی طرف متوجہ تھیں، عارفین حانی کو بیڈ پہ لٹا کر اپنے بوٹوں کے تسمے کھولنے لگا تھا۔

''ٹھیک آٹھ بجے نکلوں گی ہال میں پہنچتے ہوئے نو، ساڑھے نو بج جائیں گے اور شو دس بجے شروع ہوگا۔'' وہ دونوں آپس میں ٹائم مقرر کر رہی تھیں اور عارفین ان کو اگنور کیے اپنے کام میں لگا ہوا تھا۔

''او کے ٹھیک ہے پھر میں بھی تب تک تیار ہو جاتی ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے مڑیں اور عارفین کو حانی کی طرف متوجہ دیکھ کر ٹھہر گئی تھیں۔

''بہت پیار ہے تمہیں اپنے بیٹے سے؟'' ان کا انداز استہزائیہ تھا، وہ ضبط کر گیا تھا۔

''اولاد جانوروں کو بھی بہت پیاری ہوتی ہے مما جان میں تو پھر ایک انسان ہوں۔'' اس نے پلٹ کر اپنی ماں کو دیکھا، وہ اس کی آنکھوں میں ہلکورے لیتا طنز با آسانی دیکھ چکی تھیں۔

''لیکن حد سے زیادہ پیار ہمیشہ بگاڑ پیدا کرتا ہے، چاہے کسی سے بھی ہو......'' انہوں نے اپنی بے کار سی منطق پیش کی تھی۔

''اگر چھ ماہ کا بچہ میرے پیار سے بگڑ سکتا ہے تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، بلکہ میرے پیار سے اس کا بگڑ جانا بھی میرے لئے خوشی کا باعث ہوگا، میں اپنے بیٹے کو اپنے باپ سے محروم نہیں کر سکتا۔''

''اونہہ! یہ وہی بچہ ہے عارفین جس کے پیدا ہونے پہ تمہیں اختلاف تھا، تم کو اس کے ذکر پہ بھی اعتراض ہوتا تھا، تم انکاری تھے اس سے، لیکن مجھے سمجھ نہیں آتا کہ اب......اب اتنی جان کیوں چھڑکتے ہو؟ کیا وجہ ہے اتنے پیار کی؟'' انہوں نے جواباً اپنا طنز آزمایا تھا۔

''اختلاف مجھے اس کے وجود سے نہیں آپ کے کرتوت......'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا تھا، اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں اور لب سختی سے بھینچ رکھے تھے۔

''اوہ کم آن مام! آپ پلیز کن باتوں میں پڑ گئی ہیں، جلدی سے تیار ہو جائیں میں ابھی آ رہی ہوں۔'' زونلہ نے ماں، بیٹے کے بیچ آ کر بات کو سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔ رابعہ شیرازی عارفین کی ادھوری بات کا زہر پیتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تھیں، اس وقت بیچ بچ ان کے پاس جھگڑا فساد کرنے کا ٹائم نہیں تھا۔

''کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ آپ بھی ہر بات پہ غصہ کرنے لگے ہیں آج کل، پلیز کول ڈاؤن......'' زونلہ نے عارفین کا بازو پکڑ کر اسے بیڈ پہ بٹھایا تھا۔ اور عارفین نے نفرت سے زونلہ کو دیکھتے ہوئے اس کے ہاتھ سے اپنا بازو چھڑا لیا تھا۔

''بات انہوں نے شروع کی تھی میں نے نہیں۔'' وہ غضب ناک ہوا تھا۔

''تو اس میں اتنا غصہ کرنے والی کون سی بات ہے، وہ مما ہیں ہماری، کیا وہ ہم سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتیں؟'' زونلہ کو رابعہ شیرازی سے محبت کا اُبال اٹھا تھا۔

''ہرگز نہیں! وہ مجھ سے کچھ کہنے کا حق نہیں رکھتیں، انہوں نے میرے ساتھ میرے جذبات کے ساتھ جو کھیل کھیلا ہے اس کے بعد کچھ بھی

کہنے سننے کی گنجائش نہیں نکلتی، میں جو کچھ ان کے لئے کر چکا ہوں وہی بہت ہے، مزید کوئی بھی پیار محبت نہیں جتا سکتا ان سے، وہ ماں نہیں ایک مفاد پرست عورت ہیں، انہوں نے ہمیشہ میری ذات کو کیش کیا ہے، بلکہ انہوں نے تو میری اولاد کو بھی نہیں بخشا۔" وہ اس وقت خاصا زہر خند ہو رہا تھا، زوئلہ نے کچھ کہنا چاہا تھا، مگر پھر خاموش ہو کر اپنا دامن بچا لیا تھا، وہ مزید کچھ کہہ کر اس کے غصے کو ہوا نہیں دے سکتی تھی، ٹائم کافی کم تھا اس کے پاس اور ابھی اس نے تیار بھی ہونا تھا، وہ چپکے سے اُٹھ کر واش روم میں گھس گئی تھی۔

❁......❁......❁

"اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" مغرب کی نماز ادا کر کے وہ کمرے سے باہر نکلی تو بہروز بھائی کو صحن میں بیٹھے دیکھ کر قریب آ گئی تھی۔

"اللہ کا شکر ہے بیٹا بہت بہتر ہوں، تم سناؤ کام زیادہ تو نہیں ہوتا؟" وہ بہت ہی پُر شفقت سے لہجے میں پوچھتے ہوئے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ چکے تھے۔

"نہیں کام تو روزانہ ہی معمول کے مطابق ہوتا ہے اور ویسے بھی اتنے سے کام سے بھلا تھکن کیسی؟" اروی ان کی تسلی کے لئے مسکرائی تھی، کیونکہ اسے پتہ تھا کہ وہ اکثر اس کے بارے میں ہی سوچتے رہتے ہیں، انہیں یہی فکر ہوتی تھی کہ وہ اکیلی نازک سی لڑکی اس گھر کا بوجھ اٹھاتے اٹھاتے تھک جائے گی، آج کل کے مہنگائی کے دور میں مرد گھروں کا بوجھ اٹھاتے ہوئے ہار جاتے تھے، وہ تو پھر نازک اندام لڑکی تھی، جس کا جسم بھی نازک تھا اور جذبات بھی نازک تھے، بس حوصلہ اور ہمت مضبوط تھی۔

"بیٹا تھکن بھی ہو ہی جاتی ہے، تمہاری جو عمر سہیلیوں کے ساتھ ہنسی مذاق اور خوشگوار خواب دیکھنے کی تھی وہ تم نے میری بیماری کا علاج کرنے اور گھر کا بوجھ اٹھانے میں لگا رکھی ہے، اپنا آپ بھلا کر سب کا خیال رکھتی ہو یہ صرف تمہارا حوصلہ اور ہمت ہے، ورنہ ایسا کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔ میں جب کام کرتا تھا تو واپسی پہ اتنا تھک جاتا تھا کہ تم لوگوں کے ساتھ کچھ دیر بیٹھ کر ٹھیک سے بات بھی نہیں کر پاتا تھا، بس یہی کوشش ہوتی تھی کہ تھوڑا آرام کر لوں...... مگر تمہیں میں نے آج تک ایسا کرتے نہیں دیکھا، تم سب کو ان کے حصے کا ٹائم دیتی ہو، چاہے وہ سونیا اور عمر ہو، چاہے امی جان یا پھر میں خود......" وہ آج کافی باریک بینی سے اروی کی خوبیاں جانچ رہے تھے، اروی کا سر جھک گیا تھا۔

"بھائی میں دراصل یہ چاہتی ہوں کہ گھر میں کوئی یہ محسوس نہ کرے کہ آپ بیمار ہیں، میں سب کو یہ احساس دلانا چاہتی ہوں کہ آپ بالکل ٹھیک ہیں، آپ کی موجودگی، آپ کی صحت، آپ کی تسلی میرے لئے بہت اہم ہیں۔" وہ ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے کچھ روہانسی ہو گئی تھی۔

"بیٹا میں مر بھی جاؤں تو تمہارا یہ احسان نہیں اتار سکتا۔" وہ مشکور ہونے لگے تھے۔

"بھائی پلیز! آپ ایسا کہہ کر مجھے میری ہی نظروں میں بے قدر اور بے وقعت کیوں کر رہے ہیں؟ اگر آپ کی نظروں میں میری کوئی اہمیت ہے تو اسے احسان کے لفظ استعمال کر کے ختم نہ کیا کریں۔ اور میں نے کوئی پہاڑ نہیں کھودا، جس پہ آپ ہمیشہ شکریہ ادا کر کے مجھے شرمندہ کر دیتے ہیں اور ویسے بھی یہ گھر جتنا آپ کا ہے اتنا میرا بھی ہے، میرا اتنا ہی حق بنتا ہے جتنا آپ کا تھا۔" اروی نے ان کے ہاتھوں پہ ہاتھ رکھے ہوئے تھے اور انہیں بھرپور تسلی دے رہی تھی۔

''بے شک ہزاروں لڑکیاں ہیں، مگر بیٹا میرے لئے تم تو اکیلی ہی ہونا، جس نے میرے لئے اتنی جدوجہد کی ہے، اتنی قربانی دی ہے۔''

''قربانی؟'' اروی نے بُری طرح چونک کر بہروز بھائی کو دیکھا تھا، ان کے چہرے پہ اروی کے لئے محبت ہی محبت تھی اور ایسا کوئی تاثر نہیں تھا جس سے وہ لفظ ''قربانی'' کا مطلب اخذ کرتی۔

''اپنی آنکھوں کی نیندیں، اپنے خواب، اپنا آرام، اپنا سکھ چین اپنے آپ کی پرواہ، سب کچھ چھوڑ دینا، وہ بھی کسی اپنے کی خاطر...... قربانی ہی تو ہے بیٹا؟ اور اس سے بڑی قربانی کیا ہوگی بھلا؟'' بہروز بھائی بہت پژمردہ ہو رہے تھے۔ ''آپ کو کیا پتہ بھائی میں نے قربانی کی کون سی حد پار کی ہے؟ میں نے کسی قیامت کی قربانی دی ہے، آپ کو کیا خبر؟'' یہ سوچ، یہ احساس ذہن میں آتے ہی اروی کی آنکھوں میں دھند اتر آئی تھی اور دل بیٹھے بیٹھے تپتی ریت پہ جا گرا تھا، خون کی جگہ رگوں میں اذیت بہنے لگی تھی، اس سے اب وہاں بیٹھنا دشوار ہو گیا تھا۔

''سارہ ادھر آؤ بھائی کے پاس بیٹھو، میرا شاید فون بج رہا ہے۔'' اروی فوراً وہاں سے اٹھ گئی تھی، اس کے دل میں ہوک اٹھ رہی تھی، دل بُری طرح تڑپ رہا تھا۔

''آپ کو کیا خبر میرے بھائی، میں آپ کی زندگی کے عوض اپنی روح، اپنا جسم تک بیچ چکی ہوں، زندہ لاش کا چلتا پھرتا ثبوت ہوں میں، میرا سینہ بغیر دل کے دھڑک رہا ہے، میری سانسیں بغیر آکسیجن کے چل رہی ہیں، میری آنکھوں کا نور بک چکا ہے......اور......اور میں پھر بھی زندہ لوگوں میں شمار ہوتی ہوں، پھر بھی میں جی رہی ہوں، میری ذات نہ جانے کس موڑ پہ کھو گئی ہے، مجھ سے میرا اپنا آپ، بہت پیچھے رہ گیا ہے۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی تھی۔ اس کے اندر کچھ تڑپ رہا تھا، کچھ جل رہا تھا، پیاسے صحراؤں سی تشنگی اس کی ذات کے آنگن میں بکھر چکی تھی، وہ اپنی تڑپ، اپنی جلن، اپنی تشنہ لبی کا اظہار کرنے سے قاصر تھی، بے بس تھی، اپنا دکھوں سے تار تار آنچل کسی کو نہیں دکھا سکتی تھی، کسی کے سامنے اپنی قسمت کا رونا نہیں رو سکتی تھی، وہ ایسی اذیت کے جال میں جکڑی تھی جہاں سے رہائی کا کوئی امکان ہی نہیں تھا اور وہ اس جال میں تنہا بے بسی سے پھڑپھڑاتی رہ جاتی تھی، سب سے چھپ کر روتی تھی اور ساتھ یہ بھی کوشش کرتی تھی کہ کوئی بھی اس کے آنسو نہ دیکھ پائے......اگر کوئی ہمدردی سے رونے کی وجہ پوچھ لیتا تو یقیناً وہ خود پہ ضبط کا پہرہ نہیں بٹھا سکتی تھی......اب بھی وہ اکیلی رو رہی تھی اور بے تحاشا رو رہی تھی۔

❁......❁......❁

حانی کے لئے خشک دودھ کے ڈبے، پیمپرز، نئے فیڈر، نئے کپڑے، ٹشوز کے بنڈل اور بچوں کی ضرورت کی اور بھی دیگر اشیاء وغیرہ لے کر وہ سٹور سے نکل کر اپنی گاڑی کی سمت بڑھ رہا تھا، جب قدم ٹھٹک کے رہ گئے تھے۔ کاٹن کے سادہ سے لائٹ پنک کلر کے سوٹ میں ملبوس اپنے دھیان میں وہ کسی کا بازو تھامے برابر والے ہسپتال سے نکل رہی تھی......اس نے ذرا غور سے پہچاننے کی کوشش کی تو فوراً جان لیا کہ وہ کون ہیں؟

''السلام علیکم!'' اس نے قریب جا کر سلام کیا تھا اور اس کی آواز پہ اروی کے قدم ٹھٹک گئے تھے۔ عارفین شیرازی اس کے روبرو کھڑا تھا، لیکن سلام وہ اس کی امی کو کر رہا تھا۔

''ارے شیرازی صاحب کیسے ہیں آپ؟'' اروی کی امی بھی اسے پہچان گئی تھیں، سلام کا جواب دینے کے بعد اس کا حال احوال پوچھنے لگیں۔

''اتنی اپنائیت بھی دے رہی ہیں اور ساتھ ایک فاصلہ بھی رکھ رہی ہیں، میں کیا سمجھوں اس کو؟'' عارفین نے اچٹتی نظر سے اروی کے چہرے پہ پھیلی ناگواری پل میں بھانپ لی تھی۔

''آپ کا کیا مطلب ہے بیٹا؟'' امی نے ناسمجھی سے استفسار کیا تھا۔

''میرا مطلب بہت واضح ہے، آپ پہلے بھی ایک ملاقات میں مجھے بیٹا کہہ چکی ہیں، اب بھی بیٹا کہہ رہی ہیں، جبکہ جہاں تک میرا خیال ہے کہ ماؤں کے لئے بیٹے ''آپ'' نہیں ہوا کرتے اور نہ ہی مائیں ''شیرازی صاحب'' کہہ کر بلاتی ہیں ماؤں کے لئے بیٹے صرف بیٹے ہوتے ہیں۔'' عارفین کی وضاحت پر اروی کی امی حیرت اور خوشی کی ملی جلی کیفیت سے اسے دیکھ رہی تھیں، لیکن اروی کی پیشانی پہ شکنوں کا اضافہ ہو گیا تھا، اسے عارفین شیرازی کا یہ لگاؤ، یہ انسیت بالکل اچھے نہیں لگ رہے تھے، اسے کوفت ہونے لگی تھی۔

''امی چلیں؟'' اس نے اپنے آپ کو نارمل کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

''آئیے میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں؟'' عارفین نے امی کو پیشکش کی۔

''نہیں ہم چلے جائیں گے، آپ پریشان نہ ہوں۔'' اروی نے اسے انکار کر دیا تھا، حالانکہ وہ امی کو مخاطب کر رہا تھا۔

''اس میں پریشانی والی کونسی بات ہے؟ ماں جی آپ ٹھہریں، میں گاڑی نکالتا ہوں۔'' عارفین ان کو مزید انکار کا موقع دیئے بنا فوراً پلٹ گیا تھا، لیکن امی اور اروی کی نگاہیں بیک وقت عارفین کے ہاتھوں میں پکڑے...... بیگ سے ٹکرائیں، جن میں بچگانہ استعمال اور ضروریات کی چیزیں تھیں جن کے بارے میں امی نے گاڑی میں بیٹھتے ہی استفسار کر دیا تھا۔

''یہ چیزیں کس کے لئے ہیں بیٹا؟ کہیں چوری چھپے باپ تو نہیں بن بیٹھے اور ہمیں بتایا بھی نہیں؟'' ان کا سوال اروی کے دل پہ اور عارفین کے اعصاب پہ اک برچھی سی چلا گیا تھا، وہ ان کو جواب دینے کے لئے الفاظ تلاشتا رہ گیا تھا۔ درحقیقت وہ اروی کے سامنے اس سوال کا جواب دینے کی ہمت اپنے اندر...... مجتمع نہیں کر پا رہا تھا۔

''ارے بیٹا کہاں کھو گئے ہو؟''

''جی کہیں نہیں! آپ کو شاید پتہ نہیں چلا چھ ماہ پہلے ہمیں اللہ تعالیٰ نے بیٹا دیا تھا، اب تو ماشاءاللہ سات ماہ کا ہونے والا ہے، اس کی شاپنگ اور ضروریات کی چند چیزیں لینے کے لئے آیا ہوا تھا، ہر سنڈے کو اسی کے ساتھ بزی رہتا ہوں۔'' عارفین نے بہت ہمت کر کے کہہ ہی ڈالا تھا اور کھڑکی سے باہر دیکھتی اروی کے چہرے پہ گہرے کرب کا سایہ لہرا کے گزر گیا تھا جو امی سے تو پوشیدہ ہی رہا، مگر بیک ویو مرر سے دیکھتے عارفین سے مخفی نہیں رہ سکا تھا۔

''اچھا بیٹا یہ تو اللہ نے بڑا ہی کرم کیا ہے آپ لوگوں پہ، میری طرف سے بہت بہت مبارک ہو آپ سب کو، مجھے تو سچ مچ پتہ ہی نہیں چلا اور اس پگلی اروی نے بھی نہیں بتایا ورنہ میں مٹھائی لے کر ضرور آتی، آپ لوگوں کے بہت احسان ہیں ہم پہ، خاص طور پر زوئلہ بی بی کے اور رابعہ بہن کے۔'' امی اور عارفین کی باتیں اروی کو بے حد ناگوار گزر رہی تھیں اور پھر عارفین موضوع گفتگو بدلنے کی خاطر امی کی طبیعت اور بہروز بھائی کی صحت

کے متعلق باتیں کرنے لگا تھا، اپنے گھر کے قریب آ کر گاڑی سے اترتے ہوئے اروی نے گہری نظروں سے عارفین شیرازی کے ''بیٹے'' کے شاپنگ بیگز دیکھے تھے، اس کی نظروں کا زخمی پن وہ با آسانی محسوس کر چکا تھا، جبھی اللہ حافظ کہتے ہی فوراً گاڑی ریورس کر کے پلٹ کے چلا گیا تھا۔

⊛......⊛......⊛

آفس سے واپسی پہ گھر میں قدم رکھا تو خلاف معمول خاصی چہل پہل کا احساس ہوا تھا اور پھر برآمدے میں کھیلتے سونیا اور گڈو کو دیکھ کر اس چہل پہل کی وجہ بھی سمجھ میں آ گئی تھی، یعنی یسری آپی تشریف لائی ہوئی تھیں۔ اروی اپنے اور سارہ کے مشترکہ کمرے میں گئی۔ بیگ رکھا، چادر اتار کر دوپٹہ اوڑھا اور پھر سادہ چپل پہنتی ہوئی بہروز بھائی کے کمرے میں آ گئی جہاں یسری آپی اپنے دو بچوں کے ساتھ موجود تھیں، ان کا تیسرا بچہ گڈو باہر کھیل رہا تھا۔

''السلام علیکم آپی، کیسی ہیں؟'' اروی بہت عرصہ بعد بہن سے مل رہی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں، اللہ کا شکر ہے، تم سناؤ گڑیا کیسی ہو؟'' یسری آپی اٹھ کر اروی سے گلے ملی تھیں۔

''میں بھی ٹھیک ہوں، عظیم بھائی کہاں ہیں؟ وہ کیوں نہیں آئے؟'' وہ یسری کے شوہر کا پوچھ رہی تھی۔ ''وہی چھوڑنے آئے تھے دوپہر کا کھانا بھی یہیں کھا کر گئے ہیں۔ تمہارا بھی پوچھ رہے تھے امی سے۔'' یسری نے مسکرا کر بتایا تھا۔

''لیکن اتنی جلدی چلے کیوں گئے وہ بھی آج رات رک جاتے؟''

''انہوں نے کسی ضروری کام سے لاہور جانا تھا، اس لئے جلدی چلے گئے، پرسوں آ جائیں گے، تم سناؤ بہت کمزور اور تھکی ہوئی لگ رہی ہو؟'' یسری آپی نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بہت محبت سے پوچھا تھا...... اروی بے ساختہ چپ سی ہو گئی تھی کہ میرے چہرے، میرے وجود پہ نہ جانے کیسی تھکن ہے جو ہر ایک کو پہلی نظر میں ہی نظر آ جاتی ہے اور وہ اس تھکن کو باوجود کوشش کے چھپا نہیں پا رہی اور نہ ہی لفظوں میں بیان کر پا رہی ہو...... جامد چپ اور گہری تنہائی کے عالم میں وہ اپنی ہی ذات کی غلام گردشوں میں چکرا رہی تھی جہاں سے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اس کیفیت سے نکالنے والا کوئی بھی نہیں تھا۔

عشاء کی نماز کے بعد وہ اپنے بستر پہ لیٹی ہی تھی کہ وہ بھی اس کے پاس ہی آ بیٹھیں۔ سارہ اپنے نوٹس وغیرہ بنانے میں مصروف تھی اور امی بھائی اور بھابی کے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھیں، ان کی یہ روٹین تب سے چلی آ رہی تھی جب سے بہروز بھائی بیمار ہوئے تھے، وہ رات کو کچھ دیر ان کے پاس ضرور بیٹھتی تھی۔

''اروی تم جانتی ہو مجھے آج بہروز بھائی نے بلایا ہے؟'' انہوں نے ہلکی سی تمہید باندھی۔

''کیوں خیریت ہے؟'' اروی کو پریشانی ہوئی تھی۔

''ہاں خیریت ہی ہے...... دراصل وہ چاہتے ہیں کہ تم اب اپنے گھر کی ہو جاؤ، کیونکہ شادی کے لئے یہی عمر موزوں ہوتی ہے۔'' یسری آپی نے اس کے استفسار پہ مزید کوئی تمہید باندھے بغیر سیدھی سیدھی بات کہہ ڈالی تھی، اور ان کی بات پہ اروی یک دم سناٹے میں آ گئی تھی، اس کے کانوں میں

سائیں سائیں ہونے لگی تھی، دل و دماغ یک دم منہ کے بل گرے تھے اور رگوں میں دوڑتے لہو کی رفتار ایک جھٹکے سے رکی اور نبض بے دم ہو کر رہ گئی۔

''شادی؟'' وہ زیر لب بڑبڑائی تھی یہ لفظ اسے بچھو کی طرح زہریلا لگا تھا۔

''ہاں بہروز بھائی کہتے ہیں کہ اب وہ پہلے سے بہتر ہیں اور ایک دو لوگوں کو کام کے لئے بھی کہہ چکے ہیں، یقیناً ان کو کام مل جائے گا تب تک تمہاری بات طے ہو جائے گی اور بعد میں شادی کی تیاری شروع کر لیں گے؟''

''لیکن آپی! ابھی تو وہ پوری طرح سے ٹھیک بھی نہیں ہوئے، وہ اتنی جلدی کام کیسے کر سکتے ہیں؟ اور ویسے بھی جب اتنا مشکل زمانہ ہم گزار چکے ہیں، تھوڑا وقت اور سہی، یقیناً اللہ بہتر حل نکالے گا۔ اتنا عرصہ علاج کروانے اور احتیاط کرنے کے بعد اب ہم اینڈ میں آ کر ایسی جلد بازی کیوں کریں؟ ہماری زندگی کے سب کاموں سے زیادہ بھائی کی زندگی اور صحت ہمارے لئے بہت زیادہ اہم اور ضروری ہیں یسری آپی۔'' اروی بات کرتے ہوئے بمشکل اپنے اعصاب کنٹرول کر پائی تھی، ورنہ دل و دماغ کی سنگت بہت بے ربط ہو رہی تھی۔

''تمہاری پریشانی بھی بالکل بجا ہے اروی، لیکن بہروز بھائی اپنی جگہ بالکل ٹھیک سوچ رہے ہیں، آج کل کے دور میں اچھے پرپوزل کب ملتے ہیں اور ویسے بھی جرار تمہیں پسند کرتا ہے۔''

''کیا؟'' جرار کا نام سن کر وہ حیرت سے ہونچکا رہ گئی تھی۔

''ہاں یہ پرپوزل جرار اور بھابی کی مرضی سے آیا ہے، وہ بھی چاہتی ہیں کہ تم جرار کی دلہن بنو، اور کسی نہ کسی حد تک امی اور بہروز بھائی بھی اس رشتے پہ خوش ہیں، لیکن اس کے باوجود فیصلے کا اختیار تمہارے ہاتھ میں ہے، وہ تمہاری مرضی کے خلاف کچھ بھی نہیں کرنا چاہتے، مگر پھر بھی میں چاہوں گی کہ تم اس نہج پر سوچتے ہوئے سمجھداری سے کام لو، کیونکہ آج جو اچھے پرپوزل تمہارے نہ چاہنے کے باوجود آ رہے ہیں، کل کو وقت ہاتھوں سے پھسل گیا تو یہی پرپوزل تمہارے چاہنے پر بھی نہیں آئیں گے......'' یسری آپی اپنے بڑے پن کا پورا پورا ثبوت دے رہی تھیں اور وہ زندگی کے ''بے بس مقام'' پہ کھڑی اپنے دماغ کو ماؤف ہوتا محسوس کر رہی تھی۔ یسری آپی فیصلے کی ڈور اس کے ہاتھ میں تھما کر جا چکی تھیں......اور وہ اک نئے امتحان کے لئے اپنی ہمتیں مجتمع کرنے لگی تھی، اس نے اپنا آپ آنسوؤں کے ہاتھوں میں سونپ دیا تھا، اسے یوں لگ رہا تھا کہ اب زندگی کا دائرہ اس پہ مزید تنگ ہوتا جا رہا ہے، اب اس کے سامنے پل صراط ہے اور وہ پہلے ہی قدم پہ جھٹکا کھا کے ''آگ اور اذیت'' کے گہرے کنویں میں جا گرے گی اور سچ مچ وہ رات بھر اپنے آپ کو اسی کنویں میں تڑپتے ہوئے دیکھتی رہی، جہاں کوئی بھی اس کے کام نہیں آ سکتا تھا، جہاں صرف اور صرف اچھے اعمال کا وجود کام کر سکتا تھا۔ لیکن اچھے اعمال کے لئے وہ اپنے گزشتہ حالات پہ نگاہ دوڑاتی تو یقیناً سہم جاتی، دل و دماغ پہ خوف ساطاری ہو جاتا تھا اور اب اپنے آپ کو مزید سزا دینے کے لئے تیار کرنے کا سوچتی......اک ایسے گناہ کے لئے جو اس نے کر کے بھی نہیں کیا تھا اور شاید یہی ''کر کے نہ کرنے'' کا دکھ ہی اس کو رات بھر رلاتا تھا، وہ اتنی با اعتماد، بہادر لڑکی اپنے ماضی کے سمندر میں اترتی تو بے حد کمزور پڑ جاتی تھی، وہ خزاں رسیدہ پتے کی مانند ہو جاتی تھی، اسے پھر کچھ یاد نہیں رہتا تھا، آج بھی ایسا ہی ہوا تھا اس کی سوچ اور ماضی کا ساتھ فجر کی اذان کے وقت چھوٹا تھا، مؤذن کی آواز پہ......!

❁......❁......❁

روئی روئی سرخ آنکھیں، سپاٹ چہرہ، سرد انداز، اور حرکتیں، بہت نپی تلی سی تھیں جو کسی سنگین طوفان کا پیش خیمہ لگ رہی تھیں...... آفس میں میٹنگ ہونے کی وجہ سے عارفین اس طوفان کا ٹھیک سے اندازہ نہیں کر پا رہا تھا...... ڈیڑھ دو گھنٹے میٹنگ میں گزر گئے تھے، اس کے بعد اس کی کسی سے ملاقات کی اپائنٹمنٹ تھی، پھر لنچ ٹائم میں بھی موقع نہیں مل سکا تھا، مگر اندر ہی اندر اس کا اضطراب اور بے چینی بڑھتی رہی تھی، شام پانچ بجے کے قریب جب وہ سب سے آخری فائل کی تفصیلات لے کر روم میں آئی تو عارفین ایک سیکنڈ کی بھی تاخیر کیے بنا اپنی چیئر دھکیل کر اٹھ گیا تھا اور اروی سے پہلے وہ اس کے قریب آ کھڑا ہوا تھا، لیکن پھر بھی وہ فائل کھول کر اسے کام کی ڈیٹیل بتانے لگی۔

''رشید صاحب کا کہنا ہے کہ کل آپ سائٹ پہ کام کریں گے اور تمام مزدوروں کے ساتھ آپ کو ایک میٹنگ رکھنا ہوگی، کیونکہ جیسا کام پہلے ہوتا تھا چند دنوں سے ویسا کام نہیں ہو رہا ہے...... اور یہ آفریدی برادرز کی مارکیٹ کا نقشہ تیار ہو چکا ہے، اگر آپ چاہیں تو اس میں......''

پلیز! پلیز اروی! میں یہ سب نہیں سننا چاہتا، مجھے وہ بتاؤ جو تمہارے اندر زہر کھول رہا ہے، جس کی اذیت تمہارے چہرے پہ تحریر ہے!'' اس نے جھنجھلا کر کہتے ہوئے فائل اس کے ہاتھ سے لے کر دور اچھال دی تھی، اروی کا سر جھک گیا تھا، وہ دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے گہری سانس لے کر رہ گئی تھی، اس نے شاید اپنے اور عارفین کے درمیان فاصلہ رکھنا چاہا، لیکن عارفین نے دونوں ہاتھوں سے اسے کندھوں سے تھام لیا تھا اور اس کے اتنے مضبوط شکنجے کے باعث وہ اپنی جگہ سے مزید ہلنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

''اروی! میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے کوئی درجہ دے کر یا پھر اہم جان کر اپنا مسئلہ شیئر کرو...... میں بس اتنا چاہتا ہوں کہ مجھے ایک انسان ہونے کے ناطے اور انسانیت کے تحت ہی سہی پلیز اپنی پرابلم بتاؤ، اپنا مسئلہ شیئر کرو، کیوں خود پہ اتنے کڑے خول چڑھا رہی ہو؟ کیوں تنہا عذاب جھیل رہی ہو؟'' اس نے اروی کو سختی سے جھنجھوڑ ڈالا تھا اور وہ خود پہ ضبط کے پہرے بٹھاتے بٹھاتے اپنے ضبط کے تمام بند توڑ بیٹھی تھی اور یہ اس کی بے بسی کی انتہا تھی کہ وہ اگلے پل عارفین شیرازی کے سینے سے لگی تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی اور اس کے اس بے بس و بے خود حرکت پہ عارفین اور بھی زیادہ پریشان ہو گیا تھا، کیونکہ اسے پتہ تھا کہ اروی حیات کسی چھوٹی سی بات پہ اس قدر حوصلہ ہارنے والی نہیں، مسئلہ یقیناً اس کے اختیار سے باہر تھا...... چند لمحے یونہی گزر گئے، وہ دونوں خاموش تھے...... مگر ان دونوں کی کیفیات بول رہی تھیں...... اروی کے آنسو بول رہے تھے اپنا دکھ، اپنی بے بسی سنا رہے تھے اور عارفین کا دل بول رہا تھا وہ سینے سے لگے اروی کو چپ کرا رہا تھا اور اس کے آنسو اپنے اندر جذب کر رہا تھا، دونوں کی تسلی لینے اور دینے کا انداز بے زبان تھا، مگر پھر بھی بول رہا تھا۔ اروی کی ہچکیوں سے لرزتے جسم اور اک روانی سے بہتے آنسوؤں میں بہت شدت تھی اور کچھ ایسی شدت تھی کہ عارفین اسے روک نہیں پایا تھا...... جب وہ بہت زیادہ رو چکی تو پھر کافی دیر بعد اس کے گرد اپنا بازو حمائل کرتے ہوئے اسے نرمی سے چپ کرانے کی کوشش کی تھی۔

''کسی نے کچھ کہا ہے؟'' بے حد مدھم اور بھاری آواز سے پوچھا گیا تھا۔

''بہروز...... بہروز بھائی میری شادی کرنا چاہتے ہیں۔'' ہچکیوں کے درمیان اس نے عارفین شیرازی پہ بم پھوڑ دیا تھا۔

''میں شادی کے نام سے بھی نفرت کرتی ہوں...... میں...... میں کبھی شادی نہیں کروں گی، میں خودکشی کرلوں گی، مگر شادی نہیں......'' وہ پھر بے ربط الفاظ میں بولتے بولتے رو پڑی تھی اور عارفین بُری طرح چکرا گیا تھا، وہ بڑی مشکل سے اپنے اعصاب ٹھکانے پہ لایا تھا۔

''پلیز اروی! کنٹرول یور سیلف، ایسا کچھ نہیں ہوگا، میں...... میں کچھ حل سوچتا ہوں، پلیز تم اس طرح مت روؤ۔'' اس نے اپنے سینے میں منہ چھپائے روتی ہوئی اروی کو اپنے مضبوط بازوؤں کے حلقے کا احساس دلاتے ہوئے جیسے اپنی ذات کی مضبوطی کا یقین دیا تھا، لیکن اروی کے ساتھ جو کچھ ہو چکا تھا اس کے ہوتے ہوئے اچھے کی امید وہ کبھی نہیں کر سکتی تھی...... اس پہ آج تک جو بھی مشکل وقت آیا تھا اسے جھیلنا پڑا تھا، وہ مشکل وقت کبھی ٹلا نہیں تھا اور اس بار بھی اسے یقین تھا کہ وہ اس مشکل کے گرداب میں ضرور پھنسائی جائے گی۔

''مسٹر عارفین شیرازی آپ یہ بات جانتے ہیں کہ میں کبھی شادی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی...... میں کبھی شادی کا ذکر بھی نہیں سننا چاہتی...... اس سے بہتر ہے کہ میں اپنے آپ کو ختم کر ڈالوں۔'' وہ عارفین شیرازی کی شرٹ دونوں مٹھیوں میں دبوچے بے حد جذباتی ہو رہی تھی اور عارفین اس کے شانے سہلاتے ہوئے اسے ریلیکس کرنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر جیسے ہی وہ اس کے پر حدت لمس سے چونکی اسے کرنٹ چھو گیا تھا، وہ یک دم اِک جھٹکے سے اس کے سینے سے الگ ہوئی تھی۔

''اروی؟'' عارفین کو اس کی اسی بے مروتی پہ کافی تکلیف ہوئی تھی، اس نے ہاتھ بڑھا کر اروی کو خود سے قریب کرنا چاہا تھا، لیکن اس سے پہلے کہ وہ اسے اپنے قریب کرتا، اچانک آفس روم کا دروازہ اک دھماکے سے کھل گیا تھا وہ دونوں چونک گئے تھے، سامنے دہلیز میں کھڑی زونلہ شیرازی کافی خشمگیں نظروں سے دیکھ رہی تھی اور دونوں کو بیک وقت اپنے غضب سے راکھ کر دینا چاہتی تھی، لیکن زونلہ کے اندر داخل ہونے سے پہلے ہی اروی اپنے آنسو رگڑتی ہوئی تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

''اونہہ! تو آفس میں آج کل اس طرح گلچھرے اڑائے جا رہے ہیں؟'' اروی کو نخوت سے دیکھتے ہوئے وہ عارفین کے قریب آ گئی تھی۔

''زونلہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے جو تم سمجھ رہی ہو۔'' اسے زونلہ کا شک نہ جانے کیوں برا لگا تھا کہ وہ صفائی دینے لگا۔

''جو میں سمجھ رہی ہوں وہ ویسا نہیں ہے تو پھر ''ایسا'' کیوں ہے؟'' زونلہ نے استہزائیہ انداز میں عارفین کی سفید شرٹ کی سمت اشارہ کیا تھا، جہاں اروی اور عارفین کی تازہ ترین قربت کی تحریر رقم تھی، عارفین نے سر جھکا کر دیکھا تو خاموش ہو گیا تھا، اروی کے آنسو اس کی شرٹ کو زبان دے گئے تھے۔ جب ہی تو زونلہ، عارفین کے کہے پہ نہیں، شرٹ کے کہے پہ یقین کر رہی تھی۔

''بولیں نا، ایسا کیوں ہے؟ کمرے کی تنہائی میں آپ کی صاف ستھری شرٹ کھڑے کھڑے کیسے بھیگ گئی ہے؟ حالانکہ اے سی بھی آن ہے۔'' زونلہ چبا کر بولی تھی۔

''میں تمہیں ہر بات کا جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔'' عارفین کا انداز بھی سخت ہو چکا تھا۔

''آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ آپ کے پاس میری بات کا کوئی جواب ہی نہیں ہے۔ آپ ہم سے چوری چھپے اس دو ٹکے کی لڑکی کے ساتھ آفس میں عیاشی کرتے پھر رہے ہیں، اسی لئے اسے نوکری سے نہیں نکالا، اسی لئے مجبوریوں کا بہانہ بنا رکھا ہے اور اسی لئے اس پہ دو حرف لعنت کے نہیں بھیجے۔''

''اسٹاپ اٹ...... جسٹ اسٹاپ اٹ زونلہ!'' وہ یکدم دھاڑ اٹھا تھا۔

''تم اپنی حد سے بڑھ رہی ہو، آج تک اگر میں نے تمہارے کسی بھی معاملے میں انٹرفیئر نہیں کیا تو تم بھی ایسا کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتیں۔

تمہیں اپنی حد میں رہنا چاہئے ورنہ میرے سوئے ہوئے اعتراضات بھی بے دار ہو سکتے ہیں۔" وہ یک دم غصے سے غرا کر بولا تھا لیکن زونلہ پہ کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔اس نے گھر آ کر بھی اس بات کا کافی فساد پھیلایا تھا۔رابعہ شیرازی بھی زونلہ کے چاہنے والوں میں سے تھیں۔انہوں نے بھی توپوں کا رخ عارفین کی سمت موڑا تھا۔

"ابھی تک تمہارا دل نہیں بھرا اس مظلوم، بے چاری، غریب حسینہ سے؟" رابعہ شیرازی کا لب ولہجہ زونلہ سے بھی زیادہ ہتک آمیز تھا جس پہ عارفین کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

"بس بہت ہو گیا یہ فضول کا واویلا۔آپ لوگوں نے حد کر ڈالی ہے۔میری خاموشی اور میری شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں آپ سب۔لیکن میری بات یاد رکھ لیں کہ آپ نے جو کچھ کرنا تھا، کر لیا۔اب میری باری ہے۔اب میں حد کروں گا اور آپ لوگ دیکھیں گے کیونکہ مجھے ایسا کرنے پہ آپ مجبور کر رہی ہیں۔"

وہ غصے سے کہتا پلٹ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا تھا اور رابعہ شیرازی خفگی سے زونلہ کی سمت پلٹی تھیں۔

"کیا ضرورت تھی اسے اتنا غصہ دلانے کی......"

"لیکن مام! وہ اس لڑکی کے ساتھ کمرے میں......" زونلہ نے کچھ بولنا چاہا تھا۔

"اگر تم نے اس لڑکی کو عارفین کے ساتھ دیکھ ہی لیا تھا تو درگزر کر جاتیں، کبھی موقع ملتا تو ہم اس لڑکی کا دماغ ٹھکانے لگا دیتے۔آخر تمہیں پتہ بھی ہے کہ وہ اسے پسند کرنے لگا ہے لیکن سویٹ ہارٹ پسند کب تک چل سکتی ہے، کب تک وہ چوری چھپے اس کے ساتھ وقت گزار سکتا ہے؟ آخر کار لوٹ کے تمہارے پاس ہی آئے گا۔یہ صرف وقتی جذبات کا اثر ہے جو اسے اس کی قربت سے دور نہیں ہونے دے رہا اور تم جانتی ہو، جذبات کا دریا کتنی جلد اتر جاتا ہے۔" رابعہ شیرازی نے اپنی لاڈلی چہیتی بھانجی کا کندھا تھپکا تھا اور زونلہ مطمئن ہو گئی تھی۔

"پھر اب کیا کروں۔" انداز میں تفکر تھا۔رابعہ شیرازی بھانجی کے سوال پہ مسکرا دیں۔

"اب اس کے پاس جا کر بہت "اچھے" انداز میں سوری کرو اور اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرو۔اگر وہ سچ مچ غصے میں آ کر کچھ کر بیٹھا تو پرابلم ہو جائے گی۔" انہوں نے زونلہ کو مشورہ دیا تھا اور وہ سر ہلا کر کچھ سوچنے لگی تھی۔

❁......❁......❁

"اروی بیٹا......ادھر آؤ میرے پاس۔" بہروز بھائی نے رات کے کھانے سے فارغ ہوتے ہی اروی کو اپنے پاس بلایا تھا۔وہ سارہ کے ساتھ مل کر برتن سمیٹ رہی تھی، بھائی کے بلانے پہ برتن کچن میں چھوڑ کر ان کے پاس آ بیٹھی تھی۔

"کیا بات ہے بھابی! آپ ٹھیک تو ہیں نا۔" اروی ان کی طرف سے فوراً ہی پریشان ہو جاتی تھی۔

"ہاں بیٹا! ٹھیک ہوں، اللہ کا بڑا کرم ہے۔" وہ دل کی گہرائیوں سے اپنے رب کے شکر گزار ہوئے تھے۔

"آپ ہمیشہ اروی آپی کو اپنے پاس بلا کر بٹھاتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں، کبھی مجھے بٹھایا آپ نے، کبھی میرا خیال آیا آپ کو؟" سارہ

کچن سے نکلتے ہوئے کافی نروٹھے پن سے بولی تھی اور بہروز بھائی اس اچانک شکوے پر بے ساختہ ہنس پڑے تھے اور ساتھ ہی اسے بھی قریب آنے کا اشارہ کیا تھا۔

''پگلی! کچھ باتیں صرف بڑوں سے کرنے کے لئے ہوتی ہیں، بچوں سے نہیں۔ تم ابھی بچی ہو اور بچی ہی رہو اور اس بچپنے میں فائدہ بھی ہے اور بھلا بھی۔ اور ویسے بھی جو بات میں اروی سے کرنا چاہتا ہوں، وہ تم سے کیسے کر سکتا ہوں؟ تم تو ہو ہی چھوٹی سی بچی۔'' انہوں نے بہت پیار سے کہتے ہوئے سارہ کو بازو کے حصار میں لے کر نرمی اور وضاحت سے سمجھایا تھا۔

''کالج میں پڑھتی ہوں اور ابھی بھی چھوٹی سی بچی ہوں؟'' اس نے خفگی سے کہا تھا اور اروی کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

''پہلے تم گرما گرم چائے لے کر آؤ نا پھر بات بھی بتاتے ہیں۔'' وہ اس کی شرارت سمجھ چکے تھے۔

''چائے تو میں لے آتی ہوں لیکن آپ کو یہ بھی بتا دیتی ہوں کہ مجھے اس بات کا پتہ ہے۔'' سارہ معنی خیزی سے کہتے ہوئے اروی کو دیکھنے لگی تھی اور اروی اس کی ذومعنی بات کا مطلب سمجھ کر اپنی جگہ پہ سن سی بیٹھی رہ گئی تھی اور اس کی رنگت بھی پل میں متغیر ہوئی تھی۔

''کیا پتہ ہے بھئی؟ تمہیں کس نے بتایا؟'' بہروز بھائی مسکرا کر بولے تھے۔

''بھابی نے...... وہ کہہ رہی تھیں کہ اروی آپی کی بات جرار بھائی کے ساتھ طے ہونے والی ہے۔ باقی سب تو ٹھیک ہے، بس اروی آپی سے پوچھنا باقی ہے۔'' سارہ نے اروی کے دل کو لرزا کے رکھ دیا تھا، وہ کچھ بھی دیکھے سنے بنا کھڑی ہوگئی تھی۔

''اروی! کہاں جا رہی ہو، بیٹھو بیٹا۔'' بہروز بھائی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ بٹھا لیا تھا لیکن اروی کا جسم برف کی مانند ٹھنڈا پڑ چکا تھا، اس کے لئے مشکل یہ تھی کہ بات کرنے والے بہروز بھائی خود تھے اور باپ اور بھائیوں کے سامنے اپنا اعتماد بحال رکھنا ایک مشرقی لڑکی کے لئے انتہائی مشکل امر تھا۔ چاہے وہ لڑکی بنیادی طور پر کتنی ہی پراعتماد اور بولڈ کیوں نہ ہو۔

''دیکھو بیٹا! چند دن پہلے یسری نے تم سے بات تو کی ہوگی، تم اس بات کے متعلق......''

''بھائی! میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے، میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتی ہوں۔'' زندگی میں پہلی بار اروی نے بھائی کی بات سنے بغیر اپنی بات کہی تھی۔ اندر سے کچھ بُرا تو لگا تھا لیکن جو کچھ وہ کہنا چاہ رہے تھے، وہ اس سے بھی زیادہ بُرا تھا۔ لہٰذا اسے بہانا بنانا پڑا تھا۔ بہروز بھائی بات کرتے کرتے ٹھٹک گئے تھے۔ وہ اروی کے چہرے سے ہی اذیت کے آثار بھانپ گئے تھے اور انہیں یقین ہوگیا کہ وہ حقیقتاً کچھ ڈسٹرب ہے۔ ''ٹھیک ہے بیٹا! تم آرام کرو، بعد میں بات کرلیں گے۔'' بہروز بھائی ہمیشہ اپنی تینوں بہنوں کے ساتھ ایک باپ کی طرح پیش آتے تھے۔ اروی خاموشی سے وہاں سے اٹھ کر اندر کمرے میں چلی گئی تھی اور بھابی نے تیز نظروں سے اروی کی پشت کو گھورا تھا، انہیں شوہر پہ بھی غصہ آیا تھا جنہوں نے بات کرتے کرتے بھی بات پوری نہیں کی تھی اور معاملہ پھر کسی وقت پہ ٹال دیا تھا جبکہ دوسری طرف جرار زور دیے جا رہا تھا۔

❁......❁......❁

وہ صبح آفس جانے کے لئے تیار ہو کر نیچے آیا تو کافی عجلت میں تھا کیونکہ وہ حانی سے لاڈ پیار کرنے کے چکر میں آفس سے خاصا لیٹ ہو چکا تھا لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ اس وقت ناشتے کی ٹیبل پہ زونلہ شیرازی بھی موجود تھی۔ حالانکہ ان کا ناشتہ اس وقت نہیں، دوپہر کو لنچ ٹائم میں ہوتا تھا اور ایسا کبھی کبھار ہی ہوتا تھا کہ وہ لوگ ایک دوسرے کو صبح کے وقت دیکھتے تھے ورنہ اکثر ایک گھر میں رہنے کے باوجود ان لوگوں کی آپس میں ملاقات رات گئے یا پھر فجر سے ذرا پہلے ہوتی تھی، جب دنیا کے تمام ہنگاموں سے تھک ہار کر انہیں اپنے بیڈ روم کی طلب ستاتی تھی۔

''گڈ مارننگ۔'' زونلہ نے چھوٹتے ہی اسے وش کیا تھا لیکن عارفین نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

''صاحب! ناشتہ لگاؤں؟'' ملازمہ پہلے سے الرٹ کھڑی تھی۔

''ہوں۔'' وہ آہستگی سے سر ہلا کر اپنے کف لنکس بند کرنے لگا تھا۔

''تم رہنے دو، میں چائے بناتی ہوں۔'' زونلہ نے ملازمہ کے ہاتھ سے ٹی پاٹ تھام لیا۔

''عذرا چائے بناؤ۔'' عارفین نے سختی سے کہا تو ملازمہ تذبذب میں پڑ گئی تھی جبکہ زونلہ ان دونوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کپ سیٹ کر کے رکھتے ہوئے چائے بنانے لگی تھی۔

''عذرا! میں جو کہہ رہا ہوں، وہ تمہیں سمجھ نہیں آ رہا۔'' عارفین کو غصہ آیا تھا۔

''میں چائے بنا تو رہی ہوں آپ کے لیے۔''

''مگر میں ملازموں کے ہاتھ سے چائے پینے کا عادی ہوں۔'' وہ ذرا تلخی سے بولا تھا۔

''آج میرے ہاتھ سے پی لیں۔'' زونلہ ادا سے بولی تھی۔

''میں ذرا دیر کے لئے اپنی عادت میں خلل نہیں ڈال سکتا۔''

''عارفین! پلیز کیا ہو گیا ہے آپ کو؟'' زونلہ کرسی دھکیل کر اٹھی اور اس کے قریب آتے ہوئے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھنا چاہا تھا لیکن وہ ناگواری سے پیچھے ہو گیا تھا اور ملازمہ کے سامنے اپنی اس قدر انسلٹ پہ زونلہ کا رنگ بدل گیا تھا۔

''اپنی حد میں رہو زونلہ!'' وہ چبا کر بولا تھا۔

''آپ مجھے حد بتا رہے ہیں، آپ کو پتہ تو ہے میاں بیوی میں کوئی حد نہیں ہوتی۔'' زونلہ نے اپنی کھسیاہٹ مٹانے کے لئے کہا تھا۔

''جب میاں بیوی کی حدیں جدا ہو جائیں تو خود بخود ان کے درمیان حد بن جاتی ہے اور پھر اس حد میں رہنا ہی بہتر ہوتا ہے۔'' عارفین نے اسے جتایا تھا۔

''عارفین! یہ کس لہجے میں بات کر رہے ہو تم، زونلہ تمہاری بیوی ہے ملازمہ نہیں۔'' رابعہ شیرازی اپنے ڈھیلے ڈھالے نائٹ ڈریس میں ملبوس تیکھے لہجے میں کہتی ہوئی سیڑھیاں اتر آئی تھیں۔ گویا وہ بات سن چکی تھیں

''اونہہ...... بیوی...... میں آپ کو اتنا بتا دینا چاہتا ہوں مام کہ آپ کی زونلہ شیرازی اس وقت تک میری بیوی تھی جب تک وہ ''صرف''

میری بیوی تھی۔ آپ مجھے میری بیوی کا احساس دلانا چھوڑ دیں۔ جو جیسا ہے میں اچھی طرح جانتا ہوں۔'' وہ زوئلہ پہ ایک کاٹ دار نظر ڈالتا ہوا اپنا بریف کیس لے کر پلٹ گیا تھا۔

''عارفین......عارفین......'' رابعہ شیرازی پکارتی رہ گئیں مگر وہ نہیں رکا تھا اور زوئلہ اپنی جگہ پہ تلملائی ہوئی تھی، اسے رہ رہ کر اروی حیات پہ تاؤ آ رہا تھا جو بیٹھے بٹھائے گلے کا پھندا بن گئی تھی۔

❁......❁......❁

''سر! آج آپ سائٹ کا وزٹ کریں گے، بہت سے ورکرز آپ سے میٹنگ کی ڈیمانڈ کر رہے ہیں۔'' اروی نے اندر آتے ہی آج کا اہم کام بتانا شروع کیا تھا۔ یہ دیکھے اور سوچے بغیر کہ وہ سن بھی رہا ہے یا نہیں۔

''سر...... مسز ہمدانی والا پراجیکٹ بھی آج کل آپ کی توجہ چاہتا ہے۔ مینجر صاحب بتا رہے تھے کہ مسز ہمدانی کو میٹریل پہ تھوڑا اعتراض ہوا تھا، شاید وہ آپ سے کچھ ڈسکس کرنا چاہتی ہیں۔'' اس نے دوسرا اہم کام بھی بتایا تھا لیکن اس بار چونک گئی تھی کیونکہ دوسری طرف مکمل خاموشی تھی اور اسی خاموشی سے ذرا ٹھٹک کر اس نے نظریں اٹھا کر عارفین کی سمت دیکھا تھا، وہ کرسی کی بیک سے ٹیک لگائے مسلسل چھت کو گھور رہا تھا۔ اس کی خوبصورت پلکیں (جن کی خوبصورتی کا اعتراف وہ خود بھی کرتی تھی) بس ایک ہی جگہ ساکت ہوئی لگ رہی تھیں اور آنکھیں کسی پتھر کا سا احساس لئے ہوئے تھیں اور خود وہ اتنا خاموش تھا کہ اروی کو اس کی حالت سے ذرا سا خوف محسوس ہوا تھا اور وہ بے ساختہ ہی اسے مخاطب کرنے پہ مجبور ہو گئی تھی۔

''سر! آپ ٹھیک تو ہیں؟'' آج بہت عرصہ بعد اس کے لہجے میں پہلے والی اروی بولی تھی لیکن دوسری طرف اس کا انداز ہنوز تھا جس پہ اسے مزید تشویش ہوئی تھی۔

''سر! آپ ٹھیک تو ہیں نا؟'' اس نے آگے بڑھ کر عارفین کے بازو کو چھوا تھا اور اس کا لمس عارفین کی رگ و جان میں گہرے سکون کی مانند اترا تھا۔

''میں بہت تھک گیا ہوں اروی!'' اس کی تھکن اس کے انداز سے نہیں، اس کے ایک ایک حرف سے بھی عیاں ہو رہی تھی۔ اروی کا ہاتھ اس کے بازو پہ......رُکا تھا۔ اس نے فوراً ہاتھ کھینچنے کی کوشش کی تھی مگر عارفین نے اس کا ہاتھ نرمی سے تھام کر اپنی پتھر آنکھوں پہ رکھ لیا تھا۔

''میں بہت تھکا ہوا ہوں اروی! بہت بے سکون ہو چکا ہوں میں، بہت کمزور پڑ گیا ہوں۔ میرے پاس رہو، مجھے سکون دو اروی! پلیز مجھے سمجھو، مجھے اپنا بن کے چاہو یا پھر مجھے چاہنے دو۔'' اس کا لہجہ عجیب تھکا تھکا گمبھیر اور بہکا سا تھا۔ اروی کا ہاتھ لرز اٹھا، وہ غیر محسوس انداز سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

''سر! پلیز......'' اس نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

''پلیز اروی! کچھ مت کہو، مجھے کچھ لمحے سکون سے جینے دو۔ بس کچھ لمحے۔'' عارفین کا لہجہ کچھ ایسا تھا کہ اس کا اثر اروی کے اردگرد حصار کھینچنے لگا تھا مگر وہ اس حصار میں آنا نہیں چاہتی تھی گو کہ پہلے بھی ان دونوں کے درمیان بہت سے کمزور لمحے آئے تھے اور ان کمزور لمحوں میں بہت کچھ ہوا تھا مگر اب وہ

کوئی بھی کمزور لمحہ افورڈ نہیں کرسکتی تھی اور نہ ہی ایسا کچھ چاہتی تھی مگر عارفین سکون کے ان لمحوں کو دُہرانا چاہتا تھا بقول اس کے کہ وہ کچھ دیر جینا چاہتا تھا۔اس نے اروئی کے نازک نرم دودھیا ہاتھ کو آنکھوں سے ہٹا کر اپنے ہونٹوں پہ رکھ لیا تھا اور اروئی، عارفین کے ہونٹوں کا لمس اسے ہمیشہ کی طرح آج بھی دہکا...... گیا تھا وہ گنگ سی ہوگئی تھی اسے عارفین سے اس حرکت کی ہرگز امید نہیں تھی اسے یقین نہیں آیا تھا کہ زندگی کے اس تلخ مقام پہ آکر بھی وہ ایسا کچھ کرے گا۔

"سر......" وہ حیرت زدہ سی کھڑی تھی اور عارفین کی اس قدر بے خود جسارت پہ ابھی پریشان ہو رہی تھی کہ اس نے اروئی کا دوسرا ہاتھ بھی تھام لیا تھا وہ اس کے ہاتھوں کو کبھی آنکھوں پہ سجا رہا تھا کبھی رخساروں پہ اور کبھی ہونٹوں پہ اور اروئی اس کی دیوانگی پہ ہکا بکا سی رہ گئی تھی وہ شدت جذبات سے اپنی بے قراری اور بے چینی کا ٹھیک سے اظہار بھی نہیں کر پا رہا تھا اس نے اپنے اعصاب یکجا کرتے ہوئے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے چھڑا لیے تھے لیکن اس سے پہلے کہ وہ پلٹ کر وہاں سے چلی جاتی عارفین نے اس کو اک جھٹکے سے کھینچ کر اپنے سامنے کھڑا کر لیا تھا اور اروئی اس کے ایسے اچانک حملے پہ لڑکھڑا کے رہ گئی تھی۔

"مجھے میری باتوں کا جواب دے کر جاؤ اروئی حیات! مجھے بتاؤ میں زندگی جینے کے لیے سکون کہاں سے تلاش کروں؟ تھک چکا ہوں میں۔میری برداشت کی حد ختم ہوگئی ہے۔میں تمہارے گھر والوں سے ملنا چاہتا ہوں، میں سب کچھ کلیئر کرنا چاہتا ہوں۔" عارفین افسردگی کے خول سے نکل کر اب جھنجھلاہٹ اور غصے کا شکار ہو رہا تھا۔

"سر آپ کی باتوں کا جواب سیدھا سا ہے آپ اپنی زندگی جینے کے لیے سکون اپنی بیوی اور بچے میں تلاش کریں، اپنی تھکن اپنی بیوی سے شیئر کریں اور بھول جائیں کہ آپ میرے گھر والوں سے مل کر کچھ کلیئر کریں گے جب تک میں نہیں چاہوں گی کچھ نہیں ہوگا ورنہ آپ کی برداشت کی حد نہیں میری برداشت کی حد ختم ہو جائے گی اور آپ مجھے کمزور سمجھ کر اپنے قریب لانے کی یا پھر تنہائی کا فائدہ اٹھانے کی کوشش مت کیا کریں ورنہ میں ریزائن بھی دے سکتی ہوں چاہے میں کتنی ہی مجبور کیوں نہ ہوئی۔" وہ غصے اور سختی سے کہتی ہوئی عارفین کے ہاتھ اپنے بازوؤں سے جھٹک کر باہر نکل گئی تھی اور عارفین نے ایک زوردار مکا اپنی ٹیبل پہ دے مارا تھا اور کرسٹل ٹیبل چکنا چور ہو کر دور تک بکھر گئی تھی اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اک اک چیز تہس نہس کر دے اس کے اندر بہت سا غبار جمع تھا۔

وہ اس قدر ڈسٹرب تھا کہ حانی کو ساتھ لے کر گاؤں چلا آیا تھا اور اس کی اچانک آمد پہ بابا جان اور بی بی جان خوشی سے نہال ہوگئے تھے۔

"میں صدقے جاواں میرے دونوں پتر اک ساتھ آئے نے۔" بی بی جان نے فوری ان دونوں کا صدقہ دیا تھا۔

"جاؤ خانم مہر النساء کو بھی بتاؤ کہ عارفین آیا ہے اپنے بیٹے کے ساتھ۔" انہوں نے ملازمہ کو بھیجا عارفین بی بی جان کے پاس بیٹھا تھا اور بابا جان حانی کے ساتھ کھیلنے میں لگے تھے۔

"زونلہ کہاں تھی، اسے بھی اپنے ساتھ لے آتے بیٹا!" بابا جان نے حانی سے دھیان ہٹا کر عارفین کی تھکن کو جانچا۔

"وہ ایک جگہ رہنے والی عورت ہوتی تو شاید ساتھ لے ہی آتا، گھر پہ نہیں تھی اسی لیے نہیں لایا۔" اس کی بات کا مفہوم وہ دونوں سمجھ چکے تھے۔

"کیسے ہو عارفین بیٹا؟" مہر النساء کی خوبصورت دھیمی آواز پہ عارفین نے چونک کر سر اٹھایا تھا سفید بڑے سے دوپٹے میں اپنے آپ کو

ڈھانپے رابعہ شیرازی کی ہم عمر مہرالنساء بہت سادہ اور بہت پاکیزہ لگ رہی تھیں ''کاش یہ میری ماں ہوتیں'' اس نے آج تک جتنی بار مہرالنساء کو دیکھا تھا اس کے دل میں یہ کاش ضرور پیدا ہوا تھا اور ساتھ ہی اپنے باپ کی بدقسمتی پہ تاسف بھی ہونے لگتا تھا جن کا نصیب مہرالنساء کو چھوڑ کر رابعہ شیرازی سے جڑ گیا تھا۔

''عارفین......'' اسے یک ٹک دیکھتے پا کر انہوں نے نرمی سے اسے دوبارہ مخاطب کیا تھا۔

''جی......جی السلام علیکم آنٹی۔'' اس نے چونکتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کر انہیں سلام کیا تھا۔

''والسلام بیٹا' کیسے ہو اور آج ادھر آنے کا خیال کیسے آ گیا؟'' وہ بی بی جان کے برابر بیٹھ گئیں۔

''بس فرصت ہی نہیں ملتی تھی آج دل کچھ بوجھل سا ہو رہا تھا تو سوچا بی بی جان اور بابا جان سے مل کر ان کی کچھ دعائیں ہی لے لوں۔''

''زونگلہ اور رابعہ باجی کہاں ہیں؟ کیسی ہیں وہ؟'' وہ بہت نرمی سے اور اپنائیت سے پوچھ رہی تھیں۔''

''ٹھیک ہیں وہ لوگ بھی۔'' وہ مختصر کہہ پایا تھا۔

''اور حانی؟''

''حانی وہ بابا جان کے پاس ہے۔'' عارفین نے بابا جان کی طرف اشارہ کیا جو حانی کو بہلانے کی خاطر ایک طرف رکھے پنجرے کے پاس لے گئے تھے جن میں رنگ برنگ آسٹریلین طوطے قید تھے اور حانی ان کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔

''ارے حانی بھی آیا ہے؟'' مہرالنساء کے چہرے پہ خوشی کا رنگ بکھرا تھا اور وہ بے اختیار حانی کے پاس چلی گئیں اور اٹھا کر ساتھ لے آئی تھیں۔

''بالکل تم پر گیا ہے سارے نین نقوش باپ کے چرائے ہیں اس نے۔'' مہرالنساء کی بات پہ عارفین مسکرا دیا تھا اور ان لوگوں کے پاس بیٹھ کر چند لمحوں کے لئے وہ سارا ڈیپریشن بھول گیا تھا۔

◈......◈......◈

''ہیلو اروی کیسی ہو ڈیئر؟'' آج سنڈے تھا وہ گھر پہ تھی اور اپنے چھوٹے چھوٹے کام نپٹا رہی تھی۔

جب پتہ چلا کہ جرار اپنی بہن (ثمینہ بھابی) سے ملنے آیا ہوا ہے اروی سر جھکا کر نہانے کے لئے باتھ روم میں گھس گئی تھی اور بہت اطمینان سے وہ، بہت دیر تک شاور لینے کے بعد وہ باہر نکلی تو بھی وہ یہیں تھا، اروی اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن جرار اس سے ملے بغیر جانا نہیں چاہتا تھا وہ اپنے بال خشک کر کے دوپٹہ اوڑھتی ہوئی باہر نکلی ہی تھی کہ اچانک بھابی کے کمرے سے وہ بھی باہر آ گیا تھا۔

''اللہ کا شکر ہے میں ٹھیک ہوں۔'' وہ کہہ کے کچن کی طرف پلٹی تھی۔

''منگنی کا کب تک ارادہ ہے؟'' وہ کافی دیدہ دلیری سے پوچھ رہا تھا۔

''کس کی منگنی؟''

''تمہاری اور میری!'' اس نے کندھے اچکائے۔

''آپ سے کس نے کہا کہ میں آپ سے انگیج منٹ کرنے والی ہوں؟'' اروی کا لہجہ تیکھا تھا۔

''تمہارے گھر والوں نے۔'' جرار نے ٹھنک کر جواب دیا تھا۔

''گھر والوں سے مراد ثمینہ بھابی نے؟''

''ہاں۔'' اس نے اعتراف کیا تھا۔

''سوری جرار صاحب ابھی میری گھر والوں سے اس ٹاپک پہ کوئی بات نہیں ہوئی لہٰذا آپ میری طرف سے دل میں کوئی بھی امید مت رکھیں......اول تو میں نے آپ کے بارے میں سوچا ہی نہیں اور اگر سوچ بھی لیا تو آپ بخوبی جانتے ہیں میرا جواب انکار میں ہوگا اور میرے انکار کی وجہ مت پوچھئے گا بلکہ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھ لیجئے گا کہ آپ میں عورت کی عزت کرنے کی کتنی صلاحیت ہے؟'' اروی کچھ بھی خیال کئے بغیر شروع ہو گئی تھی۔

''اروی پلیز وہ سب کچھ ایک نادانی تھا اب میں سب چھوڑ چکا ہوں۔'' جرار نے کھوکھلے سے انداز میں کہا تھا۔

''آپ نے شاید چھوڑ دیا ہو لیکن مجھے ابھی تک یاد ہے سب۔'' اروی کا لہجہ سخت تھا۔

''تم پلیز میرے بارے میں ایک بار سوچو تو سہی، میں تمہیں بہت خوش رکھوں گا۔'' جرار نے یقین دلایا۔

''بدکردار انسان کے ساتھ کوئی خوش نہیں رہ سکتا جرار صاحب۔'' اروی کے جواب پہ جرار کے لب بھینچ گئے تھے اور وہ اروی کو سرتاپا دیکھتے ہوئے وہاں سے چلا گیا تھا مگر ثمینہ بھابی کو پتنگے لگ گئے تھے۔

''ایسی کونسی بدکرداری دیکھ لی تم نے میرے بھائی کی جو اس پہ اتنا گرم ہو رہی ہو؟''

''یہ سوال آپ اپنے بھائی سے کیجئے گا جس نے جان بوجھ کر میرے لئے پرپوزل بھیجا...... میں اس طرح انکار نہیں کرنا چاہتی تھی مگر آج اس نے خود مجھے بولنے پہ اکسایا ہے۔'' اروی کا غصہ بھی عروج پہ تھا وہ بھابی کو جواب دے کر اندر چلی گئی تھی جبکہ بھابی پورے گھر میں تپتی پھر رہی تھیں اور بہروز بھائی سب سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

دو روز بعد وہ آفس آیا تو موڈ پہلے سے کافی فریش تھا بی جان اور بابا جان جیسے اپنوں سے اپنائیت اور محبت ملی تو دل کا کافی بوجھ ہلکا ہو گیا تھا لیکن دوسری طرف بوجھ کچھ بڑھا ہوا لگ رہا تھا اروی کا چہرہ پہلے سے زیادہ سنجیدگی لئے ہوئے تھا۔ آج کے کاموں کی ترتیب میں پہلا کام سائٹ پہ جانے کا تھا لہٰذا اس نے اروی کو چلنے کا سگنل دیا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو شاید وہ اس کے ساتھ جانے سے کتراتی مگر اس وقت اس کے لئے یہ سہولت تھی کہ مینجر صاحب اور کمپنی کا ڈرائیور بھی ساتھ جا رہا تھا وہ لوگ آگے پیچھے چلتے ہوئے نیچے آئے تو احمر انصاری نے روک لیا۔

''ایکسیوزمی سر!'' عارفین کے قدم تھم گئے تھے۔

''سرفرائیڈے کو میری سسٹر کی انگیج منٹ ہے ہم نے اپنے تمام قریبی رشتہ داروں اور جاننے والوں کو انوائٹ کیا ہے پلیز اگر آپ بھی شرکت کریں گے تو ہمیں خوشی ہوگی۔'' احمر نے انویٹیشن کارڈ عارفین کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔

''انشاء اللہ ضرور شامل ہوں گے۔'' اس نے ہامی بھری تھی۔

''اور مس اروی یہ آپ کے لئے۔'' اس نے دوسرا کارڈ اروی کی سمت بڑھایا تھا۔

دن بھر کام کے دوران ٹائم کا پتہ ہی نہیں چلا ابھی وہ مزید آگے بڑھ رہے تھے جب عارفین کے پرسنل سیل پہ کال آئی۔

''کیا؟ حانی بیڈ سے گر گیا؟'' عارفین جیسے چیخ اٹھا تھا اور اروی یکدم لڑکھڑا گئی تھی اس کے ہاتھ سے منرل واٹر کی بوتل چھوٹ کر نیچے جا گری تھی۔

''تم اس کا خون روکنے کی کوشش کرو اور ابھی ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤ میں ابھی آ رہا ہوں۔'' عارفین تیز تیز بولتا واپسی کے لئے پلٹ گیا تھا۔

''سر پلیز میں بھی آ رہی ہوں...... پلیز سر رکیں۔'' وہ بمشکل اینٹوں اور پتھروں سے ٹھوکریں کھاتی اس کے پیچھے بھاگی تھی وہ لوگ اس وقت سیکنڈ فلور پہ تھے جہاں سے اترنا بھی ذرا مشکل ہو رہا تھا کیونکہ سیڑھیوں کا کام زیر تعمیر تھا۔ ڈرائیور کو ہٹا کر ڈرائیونگ سیٹ وہ خود سنبھال چکا تھا گاڑی اسٹارٹ ہونے سے پہلے وہ بھی اس کے برابر آ بیٹھی تھی اور پھر سیکنڈوں میں عارفین گاڑی مین روڈ پہ لے آیا تھا اور ساتھ ہی اس نے فون کر کے ملازمہ کو ہاسپٹل کا بتایا...... عارفین کا ایک ڈرائیور اور گاڑی ہمہ وقت گھر پہ موجود رہتے تھے کہ ایمرجنسی میں کسی کو بھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔

''سر حانی...... حانی کو زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟ وہ ہوش میں تو ہے نا؟'' عارفین نے ابھی کال بند ہی کی تھی کہ اروی نے اس کا بازو تھام کے بہت بے قراری سے پوچھا تھا اور عارفین اس کے زارو قطار بہتے آنسوؤں کو اور بے قرار لہجے کو دیکھ کر تھم سا گیا تھا...... اروی کے اندر کیا چیز تڑپ رہی تھی؟ یہ جان کر وہ جیسے خاک ہو گیا تھا۔ کیونکہ عارفین سے زیادہ وہ تڑپی تھی اروی کا دل اس کی آنکھوں میں آبسا تھا اور مچل مچل کر رو رہا تھا وہ اتنی مضبوط لڑکی پل میں بکھر گئی تھی ''محض ایک چوٹ پہ۔'' عارفین کو اس کی بے قراری پہ کافی اذیت کا احساس ہوا تھا لیکن پھر خود کو سنبھال لیا۔

''ڈونٹ وری معمولی سی چوٹ ہے ٹھیک ہو جائے گا!'' اس نے اپنے بازو پہ رکھے اس کے ہاتھ کو نرمی سے تھپکا تھا۔

''آپ کے لئے معمولی سی چوٹ ہے مگر......'' اروی کچھ کہتے کہتے رک گئی اور پھر گھٹ گھٹ کر رونے لگی تھی اس کا یہ رونا ہاسپٹل پہنچنے تک جاری رہا تھا......

گاڑی سے اترتے ہی وہ تقریباً بھاگتے ہوئے اندر گئے تھے عارفین اپنی مطلوبہ جگہ پہ پہنچا تو قدم تھم گئے تھے جبکہ اروی کے بے قرار قدم پتھر کے ہو گئے تھے...... سامنے ہی زوئلہ شیرازی حانی کو گود میں لیے اس کے زخم پہ پٹی کروا رہی تھی اور قریب ہی ان کی ملازمہ عذرا کھڑی تھی عذرا روتے بلکتے حانی کو لے کر ہاسپٹل جا رہی تھی جب گیٹ سے اندر داخل ہوتی زوئلہ گاڑی سے اتر آئی تھی اور پھر عذرا کے ساتھ اسے ہاسپٹل لے آئی تھی...... حانی کی نڈھال سسکیاں اروی کے قدموں سے لپٹ رہی تھیں مگر اروی کے قدم واپس مڑ چکے تھے عارفین نے حانی کو دیکھ کر اروی کو دیکھا وہ منظر سے ہٹ چکی تھی اس کی ساری بے قراری اور سارے آنسو اپنی اپنی جگہ پہ برف ہو گئے تھے سینے کے اندر دل کی جگہ پھر سے پتھر آ گرا تھا اور اس پتھر کی نارمل سی بے رنگ اور بے رونق دھڑکنیں پھر سے چل نکلی تھیں۔ کچھ دیر والی اروی ہاسپٹل کے اس دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی رہ گئی تھی جہاں وائٹ کلر کی نیکر اور شرٹ میں ملبوس چھوٹا سا حانی نڈھال ہو جانے کے بعد مرہم پٹی کروا رہا تھا اس کی ماں اس کے پاس تھی، اس کا باپ اس کے پاس تھا پھر وہاں اروی کا کیا کام؟ بہت دیر بعد وہ لوگ حانی کو لے کر باہر نکلے تو عارفین کی نظریں اروی کو ڈھونڈ رہی تھیں مگر وہ کہیں نہیں تھی۔

❁......❁......❁

دوسرے روز بھی اروی کی حالت کچھ ایسی ہی تھی لیکن اب کی بار عارفین کی طبیعت میں بے چینی گھلی تھی۔ وہ اروی کی خاموشی اس کی چپ اس کے سپاٹ چہرے سے بہت بے چین ہو گیا تھا وہ اس سے بات کرنے کا بہانہ ڈھونڈ رہا تھا لیکن آج پتہ نہیں کیا چکر تھا کہ اسے بہت سے لوگوں سے ملنا پڑ گیا تھا اور ابھی وہ سب سے فارغ ہوا ہی تھا کہ رابعہ شیرازی آفس چلی آئیں......!

''عارفین کہاں ہے؟'' انہوں نے اروی کو تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''جی اپنے روم میں ہیں۔'' اس نے رابعہ شیرازی سے نظر ملائے بغیر جواب دیا تھا اور ٹیبل سے فائل اٹھا کر اس میں مصروف ہو گئی۔ وہ اروی پہ ایک سلگتی ہوئی نظر ڈال کر عارفین کے کمرے میں آ گئیں۔ اور وہ جو اروی کو بلانے کا ارادہ رکھتا تھا رابعہ شیرازی کو دیکھ کر ٹھہر گیا تھا۔

''بیٹھیے۔'' اس نے مروتاً انہیں مخاطب کر کے کہا تھا ورنہ بہت دنوں سے ان ماں بیٹے کی آپس میں بات چیت نہیں ہوئی تھی۔

''مجھے دو لاکھ روپے کی ارجنٹ ضرورت ہے۔'' انہوں نے بغیر کسی تمہید کے اپنی آمد کی وجہ بتائی تھی۔

''کیش یا چیک؟'' رابعہ شیرازی کی توقع کے خلاف اس نے بغیر کچھ پوچھے ہی کہہ دیا تھا۔

''کیش......''

''او کے، آپ میری پی اے سے رابطہ کر لیں، وہ آپ کو ابھی کیش ڈلیور کروا دے گی۔''

''مجھے تمہاری پی اے کے منہ لگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

''لیکن یہ کام وہی کر سکتی ہے۔'' عارفین کو رابعہ شیرازی کے انکار پہ غصہ آیا تھا۔

''تم چاہتے کیا ہو آخر، میں جا کر اس سے روپے مانگوں؟'' رابعہ شیرازی بھی غصے میں آ گئیں۔

''وہ انسان ہے جانور نہیں ہے مما جان۔''

''وہ تمہاری رکھیل ہے اور میں...... اس کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلانا چاہتی، چاہے وہ رقم میرے سگے بیٹے کی ہی کیوں نہ ہو۔'' انہوں نے ایک آگ کا شعلہ تھا جو عارفین کے جسم پہ لگا دیا تھا، جواباً وہ دھاڑ اٹھا تھا۔

''آپ کی بھانجی جو آج کل ہر مرد کے ہاتھوں کا کھلونا بنی ہوئی ہے جس نے طوائفوں کو بھی مات دے دی ہے، اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ مما! آپ نے آج اروی کے لئے یہ لفظ کہا ہے، آئندہ ایسا کچھ کہا تو ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔ آپ کی جگہ اس وقت کوئی اور ہوتا تو میں نہ جانے کیا حشر کر ڈالتا۔'' عارفین کا چہرہ غیض وغضب سے سرخ پڑ گیا تھا اور آنکھیں بھی لہو رنگ ہو گئی تھیں۔

''ہونہہ...... یہ جو تم لوگوں نے آفس میں عشق و عاشقی کا کاروبار کھول رکھا ہے نا، میں اسے خوب سمجھتی ہوں۔ بند کرو اس چکر کو۔ کچھ دے دلا کر فارغ کرواسے ورنہ میں ایسے لوگوں سے نپٹنا خوب جانتی ہوں۔ مجھے اس کے گھر جانے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔'' انہوں نے عارفین کو دھمکی دی تھی۔

''آپ اگر اس کے گھر جا سکتی ہیں تو معاملہ باباجان تک بھی جا سکتا ہے مما جان! اور پھر یہاں سے کون فارغ ہوگا، آپ یہ بھی خوب جانتی ہوں گی۔'' عارفین کی دھمکی بھی کچھ کم نہیں تھی، رابعہ شیرازی ذرا ٹھٹک گئی تھی۔ بس باباجان کے نام کے سامنے ہی تو وہ کمزور پڑ جاتی تھیں کیونکہ اصل اختیار باباجان کے پاس تھا۔ وہ جو چاہتے کر سکتے تھے اور اب کی بار تو ان کے ہاتھ سے عارفین بھی نکل چکا تھا۔

۞......۞......۞

احمر انصاری نے آج پھر بطور خاص فون کر کے اسے آنے کی تاکید کی تھی اور وہ انکار کرتے کرتے پھر چپ ہوگئی تھی اور احمر اس کی خاموشی سے مطمئن ہو گیا تھا اور مجبوراً اروی کو آج شام احمر انصاری کی سسٹر کی انگیج منٹ پارٹی میں جانے کے لئے کچھ سوچنا پڑا تھا اور اس سوچنے میں سب سے پہلے چھٹی لینے کا خیال آیا تھا کیونکہ مقررہ وقت سے پہلے چھٹی لے کر اسے مارکیٹ جا کر احمر کی سسٹر کے لئے کوئی گفٹ لینا تھا، اسی لئے اس نے عارفین سے چھٹی کی درخواست کی تھی۔

''کیا بہت ضروری کام سے جانا ہے آپ کو؟'' عارفین نے استفسار کیا تھا۔

''جی سر......''

''اوکے، آپ جا سکتی ہیں۔'' عارفین نے زیادہ کریدنا مناسب نہیں سمجھا تھا اور اجازت دے دی تھی۔ اروی جلدی جان چھوٹ جانے پہ شکر ادا کرتی باہر نکل آئی تھی، اس کا رُخ مارکیٹ کی طرف تھا۔ روڈ پہ آ کر اس نے رکشہ روکا اور مطلوبہ جگہ بتائی۔ تھوڑی دیر بعد وہ مارکیٹ پہنچ چکی تھی۔ وہ جس چیز کو بھی ہاتھ لگاتی اس کی قیمت آسمان کو چھو رہی تھی۔ بہت دکانوں کے چکر کاٹنے کے بعد اسے ایک نفیس سا سوٹ پسند آیا تھا اور بمشکل جوڑ توڑ کرتے ہوئے اس نے وہ سوٹ خریدا اور پھر اسے گفٹ کی شکل میں پیک کروا لیا تھا۔

''اگر آپ کو مارکیٹ ہی آنا تھا تو مجھے بھی بتا دیتیں، میں بھی ساتھ ہی آ جاتا۔'' وہ شاپ سے باہر نکل رہی تھی، جب عارفین ٹکرا گیا تھا۔ چونکہ وہ بھی انوائٹ تھا، اس لئے اروی کی طرح گھر جانے سے پہلے اس نے بھی گفٹ لینے کا ہی سوچا تھا۔

''کیا میری ہیلپ کر سکتی ہیں؟'' عارفین کی نظریں اروی کے چہرے پہ ثبت تھیں۔

''آپ اس کام میں کافی ٹرینڈ ہیں، آپ کو ہیلپ کی کیا ضرورت؟'' اروی نے طنزیہ کہا۔

''میں نے آج تک ''اپنی بیوی'' کے علاوہ کبھی کسی کے لئے کچھ نہیں خریدا، اسی لئے کسی پسند ناپسند کا قطعی اندازہ نہیں ہے۔'' عارفین نے دلچسپی سے کہا تھا۔

''جو شخص اپنی بیوی کے لئے خرید سکتا ہے، وہ کسی کے لئے بھی خرید سکتا ہے۔'' اروی بے وجہ ہی طنزیہ ہو رہی تھی، اسے عارفین کا معصوم بننا بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''جو ''چیزیں'' میں اپنی بیوی کے لئے خریدتا ہوں وہ ''چیزیں'' کسی اور کے لئے کیسے خرید سکتا ہوں مس اروی؟'' اروی کی تکرار دیکھ کر نہ چاہتے ہوئے بھی عارفین ذومعنی بات کہہ گیا تھا اور حسب توقع اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔ اب یہ فرق کرنا مشکل تھا کہ شرم سے سرخ ہوا ہے یا غصے سے؟

''آپ اپنی حد سے بڑھ رہے ہیں سر......'' وہ دبے لہجے میں بولی تھی۔

''میری حد کو آپ ہی تو کرید رہی ہیں۔ بار بار میری بیوی کا مقابلہ دوسروں سے کر رہی ہیں۔ اب میں یہ بھی نہ بتاؤں کہ میں نے آج تک اپنی بیوی کے لئے ''کیا کچھ'' خریدا ہے؟'' عارفین نے اروی کی بولتی بند کر ڈالی تھی۔

''آیئے پلیز، میری تھوڑی سی ہیلپ کروا دیجئے'، عارفین نے اروی کا ہاتھ تھامتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کی تھی۔

''اروی! کیسی ہو ڈیئر......'' عارفین کے عقب سے نکل کر کوئی سامنے آ گیا تھا۔

''جرار......'' اروی کا رنگ متغیر ہو گیا تھا جبکہ جرار، عارفین کے ہاتھ میں دبے اروی کے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا جس پہ اروی بُری طرح چکرا گئی تھی لیکن عارفین نے اس کا ہاتھ پھر بھی نہیں چھوڑا تھا۔

''لگتا ہے کافی بزی ہو؟'' جرار نے تمسخرانہ لہجے میں کہا تھا۔

''او کے پھر کبھی ملاقات ہو گی، بائے۔'' وہ خباثت سے مسکراتا ہوا وہاں سے ہٹ گیا تھا لیکن اروی کی حالت غیر ہو گئی تھی۔

''اروی! پلیز سنبھالو اپنے آپ کو، وہ انسان تھا کوئی بھوت نہیں تھا جو تمہیں کھا جائے گا۔''

''وہ انسان نہیں، شیطان ہے۔ انتہائی ذلیل شخص ہے وہ۔'' اروی اپنا ہاتھ چھڑاتی تیزی سے پلٹی تھی۔

''لیکن کچھ بتاؤ تو سہی، کون تھا وہ؟'' عارفین اُلجھ رہا تھا۔

''میری بھابی کا بھائی ہے وہ، اسی نے میرے لئے پرپوزل بھیجا تھا اور میں نے انکار کر دیا تھا۔'' اروی اسے مختصر بتاتی وہاں سے بھاگ نکلی تھی۔ اسے پتہ تھا کہ وہ ضرور کوئی فساد پیدا کرے گا۔

❁......❁......❁

بہت عجلت میں وہ گھر پہنچی تھی لیکن وہاں ایسا کچھ بھی نہیں تھا جو اروی کو مزید پریشان کرتا، البتہ بھابی کی نظریں اسے سرتاپا کھوج رہی تھیں۔ چبھتی ہوئی، کھوجتی ہوئی نظریں اروی کو کچھ نہ کچھ باور کروا ہی چکی تھیں۔

''تھوڑی دیر پہلے جرار کا فون آیا تھا، بتا رہا تھا اروی کو مارکیٹ میں دیکھا ہے۔ شاید کوئی شاپنگ کر رہی تھی؟'' بھابی نے گزرتے گزرتے بھی طنز کا تیر چھوڑ ہی دیا تھا۔ اروی پانی پینے کی غرض سے صحن میں چارپائی پہ امی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی جب بھابی کے چھوڑے ہوئے تیر پہ اندر سے گھبرا گئی تھی۔ امی نے نارمل سے انداز میں سوالیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''جی وہ ہمارے آفس کے ایک کولیگ ہیں، ان کی بہن کی آج انگیج منٹ ہے، انہوں نے مجھے بھی انوائٹ کیا تھا، اس لئے ان کی بہن کے لئے گفٹ لینے گئی تھی۔'' آج پہلی بار گھر والوں کے سوال میں اسے شک کی بو آئی تھی اور یہ شک پیدا کرنے والا جرار تھا۔

''تمہارے ساتھ شاپنگ کرنے والا دوسرا کون تھا؟'' بھابی نے مزید استفسار کیا۔ اروی ''چور'' تو پہلے ہی تھی، اب اسے اپنی چوری پکڑے جانے کا خدشہ ہو گیا تھا۔

''میرے ساتھ شاپنگ کرنے والا اور کوئی نہیں تھا، وہ تو میں شاپنگ کر کے باہر نکل رہی تھی جب ہماری کمپنی کے باس بھی وہیں شاپنگ کرنے آ گئے۔ وہ بھی آج کی پارٹی کے لئے ہی گفٹ خریدنے آئے تھے۔''

''اوہ...... ورکرز اور باس ایک ہی شاپنگ سنٹر سے شاپنگ کرتے ہیں؟'' بھابی کو بات بڑھانے کا بہانہ مل گیا تھا اور وہ اچھی خاصی بات بڑھا رہی تھیں۔

''ایسی بات نہیں ہے، وہ شاپنگ سنٹر ہمارے آفس سے ذرا قریب ہے، اس لئے اکثر سب ہی وہاں ہی جاتے ہیں۔'' اروی نہ چاہتے ہوئے بھی وضاحت دینے پہ مجبور تھی۔

''جاؤ بیٹا، منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو جاؤ، سارہ چائے بنا رہی ہے، تم بھی چائے لے لو۔'' امی نے اروی کو باتوں میں الجھنے سے بچا لیا تھا کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ ثمینہ اسی طرح بات کو طول دیتی رہے گی۔ سارہ بھی کچن میں کھڑی بھابی کی بحث سن کر ناک بھوں چڑھا رہی تھی۔ اروی اٹھ کر اندر چلی گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے نہا کر اپنے آپ کو تازہ دم کیا تھا اور پھر چائے پینے بیٹھ گئی تھی۔

''آپی! کیا پارٹی بہت بڑی ہے؟'' سارہ نے نہ جانے کیوں پوچھا تھا اور اروی نہ جانے کیا سمجھی تھی۔

''کیوں، کیا تم بھی جانا چاہتی ہو؟'' اروی نے کپ ہونٹوں سے ہٹاتے ہوئے پوچھا تھا۔

''نہیں، بس ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔'' سارہ نے نفی میں گردن ہلائی تھی۔

''ارے یار! اگر جانا چاہتی ہو تو چلو میرے ساتھ بلکہ اٹھو شاور لے کر دوسرے کپڑے پہنو، گرمی کافی ہے اس لئے نہا کر فریش ہو جاؤ گی۔'' اروی نے سارہ کے کندھے پہ تھپکی دے کر اسے چلنے کا کہا تھا۔ دراصل اندر سے اروی بھی اپنے لئے کوئی سہارا چاہ رہی تھی کیونکہ تھوڑی دیر پہلے جرار کی وجہ سے اسے جس شک کا سامنا کرنا پڑا تھا، وہ رات کے وقت اکیلے پارٹی میں جا کر اس شک کو پختہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''اللہ اس طرح بھی مرادیں پوری کرتا ہے، مجھے ہرگز اندازہ نہیں تھا۔'' اروئی کو دیکھ کر احمر انصاری کی نظریں سارہ کے چہرے پہ ٹھہر گئی تھیں۔ اروئی اس کی بات پہ چونک گئی تھی اور سارہ کی نگاہیں جھک گئیں کیونکہ احمر انصاری......اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''لگتا ہے، ہم لوگ ذرا جلدی آگئے ہیں۔'' اروئی نے بات نظر انداز کر ڈالی تھی۔

''ارے نہیں نہیں، آپ لوگ مقررہ وقت پہ ہی آئے ہیں۔ اندر آئیے، بہت سے لوگ آپ کے آنے سے پہلے ہی آ چکے ہیں۔'' احمر نے فوراً اروئی کی بات کی تردید کی تھی اور ان دونوں بہنوں کو لے کر اندر آ گیا تھا۔ فنکشن میں موجود بہت سے لوگوں نے ان کی طرف دیکھا تھا جن میں عارفین شیرازی بھی شامل تھا۔ اروئی کے ساتھ دوسری لڑکی کون تھی، عارفین کو زیادہ غور نہیں کرنا پڑا تھا، وہ اس کے ساتھ سارہ کو پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔

''مام! ان سے ملیے، یہ میری کولیگ اروئی حیات......اور یہ ان کی چھوٹی بہن ہیں سارہ حیات......'' احمر نے بطور خاص سٹیج کے قریب جا کر ان کا تعارف کروایا تھا اور احمر کی مام ان کا تعارف سنتے ہی نیچے اتر آئی تھیں۔ انہوں نے اروئی اور سارہ کو باقاعدہ گلے لگا کر ان کے رخساروں پہ پیار کیا تھا۔

''ماشاء اللہ دونوں بہنیں ہی بہت پیاری ہیں، کسی ایک کا انتخاب تو سچ مچ بہت مشکل کام ہے۔'' وہ مسکرا کر بولیں تو اروئی ایک بار پھر چونک اٹھی تھی۔ اس نے فوراً احمر کی سمت دیکھا جو بے دھیانی میں سارہ کی سمت دیکھ رہا تھا اور پھر اروئی کو کچھ نہ کچھ معاملہ سمجھ آ ہی گیا تھا اور احمر انصاری کی اپنے آگے پیچھے پھرنے والی گتھی بھی سلجھ گئی تھی۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ اروئی کو ایک پل میں ہی بہت ہی اچھا سا احساس ہونے لگا تھا۔

''آیئے میں آپ کو اپنی سسٹر سے ملواتا ہوں۔'' وہ ان دونوں بہنوں کو ساتھ لے کر سٹیج پہ آ گیا تھا۔ خوبصورت نفیس سے......لہنگے میں قیمتی جیولری پہنے، لائٹ میک اپ کے ساتھ دلہن بنی بیٹھی احمر کی سسٹر ان دونوں بہنوں کو دیکھ کر بے پناہ خوش ہوئی تھی اور اس وقت ایسی ہی خوشی اروئی کے چہرے سے بھی عیاں ہو رہی تھی۔

''مس اروئی! آپ کو مسز وقار یاد کر رہی ہیں۔'' احمر کی اطلاع پر اروئی نے ٹھٹک کر اس کی نظروں کی تعاقب میں دیکھا تھا۔ مسز وقار نے مسکرا کر اسے ہاتھ ہلایا تھا۔

''سارہ! تم فاریہ کے پاس بیٹھو، میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔'' اروئی اسے احمر کی سسٹر کے پاس بٹھا کر خود نیچے آ گئی تھی۔

''ہیلو میم! کیسی ہیں آپ؟'' مسز وقار عارفین کی کولیگ تھیں، کافی عرصہ عارفین نے ان کے ساتھ پراجیکٹ پہ کام کیا تھا، جب ہی اروئی سے ہیلو ہائے تھی۔ وہ ذاتی طور پر اروئی کو کافی پسند کرتی تھیں کیونکہ وہ خاصی محنتی لڑکی تھی۔

''آج آپ مسٹر عارفین کے ساتھ نظر نہیں آ رہیں، کیا جاب چھوڑ دی ہے؟''

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ احمر صاحب نے مجھے ذاتی طور پر انوائٹ کیا تھا، اس لئے میں اپنے گھر سے اپنی سسٹر کے ساتھ آئی ہوں۔'' اروئی نے وضاحت دی۔

''ویسے یار! اگر تم کبھی بھی عارفین کی جاب چھوڑو تو اگلی جاب کے لئے مجھے مت بھولنا۔ میں تمہیں اپنا پی اے رکھ کر خوشی اور ریلیکس فیل

کروں گی۔'' مسز وقار کی آفر پہ ارویٰ کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔یعنی وہ عارفین کی نظروں سے ہمیشہ کے لئے دور ہو سکتی ہے۔اس سوچ نے اسے بہت اطمینان بخشا تھا۔

''انشاء اللہ مجھے بھی آپ کے ساتھ کام کر کے خوشی ہو گی۔'' اروی نے ہامی بھر لی تھی۔

''مسز وقار! بزنس میں غداری تو چل جاتی ہے لیکن رشتوں میں ایسا کوئی کام پھوٹ ڈال دیتا ہے۔آپ میرے ورکرز کی چین توڑ رہی ہیں۔'' عارفین نے قریب آتے ہوئے مسز وقار سے خفگی کا اظہار کیا تھا۔

''اگر تم اپنے ورکرز کے لئے بہت اچھے باس ثابت ہو رہے ہو تو میری کوشش کے باوجود یہ چین کبھی نہیں ٹوٹے گی اور اگر تمہارے ورکرز کو تم سے شکایت ہے تو وہ چین توڑنے میں لمحہ بھی نہیں لگائیں گے۔'' مسز وقار نے سو فیصد سچ کہا تھا۔

''آپ میرے جس ورکر کو توڑ رہی ہیں، وہ تو پہلے ہی شکایتوں سے بھرا پڑا ہے۔'' عارفین نے مسکرا کر اروی کے چہرے کو نظروں کی زد میں رکھا تھا، وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی تھی۔

''اچھا، وہ کیوں؟'' انہوں نے حیرانی اور دلچسپی سے پوچھا تھا۔

''یہ تو وہی بتا سکتا ہے جسے شکایت ہے۔'' عارفین نے اروی کو جان بوجھ کر اپنی بات میں گھسیٹا تھا۔

''کیوں اروی! عارفین سچ کہہ رہا ہے کیا؟ تمہیں اس کی جاب سے شکایت ہے کوئی؟'' ان کے استفسار پہ اروی جز بزسی ہو گئی تھی۔

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے لیکن پھر بھی ایک ورکر ہمیشہ ایک ہی جگہ کام کرنے کا پابند تو نہیں ہے نا؟ وہ جب چاہے جہاں چاہے جاب کر سکتا ہے۔'' اروی نے مسز وقار سے بات کرتے ہوئے عارفین کو بھی سنا دیا تھا۔

''یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن جہاں تک میرا خیال ہے عارفین ایک بہت اچھا باس ہے، وہ کبھی کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کر سکتا۔'' انہوں نے یقین سے کہا تھا اور اروی کے لبوں پہ طنزیہ مسکان اُمڈ آئی تھی۔اس کے تاثرات دیکھ کر عارفین چپ ہو گیا تھا، اس سے پہلے کہ ان لوگوں میں مزید کوئی بحث ہوتی، لڑکے والے رنگ پہنانے کے لئے آ گئے تھے، ان کے آتے ہی فنکشن میں رونق آ گئی تھی۔عارفین کی ملاقات سارہ سے بھی ہوئی تھی۔سارہ عارفین سے مل کر ہمیشہ امپریس اور کنفیوز سی ہو جاتی تھی، اس کی پرسنالٹی ہی کچھ ایسی بارعب تھی کہ بہت سے لوگ بات کرتے کرتے خود ہی گڑبڑا جاتے تھے۔یہ تو صرف اروی کی خود اعتماد شخصیت تھی جو وہ اس کے سامنے ٹھہر جاتی تھی ورنہ کئی ایسی لڑکیاں بھی ملتی تھیں جو بات ہی نہیں کر پاتی تھیں اور سارہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو چکا تھا، دو بار کنفیوز ہو چکی تھی۔

''کیا میں اتنا خوفناک ہوں کہ آپ سے بات کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔آپ ڈر جاتی ہیں؟'' عارفین نے جان بوجھ کر اسے چھیڑا تھا۔

''نن......نہیں سر......ایسی بات نہیں ہے۔'' سارہ فوراً گھبرا کے بولی تھی۔احمر اور عارفین بیک وقت مسکرائے تھے۔

''میں صرف مس اروی حیات کا ''سر'' ہوں، آپ مجھے بھائی کہہ کر بلائیں گی تو مجھے زیادہ خوشی ہو گی۔'' عارفین نے اسے ''سر'' کہنے پہ ٹوک دیا تھا اور اروی نے انتہائی سرد نظروں سے عارفین کو دیکھا تھا جو سارہ کے ساتھ بہت اپنائیت اور محبت سے باتیں کر رہا تھا اور سارہ حیران ہو رہی تھی۔

اس کا بے تکلف سا انداز دیکھ کر سارہ کو کچھ حوصلہ ہوا تھا اور پھر تھوڑی بہت گفتگو کا سلسلہ چل نکلا تھا۔ اگرچہ اروی کو ایسی کوئی بھی بے تکلفی یا اپنائیت ہرگز گوارا نہیں تھی لیکن وہ اس طرح منع بھی تو نہیں کر سکتی۔ نہ عارفین کو، نہ سارہ کو۔ واپسی پہ عارفین انہیں ڈراپ کرنے کی آفر دینے ہی والا تھا جب احمر انصاری کی مام نے احمر کو اجازت دی کہ وہ اروی اور سارہ کو خود جا کر ڈراپ کر آئے اور احمر نے بخوشی ان کا یہ حکم مانا تھا، مجبوراً عارفین کو چپ ہونا پڑا تھا اور اروی بھی کچھ نہ کہہ سکی تھی، انہیں احمر کے ساتھ جانا پڑا تھا۔

⁂ ...... ⁂ ...... ⁂

''امی! کیا بات ہے، آپ اتنی پریشان کیوں ہیں؟'' بھابی کا سوجا ہوا چہرہ، امی کی پریشان صورت، سارہ کی چپ اور بہروز بھائی کا جھکا ہوا سر دیکھ کر اروی کو بے حد گھبراہٹ تھی۔

''جرار آیا تھا اپنا رشتہ قبول کرنے پہ زور دے رہا تھا لیکن تمہارے بھائی نے انکار کر دیا جس پہ وہ تمہارے کردار پر کیچڑ اچھالنے لگا اور پھر دونوں کی بات تو تو، میں میں تک چلی گئی اور اس فساد میں تمہاری بھابی صاحبہ پیش پیش تھیں۔'' امی نے جیسے ہی وجہ بتائی، اروی کی رنگت زرد پڑ گئی تھی اور جسم میں عجیب سرد سی لہر دوڑ گئی تھی۔

گویا نوبت وہاں تک پہنچ ہی گئی تھی جہاں تک پہنچنے سے اروی ہمیشہ سے ڈرتی آئی تھی۔

''ب...... بھائی نے کیا کہا تھا؟'' لاکھ کوشش کے باوجود بھی اروی کا لہجہ لڑکھڑا ہی گیا تھا۔

''اس نے تو بس یہی کہا تھا کہ اگر اروی اس رشتے کو پسند نہیں کرتی تو ہم اس کی شادی ہرگز نہیں کریں گے اور وہ دل سے ہر امید نکال دے مگر جرار تو نہ جانے کب سے بھرا بیٹھا تھا، وہ تو نہ جانے کیا کیا کہنا شروع ہو گیا تھا، اس نے ذرا لحاظ نہیں کیا، تب ہی بہروز نے اسے گریبان سے پکڑ لیا تھا اور پھر ہم سب نے بیچ بچاؤ کروا دیا۔ بہروز تو تھا ہی بیمار، وہ بھلا کتنا لڑ جھگڑ سکتا تھا۔ بڑی مشکل سے سنبھالا ہے اسے اور وہ ذلیل الٹا دھمکیاں دے کر گیا ہے۔ کہتا ہے، اب آپ کی بیٹی کے کردار کا کوئی ثبوت لے کر آؤں گا۔''

امی اپنی ہی پریشانی میں سب کچھ بتاتی چلی گئیں اور اروی کا جسم بے جان ہوتا گیا تھا۔ اس کے پاس کوئی ایسی جائے پناہ نہیں تھی جہاں جا کر وہ ہر پریشانی، ہر خدشے، ہر الزام سے چھپ کر بیٹھ جاتی اور اپنے گھر والوں کے لئے وہی اروی رہتی جیسی وہ اسے سمجھتے اور دیکھتے تھے لیکن کہتے ہیں کہ کسی کے کردار پہ اگر ایک داغ آ جائے تو رفتہ رفتہ وہ بہت سے داغوں کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ اروی کو اپنا آپ بھی کچھ ایسا ہی لگ رہا تھا۔ کسی نے اس کے ایک داغ پہ انگلی اٹھائی تھی اور یقیناً رفتہ رفتہ اس کے دوسرے داغ بھی ہزاروں انگلیوں کی زد میں آنے والے تھے۔ اس کا کردار اچھالا جانے والا تھا اور وہ آگے بڑھ کے لوگوں کو روک بھی نہیں سکتی تھی کیونکہ ایک حد تک لوگ سچے تھے اور وہ غلط تھی اور ایک حد تک وہ سچی تھی اور لوگ غلط تھے۔

⁂ ...... ⁂ ...... ⁂

''سر! میں یہ جاب چھوڑنا چاہتی ہوں۔'' عارفین ٹیبل پہ اروی کا ریزائن دیکھ کر چونک گیا تھا، تب ہی اسے بلا کر باقاعدہ استفسار کیا تھا اور جواباً اس نے مختصر کہہ کر چہرہ جھکا لیا تھا۔

''کیوں اروی؟'' وہ بے چین سا ہو کر اپنی چیئر سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''آپ کے پاس ''کیوں'' کا کوئی حق نہیں سر۔'' اس کا لہجہ تلخ ہو رہا تھا۔

''سارے حق میرے پاس ہی تو ہیں اروی! کیوں انکار کرتی ہو میری ذات سے۔'' وہ بے بسی سے بولا تھا۔

''جس انسان کے پاس اپنی ذات کا کوئی مان نہ ہو، وہ دوسروں کو بھلا کیا دے گا؟'' اروی اسی تلخی سے مسکرائی تھی۔

''میں تم سے ریزائن کی وجہ پوچھ رہا ہوں۔''

''میں کہیں اور جاب کرنے والی ہوں۔'' وہ بھی اسی کے انداز میں بولی تھی۔

''کیوں، کیا تمہیں یہاں جاب کا اچھا پیکج نہیں مل رہا؟ کیا کسی اور چیز کی ضرورت ہے؟'' عارفین نے فوراً پوچھا تھا۔

''صرف جاب کے لئے پُرکشش پیکج ہی کافی نہیں ہوتا سر! عزت کا بھرپور پیکج بھی ملنا بے حد ضروری ہوتا ہے۔ مجھے عزت کی ضرورت ہے جو فی الحال آپ کے ساتھ رہتے ہوئے مجھے خطرے میں نظر آ رہی ہے۔'' اروی کا انداز بہت تھکا تھکا سا اور لہجہ تلخی کی آمیزش لئے ہوئے تھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''مطلب صرف اتنا سا ہے سر! کہ آپ میرے کردار کا داغ بنتے جا رہے ہیں اور اس سے پہلے کہ یہ داغ پختہ ہو جائے، میں آپ سے دور ہٹ جانا چاہتی ہوں۔ بہت عرصہ ہوا میں آپ کے گھر والوں کی کاٹ دار نظروں کو سہہ رہی ہوں مگر سر! اب میرے گھر والے مجھے اپنی کاٹ دار نظروں کا نشانہ بنائیں، میں یہ ہرگز نہیں سہہ سکتی۔ اب بہت کمزور ہو گئی ہوں، تھک گئی ہوں، اب کچھ سہہ نہیں پاؤں گی، مر جاؤں گی اب تو......'' اروی نے آنکھوں کے کنارے تک آئے آنسو بڑی مشکل سے پیچھے دھکیلے تھے۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو اروی! کیا ہو گیا ہے تمہیں، طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔'' عارفین نے اسے کندھوں سے تھام لیا تھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں، زندہ ہوں، جی رہی ہوں اور کیا چاہئے بھلا۔'' اس نے عارفین کے ہاتھ کندھوں سے ہٹا دیئے تھے۔

''کیوں اکیلی پریشانیوں کا بوجھ اٹھا رہی ہو، پلیز مجھے بتاؤ، مجھ سے شیئر کرو، کیا مسئلہ ہے آخر؟''

''فی الحال تو میرا مسئلہ آپ ہیں اور میں اس مسئلے سے دور جانا چاہتی ہوں۔'' اس نے عارفین کو سر تا پا دیکھا تھا، بے حد تلخ نظروں سے۔

''پلیز اروی! اپنی ضد چھوڑ دو۔ مجھے سب کے سامنے فاصلے کی یہ دیوار گرانے دو، مجھے بتانے دو سب کو کہ اروی حیات اکیلی نہیں ہے، عارفین شیرازی سر تا پا اس کا ہے اور اس کے ساتھ ہے۔''

''اونہہ......آپ میرے ساتھ نہیں ہیں تو لوگ مجھ پہ کیچڑ اچھالنے لگے ہیں اور اگر آپ میرے ساتھ ہوں گے تو یقیناً لوگ سنگسار کر دیں گے مجھے۔'' وہ پھیکی سی ہنسی ہنستے ہوئے بولی تھی۔

''اُف خدایا......میں کیا کروں؟'' وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر چیئر پہ بیٹھ گیا تھا۔

''آپ میرے ریزائن لیٹر پہ سائن کر دیں بس۔'' وہ ابھی بھی اپنے فیصلے پہ قائم تھی۔

''کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟''

''جی سر! یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔'' وہ دوٹوک بولی تھی۔

''او کے، ایز یو وش۔'' اس نے فارم کھول کر اس پہ سائن کر دیئے تھے اور اروٰی اپنی ذات سے ایک بوجھ ہٹنے کا سکون لئے وہاں سے نکل آئی تھی۔

⁂......⁂......⁂

''ایسا کیوں کیا تم نے؟ عارفین، اس کی ماں اور اس کی بیوی اتنے اچھے لوگ تھے بیٹا! کیوں ان کی جاب چھوڑ دی۔'' امی کو سچ مچ اروٰی کے فیصلے پہ افسوس ہوا تھا۔

''امی! مسز وقاران لوگوں سے زیادہ اچھی ہیں اور انشاء اللہ ہمارا وقت بھی اچھا گزرے گا، یہ جاب انہوں نے خود آفر کی تھی۔''

''لیکن بیٹا! لوگوں کی باتوں میں آ کر جذباتی فیصلے کر لینا عقل مندی تو نہیں ہے نا؟ وہ خبیث جو کہتا ہے، اسے کہنے دو، تمہیں فکر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' امی کو رہ رہ کر عارفین جیسا اچھا باس یاد آ رہا تھا جنہوں نے مشکل وقت میں ان کا ساتھ دیا تھا۔

''بس امی! جو ہو گیا، اچھا ہو گیا۔ آپ آئندہ کے لئے بہتری کی دعا کریں۔'' اروٰی اب عارفین کے ذکر سے بھی دامن چھڑا رہی تھی لیکن امی کو بہت دیر تک اس کے جاب چھوڑنے پہ افسوس ہوتا رہا تھا۔

''ہاں جی، اپنے آپ کو پاک صاف دکھانے کے لئے دامن جھاڑنا ہی پڑتا ہے۔'' بھابی کسی سے فون پہ بات کر رہی تھیں لیکن باتوں اور نظروں کا مرکز اروٰی ہی لگ رہی تھی۔

''کوئی بات نہیں میری جان! جھوٹ کب تک چھپ سکتا ہے بھلا؟'' وہ یا تو جرار سے بات کر رہی تھی یا پھر فون پہ بات کرنے کا ناٹک کر رہی تھیں لیکن جو بھی تھا، نشانہ بہر حال اروٰی کی ذات ہی تھی۔

''آپی! میں نے آپ کے لئے شربت رکھا ہے، آپ جلدی سے ہاتھ دھو کر آ جاؤ۔'' سارہ نے بھابی کی باتوں کے پیش نظر اروٰی کو وہاں سے اٹھا لیا تھا۔

''ہوں، آ رہی ہوں۔'' وہ اپنے کو حوصلہ دیتی پھر سے ریلیکس ہونے کی کوشش کرتی وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

گھر میں عجیب بدمزگی کا عالم تھا، سب ہی ایک دوسرے سے خفا خفا اور نظریں چرائے ہوئے پھر رہے تھے اور اس ساری سچویشن میں اروٰی اپنے آپ کو ہی قصور وار ٹھہرا رہی تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس چکر، کس مصیبت میں پھنسی ہے اور اب اس کا انجام کیا ہوگا؟ اور انجام سوچ سوچ کے ہی اسے خوف آ رہا تھا، دل ڈوب سا رہا تھا۔

⁂......⁂......⁂

''زونلہ......زونلہ......کہاں گم ہو سویٹ ہارٹ۔'' رابعہ شیرازی سیڑھیوں سے ہی اسے پکارتی آ رہی تھیں۔

''زونلہ تمہارے لئے گڈ نیوز ہے ڈیئر۔'' وہ اس کے بیڈروم کا دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی تھیں۔ زونلہ ابھی ابھی شاور لے کر نکلی تھی۔ بالوں کو خشک کرتے کرتے ان کے قریب آ گئی تھی۔

''مبارک ہو سویٹ ہارٹ، وہ جادوگرنی عارفین کی جاب چھوڑ کر چلی گئی ہے، اس نے کہیں اور جاب کر لی ہے۔'' رابعہ شیرازی نے خوشی سے بھرپور لہجے میں بتایا تھا اور زونلہ خوشی سے چیخ اٹھی تھی۔

''ریلی مام! آئی......آئی کانٹ بلیو اٹ؟'' زونلہ نے تولیہ پھینک کر رابعہ شیرازی کو کندھوں سے تھام لیا تھا۔

''آف کورس ڈیئر......آف کورس......'' وہ دونوں ہی بے پناہ خوش تھیں، انہیں صحیح معنوں میں آج اپنی کامیابی کی خوشی اور احساس ہو رہا تھا، گویا وہ اپنے پلان میں آج پوری طرح سے کامیاب ہو چکی تھیں۔ اب عارفین بھی ان کا تھا اور حانی بھی ان کا تھا۔ اب بابا جان کے دباؤ میں رہنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ ان کے سر پہ لٹکنے والی ''اروئ'' نام کی سولی ہٹ چکی تھی۔ اب انہیں کسی چیز کا کوئی خدشہ نہیں تھا، اب عارفین کے پاس زونلہ کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا، اب کروڑوں کی جائیداد اور بینک بیلنس پہ وہ کھل کر راج کر سکتی تھیں، ان کا یہ خدشہ ختم ہو چکا تھا کہ کہیں عارفین زونلہ کو ڈائیورس نہ دے دے۔ اب وہ آزاد تھیں۔

''اف تھینک گاڈ......مام! مجھے تو سچ مچ عارفین کے تیور دیکھ کر ڈر لگنے لگا تھا، میں سوچتی تھی اگر اس کمینی نے یہ مطالبہ رکھ دیا کہ زونلہ کو طلاق دے دو تو پھر میرا کیا بنے گا؟ نام نہاد محبت اور پسند کے آگے وقتی طور پر مرد مجبور ہو ہی جایا کرتے ہیں۔ اگر عارفین بھی مجبور ہو جاتے تو......؟ اف اچھا ہوا وہ ان کی نظروں سے تو دور ہوئی نا۔'' زونلہ زور و شور سے اپنے خیالات کا اظہار کافی خوشی سے کر رہی تھی۔

''ضروری نہیں جو نظروں سے دور ہو، وہ ''دل'' سے بھی دور ہو جائے۔'' عارفین کی بھاری آواز زونلہ کے عقب سے ابھری تھی اور اس کی بات کے مفہوم کو جان کر زونلہ اور رابعہ شیرازی ایک بار پھر چکرا گئی تھیں۔ وہ دونوں پہ ایک سرد اور طنزیہ نظر ڈال کر آگے بڑھ کر اپنا بریف کیس رکھنے لگا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا۔'' رابعہ شیرازی اپنے تیکھے لہجے پہ اتر آئی تھیں۔

''آپ بہت ذہین اور سمجھدار ہیں مما جان! میرا مطلب سمجھ چکی ہیں۔'' عارفین اپنی ٹائی کی ناٹ کھولتے ہوئے بہت ریلیکس انداز میں بولا تھا۔

''لیکن میں تمہارے منہ سے سننا چاہتی ہوں۔'' وہ بضد ہوئیں۔

''تو سُن لیں مما جان! اروئ میرے آفس سے گئی ہے، میرے دل سے یا میری زندگی سے تو نہیں گئی۔ یہ بھول ہے آپ کی کہ وہ میری نظروں سے اُوجھل ہو گئی ہے۔ وہ ہر لمحہ ہر آن میرے سامنے میرے پاس ہے اور اس کی مثال آپ کے سامنے ہے۔'' اس نے ذرا سا مسکراتے ہوئے دروازے کی سمت اشارہ کیا تھا اور وہ دروازے کی سمت دیکھ کر تپ گئی تھی اور رابعہ شیرازی ایک بار پھر اپنا ٹیمپر لوز کر گئی تھیں۔

''اس گھٹیا بکاؤ لڑکی میں آخر کیا رکھا ہے جو تم ابھی تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے؟'' عارفین ملازمہ کے ہاتھوں سے حانی کو اٹھا کر ان کی

سمت پلٹا تھا۔

''اس لڑکی میں وہ کچھ ہے جو اس گھر کی دونوں عورتوں میں ''ہرگز نہیں'' ہے، اسی لئے اس کا پیچھا چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔'' اس نے کھڑے کھڑے دونوں پہ وار کیا تھا اور دونوں تلملا گئی تھیں۔

''شٹ اپ۔ اپنی زبان کو لگام دو، تم اپنی ماں کے ساتھ اب یہ لینگویج استعمال کرو گے؟''

''اونہہ...... میری ماں...... لوگوں کے جذبات کا سودا کرنے والی عورت میری ماں ہے، مجھے افسوس ہے اپنی قسمت پر اور اپنے ہونے پر۔'' اس نے نفرت سے سر جھٹکا تھا اور حانی کو بیڈ پہ بٹھا کر خود بھی بیٹھ گیا تھا۔

''میں جانتی ہوں تم کس کی زبان بول رہے ہو، تم چند دن پہلے گاؤں گئے تھے اور مجھے یقین تھا کہ وہ لوگ تمہیں خوب پٹیاں پڑھا کر بھیجیں گے۔ پہلے ایک تھی جادو کرنے والی، اب دوسری بھی مل گئی ہے۔ میرے لئے تو تم ایسا کہو گے ہی۔'' رابعہ شیرازی اب دوسری ڈگر پہ چل نکلی تھیں، بہت عرصہ سے انہوں نے ''گاؤں والی جادوگرنی'' کا پیچھا چھوڑ کے شہر والی جادوگرنی (اروی) کا پیچھا لیا ہوا تھا لیکن آج وہ دونوں بیک وقت یاد آ گئی تھیں۔ لیکن عارفین نے جواباً کچھ بھی نہ کہا تھا۔ وہ جھک کر حانی کو پیار کرنے لگا تھا اور رابعہ شیرازی اس کی بے نیازی پہ دھڑام سے دروازہ بند کر کے چلی گئی تھیں۔

❂......❂......❂

اروی کو مسز وقار کی کمپنی میں کام کرتے ہوئے پورے دو ماہ ہو چکے تھے، انہوں نے سچ مچ اروی کو عارفین کی جاب سے زیادہ اچھا پیکج دیا تھا۔ وہ حقیقتاً ان کے ساتھ کام کر کے خاصی مطمئن تھی اور ان کا ہر کام کافی توجہ اور ایمانداری سے سرانجام دے رہی تھی۔ اسے عارفین کی جاب چھوڑنے پہ کوئی ملال نہیں تھا۔ بس اتنا ہوتا تھا کہ رات کو بستر پہ لیٹتی تو اپنا وہ ''دل'' شدت سے یاد آتا تھا جو وہ عارفین کے پاس چھوڑ آئی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ اس دل کی تڑپ، اس دل کی لگن، اس دل کی چاہ جاگ اٹھتی تھی اور پھر اروی کے لئے بستر بھی کانٹوں بھری سیج بن جاتا تھا اور اپنی دھڑکنیں مسلسل شور کے سوا اور کچھ نہیں لگتی تھیں۔ رات کو اس کی حالت ماہی بے آب کی مانند ہوتی تھی اور صبح پھر وہ زندہ انسانوں جیسے چلتی پھرتی سب کے لئے متفکر ہوتی نظر آتی تھی۔ گھر اور آفس کی ذمہ داریاں دن بھر کچھ سوچنے ہی کب دیتی تھیں بھلا؟

''اروی کس سوچ میں گم ہو بھئی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔'' مسز وقار اس کے کیبن میں آئیں تو اروی کو گم سم دیکھ کر ٹھہر گئی تھیں۔

''ج...... جی...... میں ٹھیک ہوں۔'' وہ فوراً اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی۔

''اوکے تو پھر اسلام آباد جانے کی تیاری پکی ہے نا؟''

''آف کورس میڈم! یہ تو میری جاب ہے، جانا تو ہے۔'' اروی نے کندھے اچکائے۔

''ٹھیک ہی پھر تم اس وقت گھر جاؤ اور فریش ہو کر آ جاؤ، تب تک ہماری فلائٹ کا ٹائم ہو جائے گا۔'' مسز وقار خود بھی اپنے گھر جا رہی تھیں اور جاتے جاتے اروی کو ہدایت کرنا بھی نہیں بھولی تھیں۔

''او کے میڈم! میں جا رہی ہوں۔'' اروئ کو اب آفس کی طرف سے پک اینڈ ڈراپ کی سہولت حاصل تھی، اس لئے وہ آسانی سے آتی جاتی تھی۔

❁......❁......❁

اسلام آباد میں یہ ایک ایسی میٹنگ تھی جس میں مسز وقار کے علاوہ ملک کے کئی اور نامور آرکیٹیکچر اور بلڈرز گروپ بھی شامل تھے جن میں عارفین شیرازی کا نام بھی سرفہرست تھا لیکن اروئ نے اپنی بے دھیانی اور مصروفیات میں اس بات پہ دھیان ہی نہیں دیا تھا کہ جہاں وہ جا رہی ہے یا پھر جہاں اور بہت سے لوگ بھی ہوں گے وہاں عارفین شیرازی بھی ہوگا۔

شام پانچ بجے وہ مسز وقار کے ساتھ اسلام آباد پہنچی تھی، ان لوگوں کا قیام ایک فائیو سٹار ہوٹل میں تھا۔ کراچی اور لاہور سے آنے والے وفد کا قیام بھی اسی ہوٹل میں تھا۔ کچھ لوگ تھرڈ فلور پہ ٹھہرے ہوئے تھے، کچھ سیکنڈ فلور پہ اور کچھ کا قیام گراؤنڈ فلور پہ تھا۔ سب کے لئے دو دو کمروں کی بکنگ تھی، ایک ان کے لئے اور ایک ان کے پی اے اور سیکرٹری وغیرہ کے لئے۔

مسز وقار کے کمرے کے بالکل سامنے والا کمرہ اروئ کے لئے ریزرو تھا، ان کے کھانے پینے کا انتظام بھی اسی ہوٹل میں رکھا گیا تھا۔ ہوٹل کے منیجر نے ان کا سامان بیڈ رومز میں پہنچا دیا تھا اور ان کو کمروں کی چابیاں بھی سونپ دی تھیں۔ وہ لوگ ایک گھنٹہ ریسٹ کرنے کی غرض سے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔ ایک گھنٹہ ریسٹ کرنے اور فریش ہونے کے بعد وہ لوگ میٹنگ ہال میں پہنچے تھے۔ وہیں پہ ان دونوں کا آمنا سامنا ہوا تھا۔ مسز وقار کسی کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اوپر چلی گئی تھیں جبکہ اروئ نارمل سے انداز میں سیڑھیاں چڑھتی ڈیزائنز کی فائل دیکھتی یہ بھی نہ جان سکی کہ کوئی اس کے قدم سے قدم ملا کر چلنے لگا ہے۔ چونکی تو وہ تب جب اس کے ہاتھ سے پھسلنے والا سی ڈیز کا البم کسی دوسرے ہاتھ نے بڑی تیزی سے تھام لیا تھا۔ اس ہاتھ کی مضبوطی اور کلائی پہ بندھی گھڑی اروئ کو چونکا کے رکھ گئی تھی۔ اس نے کرنٹ کھا کے اس کی شکل دیکھی تھی۔ عارفین بہت ترسی ہوئی نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ عارفین کی نظریں بہت بے تابی سے اروئ کے ایک ایک نقوش کو اپنے ہونٹوں سے چھو رہی تھیں۔ پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو دو اڑھائی ماہ بعد دیکھ رہے تھے ورنہ تو زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے کا ہی گیپ آتا تھا۔

''کیسی ہو تم؟'' عارفین نے سی ڈیز کا البم اس کی سمت بڑھاتے ہوئے جس تشنہ سے انداز میں پوچھا تھا، اروئ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے احساس کو محسوس کر گئی تھی۔

''ٹھیک ہوں۔'' وہ اس کے ہاتھ سے البم لے کر دو لفظ میں بات ختم کر کے وہاں سے چلی گئی تھی اور وہ وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔

''سر! چلیں؟'' عارفین کے پی اے نے قریب آتے ہوئے کہا۔

''ہوں۔'' وہ کہہ کے آگے بڑھ گیا تھا پھر میٹنگ ہال میں بھی سب کا دھیان دیوار پہ آن ہونے والے پروجیکٹر کی طرف تھا لیکن عارفین کی نظریں مسز وقار کو مشورے دیتی اور گائیڈ کرتی اروئ حیات کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ میٹنگ ہال میں اندھیرا تھا، صرف پروجیکٹر کی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور بار بار بدلتے سین اس روشنی کو بھی بار بار بدل رہے تھے۔ آج کی اس تین گھنٹے کی میٹنگ میں کل بہت سے بلڈرز گروپ کو فائدہ ہونے والا تھا کیونکہ اسی

میٹنگ کے تھروان کو نئے اور مضبوط ترین پاور فل کانٹریکٹ ملنے والے تھے۔ پورے تین گھنٹے کے بعد یہ میٹنگ اپنے اختتام کو پہنچی تھی اور اگلی میٹنگ کل صبح بارہ بجے کے ٹائم پہ فکس کی گئی تھی۔ رات گئے وہ لوگ کھانا کھا کر اپنے اپنے کمروں میں واپس پہنچے تھے، سب ہی لوگ صبح سے تھکے ہوئے تھے، اس لئے جلدی سو گئے تھے۔

✿......✿......✿

رات دو بجے کا وقت تھا، اروئی کو سوئے ہوئے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ ہوا تھا، وہ بے حد گہری نیند میں تھی جب دروازے پہ دستک ہوئی تھی۔

گہری نیند کی وجہ سے اسے یہ خیال بھی نہ رہا کہ پہلے پوچھ لے کہ دستک دینے والا کون ہے؟ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا تھا۔

''سر! آپ......'' عارفین کو اپنے سامنے دیکھ کر اروئی کی نیند بھک سے اُڑ گئی تھی اور آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

''ہاں میں، بہت دیر سے اپنے آپ کو روک رہا تھا کہ تمہیں ڈسٹرب نہ کروں لیکن آج اتنے دنوں بعد تمہیں دیکھ کر دل چاہ رہا ہے تم سے بہت سی باتیں کروں اور تمہیں اپنا حال سناؤں۔'' عارفین اندر قدم رکھتے ہوئے بولا اور پھر دروازہ بند کر کے اروئی کو بازو سے تھام کے صوفے پہ آ بیٹھا تھا۔ وہ ہکا بکا سی حیرت سے گنگ ہو کے رہ گئی تھی۔

''لیکن سر......اس......اس......وقت......آپ......مم......میرے کمرے میں......'' اروئی کے الفاظ بے ربط سے ہو گئے تھے۔

''اس وقت کے علاوہ فرصت بھی تو نہیں ہے تمہارے پاس۔ تم نے مجھ سے بات کرنا چھوڑ دیا ہے، میرے پاس رہنا میرے سامنے آنا چھوڑ دیا ہے۔ خود بھی اکیلی ہو گئی ہو اور مجھے بھی اکیلا کر دیا ہے۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا اروئی! پلیز ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا، کچھ احساس کرو میرا اور......اور محسوس کرو اپنے دل کی تڑپ کو۔'' عارفین ہمیشہ اروئی کے سامنے اپنے کیس لڑتے لڑتے تھک سا جاتا تھا۔ شاید اس لئے کہ اس کی نظروں میں وہ قصوروار نہ ہوتے ہوئے بھی قصوروار تھا۔

''میں نے اپنے سینے میں دل ہی نہیں چھوڑا تو تڑپ کیسے محسوس کروں، کیسے سمجھوں کہ آپ کیا چاہتے ہیں اور میں کیا چاہتی ہوں؟'' وہ اپنا بازو چھڑا کے اس کے قریب سے اُٹھ گئی تھی۔

''تم بس دوسروں کی پروا میں نہ اپنا کچھ کرو گی اور نہ میرا کچھ ہونے دو گی۔''

وہ آج اس سے کافی خفگی بھرے شکوہ کناں لہجے میں بول رہا تھا۔

''میرا جو کچھ ہونا تھا ہو چکا، اب مزید کچھ کہنے اور کرنے کی ہمت اور حوصلہ نہیں ہے مجھ میں۔''

''لیکن اروئی! تم یہ بھی تو سوچو، تم اپنی لاپروائی میں تین زندگیاں نظر انداز کر رہی ہو، تین زندگیوں کو اپنی سرد مہری کی بھینٹ چڑھا رہی ہو۔'' عارفین نے اس کے قریب آتے ہوئے اس کا رخ اپنی سمت موڑا تھا۔

''میں نے آج تک تیسری زندگی کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں۔ اگر کبھی سوچ لوں تو پھر کسی اور کے بارے میں ''ہرگز نہیں'' سوچوں گی۔ اس تیسری زندگی نے ہی تو میرے سینے میں دل کی جگہ پتھر رکھ دیا ہے۔ مجھے پتھر بنا دیا ہے اس کی تڑپ نے۔'' بات کرتے کرتے اس کی آنکھوں

میں آنسو بھر آئے تھے، تھوڑی دیر پہلے وہ اس تیسری زندگی کو یاد کرتے ہوئے ہی سوئی تھی اور اب اسی کا ذکر عارفین کے منہ سے سن کر اس کا دل بھر آیا تھا اور آنکھوں کے کناروں پہ سسکتے آنسو ایسے بے ساختہ تھے کہ وہ روک بھی نہ پائی تھی۔

''اروی! میں تمہاری ہمت، تمہارا حوصلہ بڑھانے کو بات کرتا ہوں اور تم ہارے ہوئے لوگوں کی طرح آنسوؤں کو سہارا بنا لیتی ہو۔''

عارفین نے اس کے آنسو پونچھے جو قطار در قطار بہتے چلے آرہے تھے۔

''مجھ سے زیادہ ہارا ہوا اور کون ہوگا، میں نے ہی تو اپنی زندگی کا قیمتی سرمایہ ہارا ہے۔ اپنا دل بیچا ہے، اپنا جسم بیچا ہے، اپنی ذات کا مان بیچا ہے میں نے۔ میں ایک بکی ہوئی ذات ہوں۔'' وہ اتنے دنوں بعد زخم کریدے جانے پہ کچھ بپھر سی گئی تھی اور اس کو سنبھالتے سنبھالتے عارفین نے اسے بانہوں میں بھینچ لیا تھا اور اس کی مضبوط بانہوں کے حصار میں وہ ٹوٹ کے روئی تھی۔ اس کے تمام حوصلے اور ہمتیں بھی ٹوٹ کے بکھرے تھے، اس کی ہچکیاں عارفین کے سینے میں اتر رہی تھیں۔

رات کے اس خاموش پہر وہ دونوں ایک دوسرے کی قربت میں بکھرے ایک دوسرے کو سمیٹ رہے تھے۔ جہاں اس کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں، وہیں عارفین کی دھڑکنیں اسے تھپک تھپک کر چپ کرا رہی تھیں۔ اسے دونوں بانہوں میں بھرے وہ بار بار اس کی پیشانی کو اپنے ہونٹوں کی حدت بخش رہا تھا۔ عارفین کی انگلیاں اروی کے بالوں کو سہلا رہی تھیں اور کئی بامعنی اور بے نام سے خاموش لفظ ان دونوں کے درمیان گفتگو کا دائرہ کھینچ چکے تھے اور اس دائرے کے اثر میں یہ بات بہت پیچھے چلی گئی تھی کہ ان کی ''حد'' کہاں تک مقرر تھی اور مقررہ حد سے بڑھنا ان کے لئے ٹھیک بھی تھا یا نہیں؟ عارفین ''ایسی'' نیت سے بالکل نہیں آیا تھا مگر پھر بھی قربت ہی کچھ ایسی بن گئی تھی کہ وہ اروی سے ''دور'' نہیں رہ سکا تھا اور اپنی تنہائی اپنے دکھ پہ روتی اروی اسے روک ہی نہ پائی تھی اور وہ دونوں قربت کی دبیز گہری وادی میں اترتے چلے گئے تھے۔

دل و دماغ اور جسم کے تعلقات ایک ہی روپ ایک ہی سانچے میں ڈھل چکے تھے۔ یہاں پہ آکر دماغ، دل اور دل جسم سے انکاری نہیں تھا بلکہ جو کچھ بھی تھا سب ٹھیک تھا یا پھر یہ کہ وہ ''حق دار'' تھے اس کے۔

فجر کی اذان پہ اروئ کی آنکھ کھل گئی تھی، اس نے ایک لمحے کے لیے ٹھہر کر آس پاس کے ماحول کو سمجھنا چاہا تھا۔ شاید اسے ماحول کو سمجھنے میں کچھ اور دیر لگتی مگر قریب سوئے عارفین کے گرم جسم کی حدت اور سانسوں کے ارتعاش نے اسے بہت جلد سب کچھ سمجھنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ وہ یکدم اٹھنے لگی مگر عارفین کا بازو اس کے سینے پہ دراز تھا جب ہی اسے اٹھنے میں ٹائم لگ گیا تھا۔

''سر! پلیز مجھے اٹھنے دیں۔'' اس نے آہستگی سے اس کا کندھا ہلایا تھا۔

''ہوں، اٹھ جاؤ'' وہ ایک بار زور سے اسے بانہوں میں بھینچ کر چھوڑتے ہوئے بولا تھا۔

''اروئ بمشکل اپنے ریشمی گھنے بال سمیٹتی ہوئی بیڈ سے اٹھی تھی اور فوراً ہی باتھ روم میں گھس گئی تھی۔ پندرہ بیس منٹ شاور لینے کے بعد وہ باہر نکلی تھی، اس کا ارادہ بال خشک کر کے وضو کرنے اور نماز پڑھنے کا تھا، اسی لئے وہ پہلے بال سمیٹ لینا چاہتی تھی۔ اتنے میں اروئ کے موبائل پہ فجر کی نماز کے لئے سیٹ الارم بج اٹھا تھا۔ اروئ الارم بند کرنے کی غرض سے بیڈ سائیڈ کی طرف آئی تھی اور سائیڈ ٹیبل پہ دھرے موبائل سے الارم آف کر دیا تھا اور پھر موبائل واپس رکھتے رکھتے اس کی نظر عارفین کے موبائل پہ جا پڑی تھی۔ نہ جانے کس احساس کے تحت اس نے عارفین کا موبائل اٹھا لیا تھا۔ موبائل کے وال پیپر پہ حانی کی خوبصورت معصوم سی تصویر جگمگا رہی تھی۔ اروئ کی انگلیاں لرزتے ہوئے اس کے چہرے کو چھونے کی حسرت میں موبائل کی سکرین کو چھو رہی تھیں۔

''حانی......'' اس کی آواز سرگوشی نما تھی لیکن لہجے میں بہت کچھ سمٹا ہوا تھا۔ بہت سے لمحے یونہی سرک گئے۔ وہ اور بھی کچھ دیر اسے دیکھتی رہتی لیکن دروازے پہ ہونے والی تیز اور زوردار دستک نے اسے دہلا کے رکھ دیا تھا۔ عارفین کا موبائل اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا تھا۔

''اس وقت کون ہو سکتا ہے؟'' اروئ کو پریشانی ہوئی تھی اور اتنی زوردار دستک پہ عارفین کی نیند بھی ٹوٹ گئی تھی۔ وہ اٹھنے لگا مگر اروئ نے اسے روک دیا تھا۔

''میں دیکھتی ہوں۔'' وہ صورتحال کی سنگینی سمجھتی تھی، اسے پتہ تھا کہ میرے کمرے میں عارفین شیرازی کا موجود ہونا کسی ویٹر کو بھی شک و شبہات میں ڈال سکتا ہے، اسی لئے اس نے عارفین کو روک کر خود باہر دیکھنے کی کوشش کی۔ اس نے ہول سے جھانک کر دیکھا، سامنے ہوٹل کا ویٹر کھڑا تھا۔ اروئ نے مطمئن ہوتے ہوئے دروازہ کھول دیا تھا۔

''جی کہیے؟'' اس نے اس وقت ویٹر کے آنے پہ حیرانی ظاہر کی تھی۔

''کہنے ہی تو آیا ہوں میڈم اروئ حیات......'' ویٹر کو سائیڈ پہ دھکیل کر جرار یکدم سامنے آیا تھا۔ اروئ جرار کو دیکھ کر چکرا گئی تھی۔

''جرار......تم......'' اس سے کچھ بولا ہی نہ گیا تھا اور جرار کچھ بھی سنے بغیر اروئ کو دھکا دے کر اندر گھستا چلا گیا تھا اور اس کے پیچھے بہت سے لوگ دندناتے ہوئے اندر داخل ہوئے تھے۔

''عارفین شیرازی اپنی سابقہ پی اے اروئ حیات کے ساتھ ہوٹل کے کمرے میں رنگے ہاتھوں پکڑے گئے۔'' کسی اخبار کے صحافی نے با آواز بلند اپنے اخبار کے لئے جملہ (سرخی) ترتیب دیا تھا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے، کیا بے ہودگی ہے؟'' عارفین نے یکدم اروئ کو اپنے بازو کی اوٹ میں لیتے ہوئے ایک صحافی کے کیمرے کا نشانہ بننے

سے بچایا تھا اور اس صحافی پہ کافی گرم ہوا تھا۔

''مسٹر شیرازی رات کے اس پہر آپ مس اروی کے کمرے میں کیا کر رہے تھے، کیا پہلے بھی آپ لوگوں میں ''ایسے ہی تعلقات'' تھے؟ اگر آپ لوگ ایک دوسرے کے اتنے قریب تھے تو مس اروی حیات نے آپ کی جاب کیوں چھوڑی تھی؟''

بہت سے لوگ طرح طرح کے سوال کر رہے تھے اور اپنی سالوں سے بینت بینت کر رکھی عزت میڈیا والوں کی بھینٹ چڑھتے دیکھ کر اروی کے حواس کھونے لگے تھے۔ جرار میڈیا والوں کو بڑھ چڑھ کے جوابات دے رہا تھا جبکہ اروی اور عارفین اپنا کوئی بھی اسٹیٹ منٹ ریکارڈ کروانے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ اروی کے حواس ساتھ چھوڑنے لگے، وہ یکدم بے ہوش ہو کر دھڑام سے زمین بوس ہوئی تھی۔ لوگوں کا اتنا ہجوم دیکھ کر یہی لگ رہا تھا جیسے پورا اسلام آباد ایک جگہ ہی جمع ہو گیا تھا اور لوگوں کے انتہائی بے ہودہ کمنٹس سن کر عارفین کا خون کھول اُٹھا تھا۔ وہ یکدم دھاڑا تھا۔ اس کی دھاڑ بہت بلند تھی۔ اس نے بے ہوش پڑی اروی کو اٹھا کر بیڈ پہ ڈالتے ہوئے دل میں ایک فیصلہ کیا اور پھر سب کو خاموش کروا دیا تھا۔

''اروی حیات میری بیوی ہے۔ لہٰذا آپ لوگ اپنی زبان بند رکھیں اور یہاں سے دفع ہو جائیں۔'' وہ ایک ایک لفظ چبا کے بولا تھا اور وہاں موجود پورا ہجوم چونک گیا۔ تمام نیوز پیپرز اور نیوز چینلز والوں...... میں ہلچل مچ گئی تھی اور ان لوگوں کی عزت کو داؤ پہ لگانے والا جرار، عارفین کے بیان پہ ہکا بکا رہ گیا تھا اور باہر شور کی آواز سن کر آنے والی مسز وقار بھی عارفین کی بات پہ حیران ہو گئی تھیں۔

''آپ غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں اور اپنے کرتوت چھپانے کے لئے نکاح کا بہانا کر رہے ہیں۔'' جرار یکدم تیزی سے سامنے آیا تھا۔ عارفین کا دل چاہا ایک زوردار گھونسا اس کے منہ پہ دے مارے لیکن وہ اتنے لوگوں کے سامنے ایسی جذباتی حرکت بالکل نہیں کرنا چاہتا تھا، وہ ان سب لوگوں کو رفتہ رفتہ پیچھے دھکیلتا ہوا کمرے سے باہر لے آیا تھا اور ساتھ ہی کمرے کا دروازہ بند کر دیا تھا تا کہ وہ لوگ اروی کو گندی نظروں اور بے ہودہ باتوں سے زیادہ ٹارچر نہ کریں۔

''کوئی بھی شریف لڑکی کسی غیر مرد کے ساتھ اس طرح رنگ رلیاں نہیں منا سکتی۔ اروی حیات رات کے اس پہر اگر میرے ساتھ ایک کمرے میں نظر آ رہی ہے تو اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ میری بیوی ہے، ہم دونوں کا نکاح ہو چکا ہے۔ ہم دونوں میاں بیوی ہیں، ہم جب چاہے جہاں چاہے ایک ساتھ نظر آ سکتے ہیں۔'' عارفین نے جرار کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تھا۔

''کیا ثبوت ہے کہ آپ دونوں میاں بیوی ہیں، نکاح کب ہوا تھا؟ کیا آپ کے گھر والے اس نکاح کے بارے میں جانتے ہیں؟'' کیا اروی حیات کے گھر والوں کو پتہ ہے؟ آپ کا نکاح کس شہر میں ہوا تھا؟'' ہر طرف سے سوالوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی اور عارفین ہوٹل کی راہداری میں کھڑا نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا، صرف اس لئے کہ اروی کے کردار پہ بدچلنی اور بدکاری کا داغ نہ آنے پائے۔

''ہمارا نکاح دو سال پہلے کراچی میں ہوا تھا، اس نکاح کے بارے میں میرے گھر والوں کو پتہ ہے اور ثبوت کے طور پر میں اپنے نکاح نامے کی فوٹو کاپی آپ لوگوں کو دکھا سکتا ہوں جو فی الحال میرے روم میں بریف کیس میں رکھی ہے۔'' عارفین کا لہجہ مضبوط دو ٹوک اور سچا کھڑا تھا۔

''عارفین شیرازی جھوٹ بول رہا ہے۔'' جرار زور سے چیخا تھا۔

''یہ اپنے ناجائز تعلقات کو جان بوجھ کر جائز تعلقات کا رنگ دے رہا ہے۔''

''شٹ اپ......تم اپنی زبان بند رکھو، تم سے تو میں بعد میں نپٹوں گا۔'' عارفین نے چبا کر کہا اور جرار کو انگلی اٹھا کر وارننگ دی تھی۔

''مینجر صاحب ہٹائیں ان سب کو ورنہ میں اس ہوٹل کے خلاف کیس کر دوں گا۔ آپ لوگ دوسروں کی پرائیویسی میں اس طرح انٹرفیئر کرتے ہیں؟'' بالآخر وہ ہوٹل کے مینجر پہ چڑھ دوڑا تھا اور مینجر سچ مچ اپنے ہوٹل کی ریپوٹیشن خراب ہو جانے کے ڈر سے دباؤ میں آ گیا تھا اور فوراً ہی سکیورٹی گارڈز طلب کیے تھے۔ تھوڑی دیر بعد بمشکل وہاں سے ہجوم ہٹایا گیا تھا اور عارفین تیزی سے اندر اروئی کے پاس آیا وہ ابھی تک ہوش وخرد سے بیگانہ پڑی تھی۔ اس نے ڈاکٹر کو کال کی تھی۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کی ٹریٹ منٹ کے بعد وہ ہوش میں آئی تھی۔ تب تک رات ڈھل چکی تھی اور دن پوری آب وتاب کے ساتھ روشن ہو چکا تھا اور ساتھ ہی اروئی کے سوئے ہوئے ذہن میں جھماکے ہونے لگے تھے۔

''اب کیسی طبیعت ہے اروئی؟'' مسز وقار نے نرمی سے پوچھا تھا لیکن اروئی، عارفین کو سامنے دیکھ کر پھر سے حواس کھونے لگی تھی۔

''مم......مجھے گھر جانا ہے......'' اروئی کو یوں لگ رہا تھا، اگر ایک پل بھی وہ گھر سے دور رہی تو ہمیشہ کے لئے دور ہو جائے گی۔

''اوکے، چلی جانا لیکن پہلے اپنے آپ کو سنبھالو، اپنی حالت دیکھو۔'' پریشان چہرہ اور بھیگی آنکھیں اسے عجیب سا روپ دے رہے تھے۔

''میں ٹھیک ہوں بس مجھے گھر جانے دیں، ورنہ......ورنہ بہت کچھ بگڑ جائے گا۔ پلیز میم......مجھے گھر پہنچا دیں۔'' وہ مسز وقار کے سامنے التجاءً کہہ رہی تھی۔ انہوں نے گردن موڑ کر عارفین کو دیکھا، وہ گہری سانس خارج کرتے ہوئے صوفے سے اٹھ کر اروئی کے پاس آ بیٹھا تھا۔

''دیکھو اروئی! جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا ہے، تم ذرا تحمل سے سوچ سمجھ کر قدم اٹھاؤ۔ میں خود تمہارے ساتھ تمہارے گھر جاؤں گا اور تمہارے گھر والوں کو ساری بات تفصیل سے سمجھاؤں گا۔ تم پلیز حوصلے سے کام لو اور......''

''مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سننی، جو کچھ ہوا ہے آپ کی وجہ سے ہوا ہے، میں ہمیشہ آپ سے کہتی تھی کہ مجھ سے دور رہیں ورنہ میں بدنام ہو جاؤں گی لیکن آپ نے کبھی میری بات سنی ہی نہیں۔ آپ نے میری عزت دوسروں کی بھینٹ چڑھا کر دم لیا ہے۔ اب میرے گھر والے کیا سوچیں گے، کیا کہیں گے میرے بارے میں۔'' وہ روتے روتے چیخ اٹھی تھی۔

''اروئی! کچھ نہیں ہوگا، میں......تمہارے ساتھ ہوں، میں چلوں گا تمہارے ساتھ۔'' عارفین نے اس کے ہاتھ پہ دباؤ ڈالا لیکن اروئی نے یکدم ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

''میں کس منہ سے گھر جاؤں گی، کوئی میرا اعتبار نہیں کرے گا، کوئی میرا سچ نہیں سنے گا۔ میں سب کی نظروں میں بے اعتبار ہو گئی ہوں صرف آپ کی وجہ سے۔'' وہ بے حد جذباتی ہو رہی تھی اور اس کی حالت کے پیش نظر عارفین نے کراچی کے دو ٹکٹ کنفرم کروا لئے تھے لیکن اروئی اس کے ساتھ جانے کا سن کر مزید بپھر گئی تھی، اسے پتہ تھا وہ دونوں جیسے ہی باہر نکلیں گے میڈیا والے پھر سے مکھیوں کی طرح اکٹھے ہو جائیں گے، لہٰذا وہ ضد کر کے عارفین کی بجائے اکیلی ہی واپس آئی تھی لیکن اسے یہ نہیں پتہ تھا کہ جن پہ مان ہو، وہی سب سے پہلے مان توڑتے ہیں۔

❁......❁......❁

''دفع ہو جاؤ یہاں سے، میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔'' وہ مرے مرے قدموں سے گھر میں داخل ہوئی تھی لیکن امی نے دو ہتڑ مارتے ہوئے اسے صحن سے پیچھے دھکیل دیا تھا۔

''امی......'' اروی کی آواز کسی کنویں سے آتی محسوس ہوئی تھی۔

''مر گئی تمہاری امی، قتل کر دیا تم نے ہم سب کو، زندہ درگور کر دیا ہمیں کہیں منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑا ہم کو۔ آج جگہ جگہ ہمارے گھر کی باتیں ہو رہی ہیں۔ خاک ڈالی ہے تم نے مرے ہوئے باپ کی عزت اور نام پہ۔'' امی کا ایک ایک لفظ زہر میں بجھا ہوا تھا۔

''امی! پلیز میری بات تو سن لیں، پہلے مجھ سے تو کچھ پوچھ لیں۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا۔

''تم سے کیا پوچھوں، یہی کہ تو اتنا عرصہ اس شخص کے ساتھ رنگ رلیاں مناتی رہی ہے، ہمیں دھوکہ دیتی رہی ہے، اپنی حرام کی کمائی ہماری رگوں میں اتارتی رہی ہے، ایک شادی شدہ مرد کی......''

''پلیز امی پلیز اللہ کے لئے ایسا کچھ مت کہیں، پہلے میری بات تو سن لیں۔ پلیز امی! ایسا کچھ نہیں ہے جو آپ سمجھ رہی ہیں۔''

''اچھا...... اچھا ابھی بھی ہم ہی سمجھ رہے ہیں، گویا ہمارا ہی قصور ہے؟ واہ کتنی دیدہ دلیری ہے میڈم کی؟'' ثمینہ بھابی لپک کے میدان میں آئی تھیں۔

''بھابی پلیز میرا کسی کے ساتھ کوئی ناجائز تعلق نہیں ہے۔ ہمارا نکاح ہوا تھا، ہم نے شادی کی تھی۔'' اروی کے صفائی دینے پہ ثمینہ بھابی تمسخرانہ انداز میں قہقہہ لگا کر ہنسی تھیں۔

''یعنی چوری چوری نکاح بھی کر لیا اور ہمیں بتایا بھی نہیں؟ لگتا ہے بڑی جلدی تھی تمہیں شادی کی۔'' انہوں نے مزید طنز کے تیر چھوڑے تھے، اروی چپ سی ہو گئی۔

''اونہہ...... خود نیک پاک باز بی بی دوسروں کے شوہروں کے ساتھ زنا کا کھیل کھیلتی پھر رہی ہے اور الزام دے رہی تھی میرے بھائی کو۔ اگر اتنا ہی شوق تھا کسی کے ساتھ ہوٹلوں میں...... گلچھرے اڑانے کا تو جرار کو بتا دیتی، وہ آئے روز تمہیں ساتھ لئے پھرتا۔ ویسے کتنے عرصے سے دل بہلا رہی ہو عارفین شیرازی کا؟'' بھابی کے تیز نوکیلے جملے نے اس کا کلیجہ چھلنی کر ڈالا تھا، اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے ماں کی سمت دیکھا۔

''میں لعنت بھیجتی ہوں ایسی بے غیرت اولاد پہ جس نے پورے خاندان کا منہ کالا کر دیا ہے۔'' امی کہہ کے رخ موڑ گئی تھیں۔

''پلیز امی! ایک بار یہ تو دیکھ لیں کہ میرا قصور کہاں ہے؟'' وہ لپک کے ماں کے سامنے آئی تھی۔

''ہٹ جاؤ میری نظروں سے۔'' انہوں نے یکدم پورے زور سے تھپڑ اس کے چہرے پہ دے مارا تھا۔ بھابی کے سینے میں پھوار برسی تھی۔

''ثمینہ...... سارہ...... اسے کہو ہمارے گھر سے اپنا گندہ غلیظ وجود لے کر نکل جائے۔'' امی آخری بار سفاکی سے کہتی ہوئیں اندر کمرے میں بند ہو گئیں۔ اروی نے سب سے مایوس ہو کر آخری بار بہروز بھائی کے کندھے کا سہارا لیا تھا۔

''بھائی...... آپ...... آپ مجھے سمجھنے کی کوشش کریں، آپ...... آپ تو مجھ سے منہ نہ موڑیں...... آپ تو مجھے اپنی بیٹیوں کی طرح سمجھتے ہیں

نا؟ بھائی میں سچ کہہ رہی ہوں، مجھ پہ شک نہ کریں، میں بدچلن، بدکردار نہیں ہوں۔ میں نے کوئی بُرا کام نہیں کیا۔ عارفین شیرازی میرا شوہر ہے، نکاح کیا ہے اس نے مجھ سے۔'' وہ روتے ہوئے ان کا کندھا پکڑے کہہ رہی تھی۔

''کاش...... یہ سب سننے سے پہلے میں مر جاتا، کاش میں اس وقت ہی مر گیا ہوتا جب موت میرے سر پہ لٹک رہی تھی، میں یہ دن دیکھنے کے لئے کیوں زندہ بچ گیا'' بہروز بھائی اروی کا ہاتھ کندھے سے ہٹاتے ہوئے رو پڑے تھے اور اروی اُن کی بات سن کر ساکت ہو گئی تھی، اس کی ساری امیدیں پانی میں بہہ گئی تھیں، اس کے سارے مان شیشے کی طرح ٹوٹ گئے تھے، اس کا سارا یقین ریت کی مانند بکھر گیا تھا، وہ اتنے سارے اپنوں میں تنہا رہ گئی تھی، وہ اپنے ہی گھر میں اجنبیوں کی طرح کھڑی تھی، اس کے بھائی نے اس کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹا دیا تھا۔ اس کی بہن اس سے دور خاموش تماشائی بنی کھڑی تھی، اس کی ماں اس سے منہ پھیر کر اندر چلی گئی تھی اور اس کی بھابی اسے دھکا دے کر گھر سے نکالنے کے لئے تیار کھڑی تھی اور اب اتنا کچھ ہونے اور اتنا کچھ سننے کے بعد اس گھر میں اس کے لئے کیا بچا تھا؟ نفرت، حقارت اور بے رخی...... کیا وہ ان چیزوں کے ہوتے ہوئے اس گھر میں رہ سکتی تھی؟ ان لوگوں کے ساتھ پہلے کی طرح جی سکتی تھی؟ ہرگز نہیں...... گیا وقت کبھی لوٹ کے نہیں آتا، اسی طرح کسی کی نظروں سے گرنے والا گر کر سنبھل نہیں پاتا، سو اروی حیات بھی اس گھر میں نہیں رہ سکتی تھی بلکہ اگر وہ رہنا چاہتی بھی تو اسے اس گھر میں کوئی بھی رکھنے پہ آمادہ نہیں ہو سکتا تھا، لہٰذا اسے یہ گھر چھوڑنا ہی تھا اور اس نے یہ گھر چھوڑ دیا تھا، وہ چپکے سے سسکیاں بھرتی پلٹ پلٹ کر اپنے گھر کو اور گھر کے مکینوں کو دیکھتی اس آس پہ دہلیز پار کر گئی کہ شاید اسے کوئی روک لے، شاید اس کا کوئی اپنا اس کا احساس کر بیٹھے مگر اس کی آس بھی اس طرح ٹوٹی تھی جیسے اس کا مان ٹوٹا تھا، نہ کسی نے اسے پکارا، نہ کسی نے اسے روکا تھا، وہ بہت خاموشی سے اپنے گھر اور گلی سے دور ہوتی چلی گئی تھی۔

❁......❁......❁

نہ جانے کب سے وہ پیدل چل رہی تھی اور نہ جانے کب سے اس کا راستہ، اس کی مسافتیں طویل سے طویل تر ہوتی جا رہی تھیں، وہ ایک قدم بڑھتی تھی اور دس قدم پیچھے سرک جانے کا احساس ہوتا تھا۔ دکھ، بے بسی، تنہائی اور اذیت کے رنگ میں ڈھلی شام گہری ہوتی جا رہی تھی، اس کائنات کے کتنے ہی پنکھ پکھیرو اپنے گھروں کو اپنے اپنے آشیانوں کو لوٹ رہے تھے اور ایک وہ تھی جو گھر سے ہی دور جا رہی تھی۔ کہاں جا رہی تھی؟ یہ ابھی تک اسے خود بھی پتہ نہیں تھا۔ بس قدم اٹھ رہے تھے اور وہ چل رہی تھی۔ چلتے چلتے وہ کہاں پہنچی اسے خود اندازہ نہ ہو سکا تھا لیکن چوکیدار اسے دیکھتے ہی پہچان گیا تھا۔

''سوری میم! صاحب تو گھر پہ نہیں ہیں۔'' اسے عارفین کے در پہ دستک دینا بھی نصیب نہیں ہوا تھا۔ ''کب آئیں گے؟'' اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ یہ سوال پوچھتی، بس سوالیہ نظروں سے دیکھ پائی تھی اور چوکیدار کا جواب سن کر مزید بے بس ہو گئی تھی۔

''کچھ پتہ نہیں میم! کب آئیں گے۔ میرا تو خیال ہے کام ختم کر کے ہی آئیں گے۔ آپ کو جو کام ہے بتا دو، میں بتا دوں گا صاحب کو۔'' چوکیدار نے کافی عزت سے کہا تھا۔

''نہیں، کوئی کام نہیں ہے مجھے۔'' وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی دوپٹے سے چہرہ پونچھتی واپس مڑی، اتنے میں بے حد قریب ہی گاڑی کے ٹائر

چرچرائے تھے۔

''اوہ مس اروی حیات آئی ہیں؟'' زوملہ اور رابعہ شیرازی اسے دیکھتے ہی گاڑی سے اتر آئی تھیں۔ اروی کے قدم ٹھٹک گئے تھے، یعنی ابھی اور اذیت کا بوجھ سہارنا تھا۔

''کیوں آئی ہو یہاں؟'' رابعہ شیرازی غرائی تھیں۔ ''مم...... میں ایک بار سر سے ملنا چاہتی ہوں۔'' اروی میں اتنی سکت نہیں تھی کہ ان لوگوں کی بمباری کا سامنا یا پھر مقابلہ کر پاتی۔

''بے غیرت لڑکی تمہیں اتنی بھی شرم نہیں کہ جس شخص کے ساتھ پورے میڈیا کے سامنے رنگے ہاتھوں رنگ رلیاں مناتی اور منہ کالا کرتی ہوئی پکڑی گئی ہو، کم از کم ایک دو دن اس شخص سے دور رہو۔ نہ جانے کس بے غیرت خاندان سے ہو۔ کیا تمہارے بھائی نے تمہیں حرام کرنے کے لئے پھر سے آزاد چھوڑ دیا ہے۔؟ تمہاری اس شریف عزت دار ماں نے بھی تمہیں عزت اور غیرت کا درس نہیں دیا؟ ہونہہ کنگال خاندان کی بکاؤ لڑکی۔ آخر پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتی میرے بیٹے کا۔ اتنا کچھ پہلے لوٹ چکی ہو، اب کیا باقی ہے؟ عارفین کے ساتھ ہوٹل میں رات گزارنے کا کتنا معاوضہ لیا تھا کل رات؟ اگر اور پیسے کی ضرورت ہے تو آج کی رات ہمارے اس چوکیدار یا ڈرائیور کے ساتھ گزار لینا، پیسہ میں دے دوں گی۔ تمہارا بھی کام بن جائے گا اور ان بے چاروں کا بھی۔ وہ بھی چھڑے چھانٹ گھوم رہے ہیں۔'' اروی پتھر کا بت تھی اور رابعہ شیرازی شعلے اُگلتی آگ کی بھٹی بنی ہوئی تھیں۔ وہ سو غلیظ الفاظ بول چکی تھیں اور وہ ایک گہری قیامت خیز چپ لئے کھڑی تھی۔

''آج تو میں تمہیں نظر انداز کر رہی ہوں مگر آئندہ تم شیرازی ہاؤس کے آس پاس بھی نظر آئیں تو اچھا نہیں ہوگا۔ ہونہہ منحوس نے اپنے ساتھ ساتھ ہمیں بھی بدنام کر کے رکھ دیا ہے لوگوں کے طرح طرح کے سوالوں کے جواب دینا پڑ رہے ہیں۔'' وہ بکتی جھکتی ہوئیں پھر سے گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ چوکیدار نے ان کے اندر جانے کے لئے گیٹ کھول دیا تھا اور اروی کسی روبوٹ کی طرح چلتی ہوئی روڈ پہ آ گئی تھی۔ وہ مرے مرے قدموں کو گھسیٹتی بہت ہی آہستہ روی سے چل رہی تھی لیکن اتنا سب کچھ سہنے کے بعد وہ بھلا اور کتنا چل سکتی تھی۔ اپنی تذلیل، اپنی ہتک اور اپنا دکھ سوچتے ہوئے وہ بُری طرح چکرا گئی تھی اور اگلے ہی لمحے وہ لہرا کر سڑک کے بیچوں بیچ آ گری تھی اور انتہائی قریب آ جانے والی گاڑی کے بمشکل بریک لگے تھے اور پھر اس گاڑی سے ایک بے حد معزز اور پردہ دار خاتون بڑی تیزی سے باہر نکلی تھیں جنہوں نے اروی کا سر قریب بیٹھتے ہوئے اپنی گود میں رکھ لیا تھا لیکن اس کا جسم بے جان سا ہو رہا تھا، لہٰذا اپنے ڈرائیور اور اپنی ایک خاص ملازمہ کی مدد سے اسے گاڑی میں ڈال کر ہسپتال لے گئی تھیں اور کچھ دور ہی عارفین اپنے گھر کے گیٹ کے سامنے ہارن دے رہا تھا۔ چوکیدار نے گیٹ کھولا تو وہ فوراً ہی گاڑی اندر لے آیا تھا، یہ جانے بغیر کہ باہر کچھ فاصلے پہ اروی کو سڑک پہ بے ہوش چھوڑ آیا ہے اور اسے کون کہاں لے گیا ہے؟ یہ بھی خبر نہیں ہوئی تھی؟

❁......❁......❁

وہ بہت دیر بعد ہوش میں آئی تھی لیکن ہوش میں آنے کے بعد وہ نہ جانے کتنی دیر خاموش پڑی یک ٹک ہسپتال کی چھت کو دیکھے گئی تھی اور ساتھ ہی ساکت نظروں سے آنسوؤں کا پانی بہتا رہا۔ رخسار بھیگے ہوئے تھے، پلکیں جڑی ہوئی تھیں، ہونٹ خاموش تھے اور زبان گنگ تھی لیکن پھر بھی

آنکھوں کا پانی ایسی جھیل بنا رہا تھا جس میں اروی کے دکھ اس کی کم مائیگی صاف شفاف منظر کی طرح نظر آ رہی تھی۔

''کیا بات ہے بیٹا، تم اتنی دیر سے روئے جا رہی ہو، کیا کوئی نقصان ہو گیا ہے تمہارا؟'' وہ خاتون بالآخر خود ہی اٹھ کر اس کے پاس آ گئی تھیں۔

''میرا نقصان......؟'' اس نے اس لفظ کو دہراتے ہوئے اپنے دل میں جھانکا تھا جو پہلے ہی نقصان زدہ تھا جس کے پاس کچھ نہیں رہا تھا جو خالی تھا بالکل خالی۔ خالی ہاتھ، خالی دامن، خالی دل اور خالی ذہن۔ نقصان کی دیواریں اس کے آس پاس سر بلند کھڑی تھیں اور وہ نقصان میں بال بال ڈوبا ہوا تھا۔

''بولو نا بیٹا! کیا بات ہے، کیا ہوا ہے تمہارے ساتھ؟'' انہوں نے دوبارہ پوچھتے ہوئے اروی کے کندھے پہ ہاتھ رکھ دیا تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی پیشانی پہ آئے بال پیچھے ہٹائے تھے۔

''کیا ہوا ہے میرے ساتھ؟'' اروی زیر لب بڑبڑائی تھی اور سوچ کے ساتھ ساتھ احساسات بھی بہت پیچھے چلے گئے تھے۔ زبان سے وہ کچھ نہیں بول پائی تھی مگر ایک روانی سے بہتے آنسو خود غم کی داستان بنے ہوئے تھے۔ اروی کا نقصان ایسا تھا جو وہ کسی کو سنا نہیں سکتی تھی، بس سوچ سوچ کر خود رو سکتی تھی، تڑپ سکتی تھی لیکن بیان نہیں کر سکتی تھی۔

سُر میں، رت میں، ڈھول، تاشوں میں بٹ گئے
ہم جیسے لوگ کھیل تماشوں میں بٹ گئے
پھول سے چوٹ کھائی تو پتھر بنے جمیل
پتھر بنے تو سنگ تراشوں میں بٹ گئے!

❁......❁......❁

''بھائی پلیز پانچ منٹ، میں بس اسکارف لے لوں۔'' بہروز بھائی کو بائیک سٹارٹ کرتے دیکھ کر اروی تیزی سے چائے کا کپ رکھ کر اندر کو بھاگی تھی کیونکہ اسے پتہ تھا کہ بہروز بھائی کو دروازے میں کھڑے ہو کر انتظار کرنے سے کتنی چڑ اور کتنی کوفت ہوتی ہے۔

''جلدی کرو اروی.....'' وہ گھڑی دیکھتے ہوئے بولے تھے۔ وہ فوراً ہی باہر نکل آئی تھی۔ امی نے دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا تھا۔ اروی کے بیٹھتے ہی انہوں نے بائیک آگے بڑھا لی تھی۔

''پتہ نہیں بی بی کا یہ پڑھنا پڑھانا کب تک جاری رہے گا؟ بھابی منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی ہوئی سونیا کو فیڈر پلانے لگیں۔

''دیکھو ثمینہ! صبح صبح ہی ان کے گھر سے نکلتے ہی شروع نہ ہو جایا کرو۔ اپنے بھائی، اپنے ماں جائے کی کمائی پہ پڑھ رہی ہیں، تمہارے یا تمہارے گھر والوں کی کمائی پہ نہیں۔'' امی نے کبھی بھی یہ نہیں چاہا تھا کہ وہ اپنی بہو کے ساتھ روایتی ساس جیسا سلوک کریں لیکن ان کی بہو نہ جانے کیوں روایتی بہو بننے کے چکروں میں ہی رہتی تھی۔

''میرے شوہر کی کمائی تو ہے نا؟'' وہ تنک کے بولی تھیں۔

''تمہارا شوہر بعد میں پہلے وہ ان کا بھائی ہے۔'' امی نے بھی برجستہ جواب دیا تھا۔

''بھائی تو ہے، کیا اپنے بچوں کا باپ نہیں ہے؟ کل سے کہہ رہی ہوں سونیا کا نیا فیڈر اور پمپر لانے...... ہیں لیکن انہیں خبر ہی نہیں ہے، ابھی کوئی بہن کہہ دے گی کہ مجھے فلاں کتاب چاہئے، مجھے فلاں فیس دینی ہے تو فوراً اس چیز کے پیچھے لگ جائیں گے۔''

''ثمینہ کیوں ذرا ذرا سی بات پہ لڑائی جھگڑے کے بہانے ڈھونڈتی ہو، تم نے اسے کل ان چیزوں کا کہا تھا اور مجھے پتہ ہے آج وہ واپسی پہ سب کچھ لے آئے گا۔'' امی نے غصہ چھوڑ کر افسوس بھرے انداز میں کہا تھا لیکن ثمینہ بھابی کوئی بھی نوٹس لئے بغیر اندر چلی گئی تھیں۔

۞......۞......۞

''صاحب جی! آپ کے بابا جان آئے ہیں، نیچے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔'' عارفین گہری پرسکون نیند سو رہا تھا، جب ملازمہ کے دستک دے کر جگانے پہ فوراً اٹھ گیا تھا۔

''اوہ آج سنڈے ہے، بابا جان نے اپنے آنے کا بتایا بھی تھا لیکن پھر بھی یاد نہیں رہا۔'' وہ ملازمہ کی موجودگی میں ہی بڑبڑاتا ہوا اپنے آپ کو سرزنش کرتا باتھ روم میں گھس گیا تھا۔ ملازمہ پلٹ کر واپس چلی گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ عجلت میں تیار ہو کر نیچے آ گیا تھا۔ بابا جان لاؤنج میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔

''السلام علیکم بابا جان!'' اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے بڑے جاندار سے انداز میں سلام کیا تھا۔

''والسلام بیٹا...... آؤ آؤ...... ڈسٹرب تو نہیں کیا ہم نے؟'' وہ اخبار رول کر کے ایک سائیڈ پہ رکھتے ہوئے بہت محبت پاش لہجے میں بولے تھے۔

''ارے نہیں بابا جان! ڈسٹربنس کیسی۔ مجھے پتہ تھا آج آپ آنے والے ہیں لیکن کام کے دوران کچھ تھکن ہو گئی تھی، اس لئے گہری نیند آئی تھی اور صبح اٹھنے کا ہوش ہی نہیں رہا۔'' وہ بابا جان سے مل کر ان کے برابر ہی صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

''ہاں یار! یہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن یار! بیوی کے ہوتے ہوئے نہ تو بندے کو تھکن ہو سکتی ہے اور نہ گہری نیند آ سکتی ہے۔'' بابا جان نے پہلی بار شاید اس کے ساتھ ایسا ذومعنی مذاق کیا تھا جس کو سمجھ کر عارفین یکدم قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

''واہ گریٹ بابا جان! لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ بیوی آپ کے پاس ہو۔''

''کیوں، کہاں ہے زونلہ؟'' بابا جان نے چونک کر پوچھا تھا۔

''اس کے چچا زاد کزن کی شادی ہے، وہ مما کے ساتھ اسلام آباد گئی ہے۔'' عارفین نے کندھے اچکائے کیونکہ وہ کبھی کسی اور طرح کی باریکیوں میں نہیں گیا تھا یا پھر زونلہ جو ہے، جیسی ہے، وہ اسے ویسے ہی دیکھتا تھا۔ کبھی کھوجنے اور پرکھنے کے بارے میں سوچا ہی نہ تھا۔

''تمہاری شادی کو کتنا عرصہ ہو گیا ہے عارفین!'' اب کی بار بابا جان کا لہجہ کچھ دھیما اور ٹھہرا ہوا تھا اور لہجے میں ایک حسرت بسی ہوئی تھی۔

''تقریباً پانچ سال ہو گئے ہیں۔'' عارفین نے بھی کچھ ٹھہر کر ہی جواب دیا تھا کیونکہ وہ ان کے سوال کا مفہوم سمجھ چکا تھا۔

''عارفین! تم جوان ہو، تم دنیا کے ہنگاموں میں مصروف ہو، تم جاننے والوں اور ملنے والوں میں گم ہو لیکن ایک وقت وہ بھی آئے گا جب تم جوان نہیں رہو گے، جب دنیا کے ہنگاموں سے بے زار ہو جاؤ گے، جب ملنے ملانے والے آنکھیں پھیر لیں گے، تب تمہیں صرف ایک چیز کی کمی کا احساس ہو گا اولاد کا۔ اولاد انسان کا سرمایہ ہوتی ہے، پوری زندگی کی جمع پونجی...... اور تم جانتے ہو انسان کا سرمایہ پھر جمع پونجی مشکل وقت میں ہی کام آتی ہیں اور اگر کام نہ بھی آئے، دل کو تو سکون دے ہی سکتی ہے نا؟ اور پھر سب سے بڑھ کر جو اہم چیز ہے کہ تمہاری اولاد تمہارا نام زندہ رکھتی ہے، تمہاری نسل قائم رہتی ہے۔ بیٹا میری اولاد میرا بیٹا نہیں بن سکا لیکن مجھے اپنی جمع پونجی پہ ابھی بھی بڑا مان ہے۔ مجھے پتہ ہے وہ نہیں تم تو ہو۔ تم تو میرے ہی بنو گے نا؟ اور تمہارے حوالے سے بس یہی خواہش ہے کہ تم جلد سے جلد صاحب اولاد ہو جاؤ۔ بیٹا اللہ کے لئے اپنا نہیں تو ہمارا ہی کچھ خیال کرلو، ہم اپنے ویران گلشن میں بہار چاہتے ہیں اور اس بہار کی بنیاد تم رکھ سکتے ہو صرف تم۔ بیٹا! ہم زندگی میں بہت سے دکھ بہت سے دھچکے سہہ چکے ہیں، اب کچھ اور سہنے کی ہمت اور سکت نہیں ہے۔ تمہاری بیوی آج کل کی ماڈرن بیوی ہے، وہ کبھی بھی خود سے اس چیز کی کمی کا اظہار کرے گی نہ ہی احساس کرے گی۔ ہماری خوشیوں اور اپنی نسل اور نام کے متعلق تمہیں خود سوچنا ہو گا، اگر وہ بیمار ہے تو اس کا کسی ماہر لیڈی ڈاکٹر سے علاج کرواؤ اور اگر ٹھیک ہے تو اسے اس چیز کی طرف مائل کرو۔'' بابا جان اور بی بی جان اکثر اپنی یہ خواہش ڈھکے چھپے الفاظ میں بیان کرتے رہتے تھے لیکن عارفین نے کبھی خاص طور پر اس چیز کی طرف دھیان نہیں دیا تھا لیکن اب اسے کچھ عرصہ سے سچ مچ ان کی خواہش ان کی بات کا احساس ذرا گہرائی سے ہونے لگا تھا اور اس نے زونکہ سے ذکر بھی کیا تھا مگر زونکہ نے بات ٹال دی اور زونکہ اکثر بے حد اہم کام بھی اگنور کر جاتی تھی، صرف اپنی (خالہ) رابعہ شیرازی کی شہہ پہ...... کیونکہ اسے پتہ تھا کہ میرے اچھے برے کی پشت پناہی کرنے کے لئے وہ موجود ہیں۔

''جی بابا جان! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن سب سے پہلے تو اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ آپ کی اور میری خواہش پوری کرے اور ہماری دعا قبول کرے۔'' عارفین نے انہیں تسلی دی تھی اور وہ بہت خوش ہوئے تھے۔

''جیتے رہو بیٹا! اللہ تمہارا نام ونشان سلامت رکھے، آباد رکھے۔'' انہوں نے اس کے کندھے پہ تھپکی دی تھی۔

''خیر آپ سنائیں لنچ میں کیا لیں گے۔'' عارفین نے ٹائم دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''آج ہم دادا، پوتا لنچ باہر کریں گے۔'' بابا جان نے خوشگوار موڈ میں کہا تھا۔

''اوہ لگتا ہے آج بی بی جان نے بہت اچھے موڈ میں رخصت کیا تھا آپ کو۔'' اس نے چھیڑا تھا ان کو، جواباً وہ قہقہہ لگا کر ہنستے ہوئے۔ کھڑے ہو گئے تھے اور عارفین بھی ان کے ساتھ ہی باہر آ گیا تھا۔

''بی بی جان اور مہر النساء آنٹی کیسی ہیں؟'' اس نے گاڑی نکالتے ہوئے سب کا حال چال پوچھا تھا۔

''اللہ کا شکر ہے تمہاری بی بی جان تو ٹھیک ہیں لیکن مہر النساء، بہت دنوں سے بیمار ہے۔ پہلے بخار ہو گیا پھر کمزور اور نقاہت کی وجہ سے اس کا بی پی لو رہنے لگا ہے اور بے چاری کی دونوں بچیاں ماں کے لئے بے حد پریشان ہیں۔ اللہ ان کے بھی نیک نصیب کرے۔ مہر النساء بیٹیوں کی طرف سے بھی

بہت فکر مند رہتی ہے، ہم نے تو بہت کوشش کی تھی لیکن......" بابا جان ادھوری بات چھوڑتے ہوئے چپ سے ہو گئے تھے اور عارفین بھی خاموش ہو گیا۔ وہ بھی کچھ نہ کہہ سکا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بابا جان کی خواہش کیا تھی؟ وہ شروع سے ہی عارفین کی شادی مہر النساء کی بیٹی سے کرنا چاہتے تھے لیکن رابعہ شیرازی کو مہر النساء کی بیٹی کا سن کر آگ لگ گئی تھی۔ انہوں نے نے عارفین کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ مجھ سے پوچھے بغیر شادی کی ہامی نہ بھرے۔ اس کی شادی اس کی خالہ زاد کزن زوبلہ کے ساتھ طے ہو چکی ہے۔ زوبلہ اچھی تھی، خوبصورت تھی، ماڈرن اور پڑھی لکھی تھی لیکن اس سب کے باوجود ان دونوں میں انڈرسٹینڈنگ نہیں تھی۔ کوئی ہلچل مچانے والا، کوئی بے چین کرنے والا جذبہ نہیں تھا وہ صرف کزن تھے اور کزن سے آگے کچھ نہیں تھے لیکن رابعہ شیرازی انہیں کزن کے رشتے سے بہت آگے لے آئی تھیں۔ انہوں نے عارفین سے اور بابا جان سے کچھ بھی پوچھے بغیر اس کی انگیج منٹ کا اعلان کر دیا تھا اور وہ لوگ بس دیکھتے رہ گئے تھے۔ مہمانوں کو بھی انوائٹ کیا جا چکا تھا، لہٰذا عارفین کے اعتراض کرنے کے یا کچھ کہنے کے تمام چانسز ختم ہو چکے تھے۔ البتہ بابا جان اور رابعہ شیرازی آپس میں خوب گرم ہوئے تھے۔

"ہمارے پوتے کی شادی تم ہم سے پوچھے بغیر ہم سے اجازت لئے بغیر کیسے طے کر سکتی ہو؟" بابا جان کی آواز غصے سے لرز رہی تھی اور آنکھیں شعلے اُگل رہی تھیں۔

"وہ آپ کا پوتا ہی نہیں، میرا بیٹا بھی ہے۔ میں اس کی زندگی کے حوالے سے جو چاہے طے کر سکتی ہوں۔" رابعہ شیرازی کا لہجہ بھی کافی گرمی لئے ہوئے تھا، آواز بہت بلند تھی۔

"کس چیز کے بل بوتے پہ ایسا کر سکتی ہو؟ ہم اگر چاہیں تو ابھی کھڑے کھڑے تمہیں تمہاری اوقات دکھا سکتے ہیں۔ تم اگر ابھی تک ہماری بہو کے نام سے پہچانی جا رہی ہو تو صرف اس کی وجہ سے...... ہمیں اپنے پوتے کی وجہ سے تمہیں برداشت کرنا پڑ رہا ہے، ہم صرف اپنے بیٹے کی اولاد کی خاطر تمہیں جھیل رہے ہیں ورنہ تم نے کونسا سکون دیا تھا ہمارے بیٹے کو جو تم ہمیں بھی دو گی؟" بابا جان نہ جانے کب سے بھرے بیٹھے تھے فوراً غصے میں سب کچھ کہہ گئے تھے۔ رابعہ شیرازی پل میں ٹھٹکی تھیں لیکن پل میں سنبھل بھی گئی تھیں۔

"آپ کا بیٹا کہیں مر کھپ گیا ہے تو اس میں، میں کیا کر سکتی ہوں؟ اور آپ مجھے جھیلنے کا احسان مت کریں، میں آج بھی یہ گھر چھوڑ کر جا سکتی ہوں۔ آپ اپنا پوتا اپنے پاس رکھیں۔" رابعہ شیرازی ہمیشہ جیسے ایموشنل ہتھیاروں پہ اتر آئی تھیں اور عارفین گھبرا گیا تھا۔ وہ بچپن سے باپ کی گمنامی کا صدمہ سہتا آ رہا تھا۔ اب ماں کی ناراضی نہیں سہہ سکتا تھا، لہٰذا بابا جان کو ٹھنڈا کرنے کے بعد رابعہ شیرازی کو جانے سے روکا تھا، چونکہ مہمان وغیرہ انوائٹڈ تھے۔ ساری تیاریاں مکمل تھیں، اس لئے بابا جان کی خفگی کے باوجود انگیج منٹ ہو گئی تھی اور تین ماہ بعد شادی کا اعلان بھی کر دیا گیا تھا۔ رابعہ شیرازی نے شادی اور انگیج منٹ میں سب کو انوائٹ کیا تھا، سوائے مہر النساء کے۔ مہر النساء رابعہ شیرازی کے سینے میں گولی کی طرح لگتی تھیں، ان کا نام ہی رابعہ شیرازی کو آگ لگا کے رکھ جاتا تھا۔ حالانکہ مہر النساء نے کبھی اس کے بارے میں بُرا نہیں سوچا تھا، وہ ہمیشہ انہیں "رابعہ باجی" یا پھر "رابعہ بہن" ہی کہہ کر بلاتی تھیں لیکن "رابعہ بہن" ہر لمحے انگارے چبائے رکھتی تھیں اور دونوں کی شخصیت کا موازنہ کرتے کرتے عارفین پہ ادراک ہوا تھا کہ مہر النساء آنٹی کے سامنے اس کی ماں کچھ بھی نہیں ہے۔

''کہاں کھوئے ہو پتر جی! ہم ہوٹل آ چکے ہیں۔'' بابا جان نے عارفین کو کسی سوچ میں محو دیکھ کر متوجہ کیا تھا۔

''جی بابا جان! آیئے۔'' وہ چونکتے ہوئے فوراً ہی حواسوں میں لوٹ آیا تھا اور بابا جان کے ساتھ لنچ کرتے ہوئے باتوں کے دوران اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ تھوڑی دیر پہلے کیا کچھ سوچ رہا تھا؟

''بہروز تم سے بات کرنا تھی بیٹا۔'' بہروز بھائی نہا کر باہر نکلے تو امی نے انہیں پاس بلا لیا تھا۔

''جی امی! کہئے کیا بات کرنا تھی؟'' وہ اپنی قمیص کے بٹن بند کرتے ہوئے امی کے قریب ہی برآمدے میں رکھی کرسی پہ بیٹھ گئے تھے۔

''وہ یسری کے سسرال والے شادی کرنا چاہ رہے ہیں، نکاح تو پہلے ہی ہو چکا ہے، اس لئے ہم زیادہ انکار بھی نہیں کر سکتے، بُرا لگے گا اس طرح۔'' امی شش و پنج میں مبتلا تھیں لیکن بہروز بھائی ریلیکس ہی تھے۔

''انکار کرنا بھی کیوں ہے امی! ہم ابھی سے شادی کی تیاریاں شروع کر لیتے ہیں۔''

''لیکن بیٹا شادی کے لیے اتنی رقم؟'' وہ جس چیز کے لیے فکر مند تھیں، انہوں نے کہہ ہی دیا تھا، انہیں پتا تھا ان کا صرف ایک ہی بیٹا ہے اور اس پہ پورے گھر کے ساتھ ساتھ تین بہنوں کا بھی بوجھ ہے اور اب تو بہنوں کے ساتھ اس کی اپنی بیٹی بھی اس کی ذمہ داریوں میں اضافہ کر چکی تھی۔

''امی سب کچھ بھول کر صرف اللہ پہ بھروسہ رکھیں، وہ سب اچھا کرے گا۔ آپ رقم کی فکر نہ کریں، میں کافی عرصہ سے یسری کے لئے کچھ نہ کچھ بچا رہا تھا۔ کل ہی آپ کو بینک سے وہ رقم لا دوں گا، اگر اور ضرورت پڑی تو اپنے باس سے کچھ رقم ایڈوانس لے لوں گا۔ یسری کے فرض سے فارغ ہو جائیں تو پھر انشاء اللہ اروی کے لئے سوچنا شروع کر دوں گا۔ باری باری سب کو ان کا لکھا مل ہی جائے گا۔'' بہروز بھائی نے امی کی پریشانی بیٹھے بیٹھے حل کر ڈالی تھی۔ انہوں نے بے اختیار اپنے اتنے اچھے سعادت مند اور سمجھ دار بیٹے کا ماتھا چوم لیا تھا اور پھر اگلے ہی روز انہوں نے رقم لا کر ماں کے ہاتھ پہ رکھ دی تھی۔ شادی کے لئے چھوٹے موٹے جہیز اور ضروری اشیاء کی شاپنگ شروع ہو گئی تھی۔ یسری تو شرمائی شرمائی رہتی تھی، البتہ اروی اور سارہ خوب انجوائے کر رہی تھیں۔ انہوں نے رفتہ رفتہ سب کچھ کمپلیٹ کر لیا تھا۔ بس اپنی شاپنگ رہ گئی اور وہ بھی اس لئے رہ گئی تھی کہ وہ لوگ فرصت سے یہ کام کرنا چاہتی تھیں۔

''میں فی الحال بچے نہیں چاہتی۔'' عارفین نے پہلی بار اس چیز کا واضح اظہار کیا تھا۔ لیکن زوئلہ نے فوراً انکار تھما دیا تھا۔

''لیکن میں چاہتا ہوں ہماری شادی کو پانچ سال ہو چکے ہیں زوئلہ اور کتنا انتظار کروں، کیا تمہیں خود اس کمی کا احساس نہیں ہوتا؟'' عارفین، زوئلہ کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

''کمی کیسی عارفین! تم اپنی زندگی میں خوش ہو، مگن ہو، میں اپنی زندگی میں خوش ہوں۔ پھر کمی کس چیز کی ہوئی بھلا؟ یہ بچوں کے لئے تو زندگی پڑی ہے، ابھی سے کیوں اپنا اتنا خوبصورت فگر خراب کر لوں؟'' زوئلہ نے اپنے سراپے کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''تمہیں فگر خراب ہونے کی فکر ہے، لیکن ہماری زندگی خراب ہونے کی فکر نہیں ہے؟ اولاد انسان کے لئے نام ہوتی ہے، نشان ہوتی ہے، آئندہ کی نسل اور اپنے دل کے لئے سکون ہوتی ہے...... کہتے ہیں عورت ماں بننے کے بعد ہی مکمل عورت بنتی ہے۔ کیا تم نہیں چاہتیں کہ تمہاری ذات بھی مکمل ہو؟'' عارفین آج دلائل سے پیش آ رہا تھا۔

''یہ بس دقیانوسی باتیں ہیں، میں نہیں مانتی ان چیزوں کو آج کل کے دور میں کوئی چیز ضروری نہیں ہے، بس انسان کی اپنی ذات ہی اپنے لئے کافی ہے۔'' زوملہ کی بات پہ عارفین چند لمحے چپ چاپ اسے دیکھتا رہا تھا۔ ''میں ڈاکٹر فائزہ سے کل کے لئے ٹائم لے چکا ہوں، تمہیں کل میرے ساتھ چلنا ہوگا۔'' وہ اس کو بتا کر کمرے سے باہر نکل آیا تھا، لیکن زوملہ بھی اس کے پیچھے پیچھے ہی کمرے سے باہر آ گئی تھی۔

''مام دیکھئے نا عارفین کیا کہہ رہے ہیں؟'' زوملہ رابعہ شیرازی کے بازو سے جا لگی تھی۔

''کیا کہہ رہا ہے عارفین؟'' انہوں نے لاڈ سے بھانجی کے بال سنوارے۔

''یہ ڈاکٹر سے ٹائم لے کر آئے ہیں، انہیں بچوں کی ضرورت ہے۔ لیکن مام میں ابھی سے بچے نہیں چاہتی، میری ساری خوبصورتی ماند پڑ جائے گی، میرا فگر بھی خراب ہو جائے گا، پلیز مام؟''

''زوملہ تم خوامخواہ بات کو بڑھا رہی ہو۔'' عارفین کو غصہ آیا تھا۔

''عارفین میری جان کیوں اتنے روڈ ہو رہے ہو؟ وہ اگر بچے نہیں چاہتی تو تم بھی ضد نہ کرو۔''

''مام آپ بھی اس بات کو گہرائی سے نہیں لے رہیں؟ کم از کم آپ کو تو کچھ سوچنا چاہئے؟'' عارفین کو سچ مچ ماں کے انداز اور لاپروائی پہ حیرت ہوئی تھی، ورنہ بہت سی مائیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو بیٹے کی اولاد کے لئے منتیں، مرادیں مانتے ہوئے نہیں تھکتیں، بلکہ پوتے، پوتی کی خواہش میں سکون سے سوتی بھی نہیں ہیں، جبکہ رابعہ شیرازی......؟ وہ سچ مچ صرف رابعہ شیرازی ہی تھیں، نہ وہ کسی کی بیوی تھیں، نہ وہ کسی کی ماں تھیں، نہ وہ کسی کی بہو، بیٹی تھیں، وہ صرف ''رابعہ شیرازی'' تھیں، اپنی ذات کے لئے اپنے آپ کے لئے بس۔

''تمہاری ماں اور تمہاری بیوی چاہے کچھ بھی نہ سوچیں، لیکن ہم نے بہت کچھ سوچ لیا ہے بیٹا۔'' بابا جان جو ریلنگ کے قریب کھڑے ان کی باتیں سن رہے تھے، بہت پراسرار سے انداز میں کہتے نیچے اتر آئے تھے۔

''کیا مطلب ہے بابا جان؟'' عارفین چونک گیا تھا۔

''مطلب صاف ظاہر ہے بیٹا تمہاری بیوی اگر تمہیں اولاد جیسی خوشی دیتی ہے تو ٹھیک، ورنہ بچوں کے لئے تمہیں دوسری شادی کرنا ہوگی اور تمہاری دوسری شادی ہم خود کروائیں گے اپنی مرضی سے۔'' بابا جان نے کھڑے کھڑے حقیقتاً ان لوگوں پہ بم پھوڑ دیا تھا، رابعہ شیرازی اور زوملہ شیرازی تو دور کی بات خود عارفین بھی چکرا کے رہ گیا تھا۔ اس نے حیرت سے انہیں دیکھا تھا۔

''ہاں۔ بیٹا لوگ اپنی نسل، اپنے نام کے لئے کچھ بھی کر لیتے ہیں تم کوئی انوکھا کام نہیں کرو گے۔ البتہ اپنی ماں اور بیوی سے کہو وہ ایک بار پھر سوچ لیں۔'' بابا جان فیصلہ کن انداز میں کہہ کر آگے بڑھ گئے۔

''ایسا کبھی نہیں ہوگا میری بھانجی پہ سوتن نہیں آسکتی۔'' رابعہ شیرازی پھنکار کے بولی تھیں اور بابا جان دوبارہ واپس پلٹ آئے تھے۔

''میں اپنے اسی پوتے کی قسم کھاتا ہوں رابعہ بی بی اگر تمہاری بھانجی نے بچہ پیدا نہ کیا تو اس پہ سوتن ضرور آئے گی اور تم خود اپنی بھانجی کی سوتن کو بیاہ کے لاؤ گی۔ بس میری یہ قسم یاد رکھنا۔'' وہ اپنے فیصلے پہ قسم جیسی آخری کیل ٹھونک کر وہاں سے چلے گئے تھے اور رابعہ شیرازی پہلی بار...... دم بخود رہ گئی تھیں۔ بابا جان بہت نرم تھے تو بہت سخت بھی تھے۔ کوئی ان کے سامنے پر نہیں مار سکتا تھا۔ فقط رابعہ شیرازی ایسی تھیں جو ان سے دو بدو بات کرتی تھیں اور ان کی چپ کا ناجائز فائدہ اٹھاتی تھیں۔ مگر آج......

''اروی آپی آپ کس کلر کا سوٹ لیں گی، یسریٰ آپی کی مایوں کے لئے؟'' ٹیکسی سے اترتے ہی سارہ کو سوٹ کے کلر کی فکر شروع ہوگئی تھی۔ ''ابھی شاپ کے اندر تو جا لینے دو۔'' اروی نے خفگی سے گھورا تھا اسے۔

''امی شاپنگ کے بعد آئس کریم کھلائیں گی نا؟'' اب سارہ کی توپ کا رخ امی کی سمت ہو چکا تھا۔ اروی کی نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی پھوٹ نکلی تھی۔ وہ بے حد کھلکھلا کے ہنسی تھی اور ذرا سے فاصلے پہ گاڑی سے اترتے عارفین شیرازی نے چونک کر ہنسی کے تعاقب میں دیکھا تھا، آف وائٹ اور پرپل کمبی نیشن کے پرنٹنڈ سوٹ میں ملبوس پرکشش شخصیت کی حامل وہ لڑکی بہت دلکشی سے مسکرا رہی تھی اور اس کی نظروں کا مرکز اپنے ساتھ کھڑی دوسری لڑکی تھی۔ عارفین ان لوگوں کی نوک جھوک سنتا ہوا سائیڈ سے گزر کر آگے بڑھ گیا تھا، البتہ شاپنگ سنٹر میں جانے سے پہلے اس نے ایک بار پھر ان لوگوں کو دیکھا تھا اور مسکرا کر اندر چلا گیا، لگتا تھا وہ لوگ کافی فرصت اور فریش موڈ سے آئی تھیں، لیکن عارفین کو نہیں پتہ تھا کہ ان کی یہی بے فکری اور فریش موڈ وہ خود ہی ختم کر بیٹھے گا۔ وہ پہلے شاپنگ کرنے کے بعد اپنے ایک جاننے والے کے ساتھ ہی قریبی ریسٹورنٹ چلا آیا تھا اور انہیں لنچ کروانے کے بعد وہاں سے رخصت چاہی تھی، پارکنگ ایریا سے اس نے گاڑی بہت آہستہ رفتار میں نکالی تھی اور پھر روڈ پہ آکر اس نے یوٹرن بھی بہت ہی سلو رفتار میں لیا تھا۔ یوٹرن لیتے ہی اس نے گاڑی کی سپیڈ ایک دم سے بڑھا دی تھی اور گاڑی کو سلو رفتار میں آتا دیکھ کر فٹ پاتھ سے اتر آنے والی سارہ یقیناً گاڑی کا نشانہ بنتی، اگر یک دم اروی اسے دھکا نہ دے دیتی۔ سارہ تو ایک سائیڈ پہ گرنے کی وجہ سے بچ گئی تھی، لیکن اروی کی چیخ نے پورے ماحول کو منتشر کر کے رکھ دیا تھا، اس کا دوپٹہ گاڑی کے ٹائر سے لپٹ کر اسے بھی زمین بوس کر گیا تھا اور عارفین بریک لگاتے ہوئے فوراً ہی بھاگتے ہوئے پاس آیا تھا۔

''اروی آپی؟'' سارہ زمین پہ بہتا خون دیکھ کر پاگل ہو اٹھی تھی۔ امی دوزانو اس کے قریب گرنے کے سے انداز میں بیٹھی تھیں اور اروی کی بند ہوتی آنکھوں نے تین چہرے اپنے بے حد قریب جھکے دیکھے تھے۔ سارہ کا چہرہ، امی کا چہرہ، اور ایک اجنبی (عارفین شیرازی) کا چہرہ! وہ چہرہ بھی اتنا ہی متفکر اور ہوائیاں اڑاتا نظر آ رہا تھا جتنے باقی دو چہرے، اور اس کی بند ہوتی بے ہوشی میں ڈوبتی آنکھوں میں وہ چہرہ بھی ''ڈوب'' گیا تھا۔ کہنے کو صرف چہرہ ڈوبا تھا، لیکن صحیح معنوں میں بہت کچھ ڈوب چکا تھا، اس کی بند ہوتی آنکھوں نے بہت کچھ اپنے اندر ہی قید کر لیا تھا، لیکن وقتی طور پر خاص محسوس نہیں ہو سکا تھا۔

''اروی...... اروی'' وہ ماں، بیٹی بے تحاشا روتے ہوئے پکارے جا رہی تھیں، آس پاس لوگوں کا شور اور ہجوم بڑھ چکا تھا، ان لوگوں کی بڑے

ارمانوں اور خوشیوں سے خریدی چیزیں سڑک پہ بکھری تھیں، عارفین نے مجرموں کی طرح سر جھٹک کر اسے اٹھایا اور اپنی گاڑی میں ڈالا تھا، سارہ اور امی بھی اس کے ساتھ ساتھ تھیں، وہ بڑی تیزی اور عجلت میں ڈرائیو کرتا ہسپتال پہنچا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد وہ مکمل ہوش میں آئی تھی۔ سید ھا سڑک پہ گرنے کی وجہ سے اس کا سر بری طرح زخمی ہوا تھا اور خون بھی کافی زیادہ بہا تھا۔ اندر ہی اندر عارفین بہت زیادہ پشیمانی کا شکار ہو رہا تھا۔ حالانکہ غلطی سراسر اروی اور سارہ کی تھی وہ تو بالکل صحیح سپیڈ سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

''سر آپ کی پیشنٹ ہوش میں آ چکی ہیں اور وہ گھر جانا چاہتی ہیں۔'' وہ کوریڈور میں ریسپشن کے قریب ٹہلتے ہوئے مسلسل چکر کاٹ رہا تھا۔ اس کا دھیان زونلہ کی طرف تھا، اس کو لے کر ڈاکٹر فائزہ کے پاس جانا تھا، لیکن وہ کافی لیٹ ہو چکا تھا۔ نرس کے بتانے پر وہ اندر آ گیا تھا، جہاں وہ تینوں خواتین موجود تھیں اور زخمی ہونے والی ''اروی'' نامی لڑکی پورے ہوش و حواس میں نظر آ رہی تھی۔ عارفین نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا تھا کہ کوئی لمبی چوڑی مصیبت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اگر اس لڑکی کی چوٹ گہری ہوتی تو زیادہ مشکل ہو سکتی تھی۔

''جی ماں جی اب کیسی کنڈیشن ہے ان کی؟'' عارفین نے بہت ہی عزت اور احترام سے مخاطب کیا تھا انہیں اور اروی کی طبیعت پوچھی تھی۔ امی بھی اچھی طرح جان چکی تھیں کہ وہ ایک انتہائی شریف اور سلجھا ہوا انسان ہے۔ بے شک دیکھنے سے ہی امیر کبیر لگ رہا ہے، لیکن اس کے کسی بھی انداز و اطوار سے عام بگڑے ہوئے امیر زادوں جیسی کوئی جھلک نظر نہیں آ رہی تھیں۔

''بیٹا یہ اب ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ یہ اب گھر جا سکتی ہے۔'' امی نے فوراً بتایا تھا۔

''اگر آپ گھر جانے کے لئے رضا مندی ہیں تو ٹھیک ہے میں آپ لوگوں کو ڈراپ کر دیتا ہوں، اور اگر آپ مطمئن نہیں اپنے آپ کو صحیح فیل نہیں کر رہیں تو کوئی بات نہیں آپ مزید یہاں ایڈمٹ رہ سکتی ہیں میں ڈاکٹر صاحب سے بات کر کے آپ کا ٹریٹ منٹ بڑھا دیتا ہوں۔''

''نن نہیں، سر میں بالکل ٹھیک ہوں، میں گھر جانا چاہتی ہوں۔'' اروی نے اس کی بات سنتے ہی انکار کر دیا تھا اور فوراً ہی بیڈ سے کھڑی ہو گئی تھی، مگر دماغ یک دم چکرا کر رہ گیا تھا اور قدم لڑکھڑا گئے تھے۔ سارہ نے یک دم اسے کندھے سے تھام لیا تھا۔

''اٹس اوکے۔'' اروی نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش تھی اور پھر سارہ کے ساتھ چلتے ہوئے وہ باہر پارکنگ تک آئی تھی۔ عارفین نے انہیں ڈراپ کرنے کی ذمہ داری خود لی تھی۔ حالانکہ اروی نے منع کیا تھا وہ کسی اجنبی کا احسان نہیں لینا چاہتی تھی اور نہ ہی اسے گھر تک لے کر جانا چاہتی تھی، مگر جب امی کو اعتراض نہیں تھا تو وہ بھلا کیا کرتی؟ نہ جانے کیا بات تھی کہ نہ چاہتے ہوئے بھی عارفین نے اس لڑکی (اروی) کو دو بار بیک ویو مرر سے دیکھا تھا۔ دیکھنے میں وہ لڑکی بہت تیکھی تھی، لیکن جاننے اور سمجھنے میں وہ بہت نرم محسوس ہو رہی تھی، اس کی شخصیت دو رنگوں کا امتزاج لئے ہوئے تھی، نرمی کا رنگ بھی اور سختی کا رنگ بھی۔

''جی بس یہیں ڈراپ کر دیں؟'' امی اور عارفین بے وجہ سی باتوں میں مصروف تھے، سارہ سہمی بیٹھی تھی، اروی نے خود ہی اسے چونکا کے بریک لگانے کو کہا تھا۔

''ماں جی یہ میرا کارڈ ہے آپ کو زندگی میں کبھی بھی کسی کام کی کسی چیز کی ضرورت پڑے آپ مجھے یاد کر سکتی ہیں اور مجھے آپ کی خدمت کر کے خوشی ہوگی؟'' گاڑی سے اترنے سے پہلے عارفین نے امی کو اپنا کارڈ تھمایا تھا اور وہ کارڈ امی نے گھر آ کر اپنی سلائی مشین کی دراز میں ڈال دیا تھا۔

''کہاں تھے تم، زونلہ کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہے، تم نے اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا تھا؟'' رابعہ شیرازی، عارفین کو دیکھتے ہی شروع ہوگئی تھیں، جبکہ وہ کافی تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

''مام میں گھر ہی آ رہا تھا لیکن راستے میں معمولی سا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ ایک لڑکی زخمی ہو گئی تھی، اس لئے ان لوگوں کے ساتھ ہسپتال جانا پڑ گیا تھا۔'' اس نے صوفے پہ نیم دراز ہوتے ہوئے بتایا تھا۔

''زیادہ نقصان تو نہیں ہوا؟''

''نہیں کافی حد تک بچت ہو گئی تھی۔''

''تم خود تو ٹھیک ہونا؟'' رابعہ شیرازی آج سچ مچ ایک ماں کا روپ دھارے ہوئے تھیں، جن کو بیٹے کی بھی فکر ہو رہی تھی اور بہو کے علاج کے لئے بھی پریشان تھیں اور یہ سب کرم نوازی بابا جان کی آخری وارننگ ان کی قسم کی وجہ سے ہو رہا تھا، اب رابعہ شیرازی کو اپنی لاپروائیاں چھوڑ کے عملی زندگی میں آنا تھا، اب انہیں یہ فکر تھی کہ زونلہ جلد سے جلد ماں بنے اور وہ پھر سے بے فکری ہو کر اپنی راجدھانی پہ عیش کریں۔

''جی میں ٹھیک ہوں۔'' عارفین بھی اپنی ماں کا بدلا ہوا رنگ روپ بھانپ گیا تھا اور دل ہی دل میں اس نے بابا کو داد دی تھی، جن کی ایک دھمکی ہی اتنی پر اثر ثابت ہوئی تھی کہ رابعہ شیرازی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے نئی فکروں میں لگ گئی تھیں۔

''پھر زونلہ کو کب لے کر جاؤ گے؟'' وہ گھوم پھر کے دوبارہ اپنے مطلب کی بات پہ آ گئی تھیں۔

''شام کو ڈاکٹر فائزہ سے بات کروں گا، جب انہوں نے کہا تب لے جاؤں گا۔'' عارفین کا ذہن کچھ منتشر ہو رہا تھا، اس لئے ان کی باتوں پہ دھیان ذرا کم ہی دے رہا تھا۔

''او کے، لیکن یاد سے بات کرنا، بعد میں نہ ہو کہ تمہارے وہ بابا جان پھر میرے کندھوں پہ سوار ہو رہے ہوں؟'' انہوں نے ناگواری سے ذکر کیا تھا، عارفین کوئی بھی نوٹس لئے بغیر چپ چاپ بیٹھا رہا تھا، تھوڑی دیر بعد زونلہ چلی آئی، وہ بھی رابعہ شیرازی جیسی ہی پوچھ گچھ شروع کر چکی تھی اور مجبوراً عارفین وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

❁.......❁.......❁

یسریٰ کی شادی کافی دھوم دھام سے ہوئی تھی، امی اور بہروز بھائی سب کچھ اچھے طریقے سے نپٹ جانے پہ بہت خوش تھے اور زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ اللہ نے انہیں ایک بیٹی کے فرض سے سبکدوش تو کر ہی دیا ہے، اب دو بیٹیوں کا فرض باقی تھا اور انہیں یقین تھا کہ وہ باقی دونوں بیٹیوں کے فرض سے بھی جلد اور احسن طریقے سے فارغ ہوں گے، مگر قسمت کے دھارے کب کس رخ پہ بہہ نکلیں گے یہ آج تک کوئی نہیں جان پایا تھا، وہ لوگ ان دنوں بہت خوش تھے اور انہیں خوشی راس نہیں آئی تھی۔ وہ دن ان کے لئے قیامت کا دن تھا جب بہروز بھائی کے آفس سے فون کال آئی تھی۔

''آپ بہروز صاحب کے گھر سے بول رہی ہیں۔''

''جی میں بہروز بھائی کی بہن بات کر رہی ہوں۔'' ارویٰ یونیورسٹی سے ذرا جلدی گئی تھی جیسے ہی فون کی بیل ہوئی، اس نے ہی کال ریسیو کی تھی۔

''میں ان کے آفس سے ان کا کولیگ بات کر رہا ہوں۔ بہروز صاحب کی طبیعت خراب ہے، انہیں ہسپتال لے گئے ہیں۔ اگر آپ لوگ جانا چاہتے ہیں تو ہسپتال کا پتہ لکھ لیں۔''

''کک...... کیا کہہ رہے ہیں...... ؟ کیا ہوا ہے بھائی کو......؟'' اروٰی کی آواز لڑکھڑا گئی تھی اور کچن میں اروٰی کے لئے کھانا نکالتی امی کے ہاتھ کپکپا گئے تھے، ان کا دل کسی انہونی کے خیال سے بری طرح لرز اٹھا۔

''یا اللہ خیر......'' انہوں نے بے ساختہ اللہ کو یاد کیا تھا۔ ثمینہ بھابی بھی اپنے کمرے سے باہر آ گئی تھیں۔

''دل کا دورہ......؟'' اروٰی کے منہ سے ٹوٹے پھوٹے لفظ نکلے تھے اور وہ زمین پہ بیٹھتی چلی گئی تھی۔ ثمینہ بھابی اپنا سینہ پیٹنے لگی تھیں اور امی کے جسم سے تو جیسے کسی نے روح کھینچ لی تھی۔ پورے گھر میں عجیب سی وحشت چیخ اٹھی تھی، وہ تینوں بمشکل روتے پیٹتے ہوئے ہسپتال پہنچی تھیں، جہاں بہروز کو اس کے کولیگز اپنی نگرانی میں سنبھالے ہوئے تھے، ان کے ٹیسٹ کئے جا رہے تھے اور نارمل ٹریٹ منٹ بھی ہو رہی تھی۔ ابھی مزید تفصیلی رپورٹ کا انتظار تھا کہ آخر انہیں ہوا کیا ہے؟ پانچ گھنٹوں کے انتظار کے بعد انہیں رپورٹ ملی تھی جس کے مطابق بہروز حیات کے دل کی شریانوں کا خون منجمد ہو چکا تھا جس کی وجہ سے خون کی گردش میں رکاوٹ پیش آ رہی تھی اور رگیں پھٹنے کے قریب ہو رہی تھیں اور شریانوں کی اسی پرابلم کی وجہ سے بہروز حیات کے سینے میں درد کی لہریں بڑھتی جا رہی تھیں۔

''ڈاکٹر صاحب اس بیماری کا کوئی حل بھی تو ہوگا؟'' امی روتے ہوئے ڈاکٹر کے سامنے آئی تھیں۔

''اس کا فی الحال ایک ہی حل ہے اور وہ ہے آپریشن...... تاکہ آپریشن کے ذریعے ان کی شریانوں کی بندش دور کی جا سکے۔'' ڈاکٹر صاحب بہت نارمل سے انداز میں تفصیل بتا رہے تھے جبکہ امی آپریشن کا سن کر چپ سی ہو گئیں۔

''آپریشن کب ہوگا ڈاکٹر صاحب اور اس کے لئے ہمیں کیا کرنا ہوگا؟'' اروٰی نے امی کو خاموش ہوتے دیکھ کر مزید پوچھا تھا۔

''آپریشن کل تک ہو جانا چاہیے اور اس کے لئے دو لاکھ روپے کا خرچہ آپ لوگوں کو افورڈ کرنا ہوگا۔ آپ اگر دیر کریں گے تو مریض کی جان کو خطرہ ہوگا۔'' ڈاکٹر کے منہ سے نکلا ایک لفظ اروٰی کے جسم کے رونگٹے کھڑے کر گیا تھا اروٰی کے کانوں میں سائیں سائیں آواز گونجنے لگی تھی۔

''دو لاکھ...... کک...... کہاں سے آئیں گے دو لاکھ روپے؟'' وہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر ساکت بے جان سی بیٹھی تھیں، ان دونوں کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھانے لگا تھا۔

''کیا ہوا آنٹی! کیا کہتے ہیں ڈاکٹر صاحب؟'' جرار بہنوئی کی بیماری کا سن کر ابھی ہاسپٹل آیا تھا، اس کی ہمدردی آواز سن کر امی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں۔

''امی پلیز حوصلہ کریں ہمیں کچھ کرنا ہوگا، ہمارے پاس ٹائم بہت کم ہے۔'' اروٰی نے ماں کے کندھے پہ دباؤ ڈالتے ہوئے انہیں رونے سے روکا تھا۔

''بیٹا...... دو لاکھ روپے کہاں سے آئیں گے، کیسے جمع ہوگا؟''

''انشاء اللہ ضرور ہوگا، آپ ہمت کریں۔ آپ کے پاس شاید زیور ہیں؟'' اروی کو پتہ تھا کہ امی نے وہ زیور سارہ کے اور اس کے لئے بچا کر رکھے ہیں اور مشکل وقت میں اب وہی کام آسکتے ہیں۔

''وہ...... وہ زیور تو......؟''

''امی! آپ بھائی کی زندگی کے لئے دعا کریں۔ وہ زیور زیادہ ضروری یا اہم نہیں ہیں۔''

''لیکن بیٹا...... دو دو چوڑیاں اور ایک ایک لاکٹ سیٹ ہی تو ہے، ان سے دو لاکھ پورا تو نہیں ہوگا؟''

''کچھ تو ہوگا نا، آپ گھر چلیں میرے ساتھ، ہم ابھی وہ زیور بیچ دیتے ہیں۔ بھابی! آپ بھائی کے پاس رکیں، ہم کچھ دیر بعد پھر آجائیں گے۔'' اروی نے ثمینہ بھابی کو تسلی دی۔

''آیئے میں آپ لوگوں کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' جرار کے پاس گاڑی تھی، اس لئے بڑھ چڑھ کر آفر دے رہا تھا ورنہ مصیبت یا مشکل کے وقت کام آنا اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

دو لاکٹ سیٹ اور چار چوڑیاں بیچ کر انہیں ایک لاکھ روپے کی رقم تو حاصل ہو ہی گئی تھی، اب مسئلہ مزید ایک لاکھ روپیہ جمع کرنے کا تھا اور بہت زیادہ سوچ بچار کرنے کے بعد امی نے بہروز بھائی کی بائیک بیچنے کا فیصلہ کیا تھا۔ بہروز بھائی کی بائیک کا سن کر اروی کے دل پہ ہاتھ پڑا تھا، اس کا جی چاہا وہ امی کو منع کر دے مگر اس کے بغیر چارہ بھی تو نہیں تھا۔ چالیس ہزار کی بائیک بیچنے کے بعد بھی انہیں ساٹھ ہزار کی ضرورت تھی۔

''بھابی! آپ کے پاس بھی تو کچھ زیور تھا...... آپ وہ زیور بیچ دیں، بھائی ٹھیک ہو جائیں تو آپ کو دوبارہ بنوا دیں گے۔'' ایک بہن اپنے بھائی کے لئے بھائی کی بیوی کے سامنے ہاتھ پھیلا رہی تھی حالانکہ ایسے وقت میں بیوی کو خود اپنے شوہر کی موت و زندگی کا احساس ہونا چاہیے تھا جس کے لئے بناؤ سنگھار کرنا تھا جس کے لئے زیور پہننا تھا، وہی نہ رہتا تو زیور کس کام کے؟

''میرے زیور تو بک گئے۔'' ثمینہ بھابی نے ناگواری سے کہا۔

''کیا مطلب......؟''

''آپ لوگوں کو پتہ ہوگا مہینہ بھر پہلے میری امی بہت بیمار ہوگئی تھیں اور جرار کے پاس کوئی جاب نہیں تھی، اس لئے امی کے علاج کے لئے میں نے زیور بیچ دیے تھے۔'' ثمینہ بھابی کے سفید جھوٹ پر اروی ہکا بکا رہ گئی تھی، صرف یہ دیکھ کر کہ کیا کوئی بیوی اتنی بے رحم اتنی سنگدل بھی ہو سکتی ہے؟ اس کے بچوں کا باپ، اس کا سرتاج موت کے منہ میں جا رہا تھا اور وہ خود غرضی اور طوطا چشمی سے کام لے رہی تھی اور اروی دوسری کوئی بھی بات کیے بغیر واپس پلٹ گئی تھی۔

''آپ نے جھوٹ کیوں بولا باجی؟'' جرار نے حیرت سے بہن کو دیکھا تھا، وہ کمینہ تھا لیکن بہن اس سے بڑھ کر ثابت ہو رہی تھی۔

''چپ رہو تم...... آج اگر میں زیور بیچ دیتی ہوں اور بہروز کو کچھ ہو جاتا ہے تو پھر میرا کیا بنے گا، میرے پاس کیا بچے گا؟ یہ عورتیں مجھے بھلا کیا دیں گی؟ اپنے پاس کچھ جمع پونجی بھی ضرور رکھنی چاہیے، کسی کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔'' ثمینہ بھابی نے بھائی کی زبان بند کر دی تھی۔

امی نے محلے کی ایک خاتون کے سامنے جھولی پھیلائی تھی اور انہوں نے بیس ہزار روپیہ قرض دیا تھا۔ آٹھ دس ہزار میں انہوں نے گھر کا فریج بیچ دیا تھا۔ دس ہزار یسریٰ کے پاس تھے، وہ بھی چپکے سے ماں کے ہاتھ پہ رکھ گئی تھی۔ ایک ایک روپیہ جمع کرنے کے بعد بھی بیس ہزار کی ضرورت تھی، ایک لاکھ اسی ہزار جمع ہو چکا تھا۔ اروی نے بہروز بھائی کے آفس ان کے باس سے بھی رابطہ کیا تھا لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا تھا کیونکہ بہروز پہلے ہی ان سے یسریٰ کی شادی کے لئے کچھ رقم ایڈوانس لے چکا تھا۔

''دیکھیئے حامد صاحب! جب تک بھائی ٹھیک نہیں ہو جاتے، ان کی جگہ میں آپ کے آفس میں کام کروں گی۔ پلیز آپ ہماری کچھ ہیلپ کریں، ہمیں بیس ہزار روپے کی ضرورت ہے، کل ان کا آپریشن ہونا بہت ضروری ہے۔''

''ایم سوری میڈم! ہم مزید اپنی رقم ڈبونے کا رسک نہیں لے سکتے اور پلیز آپ رات کے اس پہر بار بار فون کر کے تنگ مت کریں۔''
حامد صاحب نے انتہائی ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے کھٹاک سے فون بند کر دیا تھا اور اروی آج کی رات ختم ہونے کا سوچ کر ہی وحشت زدہ ہو گئی تھی۔ ٹائم بارہ سے اوپر کا ہو رہا تھا، گویا دوسرا دن لگ چکا تھا۔

❁......❁......❁

اگلی صبح امی نے اپنی سلائی مشین اور واشنگ مشین بیچنے کے لئے رکھ دیں مگر دو گھنٹے خوار ہونے کے بعد بھی کسی نے اچھے داموں خریدنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

''یہ مشین کتنے کی بک رہی ہے امی؟'' اروی نے سلائی مشین کو بے زاری سے دیکھا۔

''بیٹا! یہ لوگ تو اسے پرانے لوہے کے بھاؤ خرید رہے ہیں، چار پانچ سو سے زیادہ کوئی نہیں دے رہا۔'' امی کے حلق میں آنسوؤں کا گولا سا اٹکنے لگا تھا اور اروی کی نظر مشین کے رخنے سے جھانکتے سفید کارڈ پہ جم گئی تھی، اس نے ایک سیکنڈ میں وہ کارڈ جھپٹا تھا۔

''مسٹر عارفین شیرازی۔'' اس کی نظروں میں عارفین شیرازی کا چہرہ گھوم گیا تھا اور ذہن میں اپنی موجودہ ضرورت چکرانے لگی تھی۔

''اس وقت اگر ہماری کوئی مدد کر سکتا ہے تو وہ عارفین شیرازی ہے۔ مجھے...... مجھے اس سے رابطہ کرنا چاہیے۔'' وہ لپک کر فون کے قریب آئی تھی اور اس کا نمبر ڈائل کیا تھا لیکن اس کے موبائل کا نیٹ ورک نہیں مل رہا تھا۔ اس نے دس منٹ کے اندر اندر تقریباً چالیس پچاس مرتبہ ٹرائی کر لیا تھا مگر دوسری طرف سے جواب ہی موصول نہیں ہو رہا تھا۔ مجبوراً اسے عارفین شیرازی کے آفس جانے کا فیصلہ کرنا پڑا تھا۔

''کہاں جا رہی ہو اروی؟'' امی اسے دوپٹہ اور اسکارف لیتے دیکھ کر فوراً بولی تھیں۔

''امی! میں اس آدمی کے پاس جا رہی ہوں جو مجھے یقین ہے کہ ہماری مدد ضرور کرے گا اور آپ بھی اسے جانتی ہیں۔''

''کون ہے بیٹا...... کس کی بات کر رہی ہو؟'' انہوں نے ذرا الجھ کر پوچھا تھا۔

''عارفین شیرازی۔'' اس نے امی کے سامنے کارڈ لہرایا تھا اور امی کی آنکھوں میں مدھم سی روشنی جگمگائی تھی۔

''لیکن بیٹا...... ٹائم بہت کم ہے۔''

''امی! آپ فکر نہ کریں، آپ یہ رقم لے کر ہاسپٹل جائیں، تب تک میں بھی آجاؤں گی۔ بس دعا کریں کہ اس سے ملاقات ہو جائے۔''

اروی ماں کو تسلی دے کر گھر سے نکل آئی تھی، اس نے روڈ پہ آتے ہی رکشہ والے کو روکا اور کارڈ پہ لکھا ایڈریس سمجھایا تھا۔

آدھے گھنٹے کے بعد وہ عارفین شیرازی کے عالیشان آفس میں موجود تھی۔ یہاں آنے سے پہلے وہ بہت پر یقین تھی، اسے پورا بھروسہ تھا کہ عارفین شیرازی اس کی پرابلم سن کر ضرور ہیلپ کرے گا لیکن یہاں آکر اس کا سارا یقین سارا بھروسہ بکھر سا گیا تھا۔ اتنا امیر کبیر انسان، اتنا بڑا بزنس مین...... اتنی معروف شخصیت کو بھلا کیا پتہ کہ وہ کون ہے اور اس سے ملاقات کہاں ہوئی ہے؟ اگر اس نے پہچاننے سے ہی انکار کر دیا تو...... تو کیا کرے گی وہ؟ کہاں جائے گی؟ کس سے بھیک مانگے گی؟ کس سے کہے گی کہ اس کے بھائی کی زندگی کا سوال ہے؟'' عارفین شیرازی کے ممکنہ رویے کا سوچ کر ہی اس کے ماتھے پہ پسینہ آگیا تھا۔ اس کا دل گھبرانے لگا تھا۔

''ایک گلاس پانی مل سکتا ہے پلیز......'' اس نے پاس سے گزرتے پیون کو مخاطب کیا تھا۔

''لیس میم......'' وہ فوراً پانی لے آیا تھا اور اس کی حالت کے پیش نظر ویٹنگ روم کے اے سی کی کولنگ اسپیڈ بڑھا دی تھی۔

عارفین مینیجر صاحب سے کوئی بات ڈسکس کرتے ہوئے اپنے روم سے باہر نکلا تھا، جب اس کی نظر نڈھال سی اس لڑکی پہ پڑی جو آج بھی اس کے حافظے میں محفوظ تھی۔

''اروی......'' بے ساختہ ہی اس کا نام بھی ذہن سے زبان تک پہنچ گیا تھا اور عارفین کے لئے یہ مزید حیرت کی بات تھی کہ وہ اس لڑکی کو نام سمیت یاد رکھے ہوئے تھا۔

''میم...... آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' آفس کی ایک لیڈی ورکر نے اٹھ کر اس کا حال پوچھا تھا۔

''جج...... جی...... میں ٹھیک ہوں......'' اروی واپسی کے لئے کھڑی ہوگئی تھی۔

''میم...... آپ تو سر سے ملنے کے لئے آئی تھیں۔''

''نن...... نہیں...... مم...... میں پھر کبھی آجاؤں گی......'' اروی کو ناکامی کا سوچ کر چکر آنے لگے تھے کہ اب بہروز بھائی کا کیا ہوگا؟

''رکیے مس اروی......'' عارفین کی بھاری اور بلند آواز نے جہاں اروی کے قدم روک دیے تھے، وہیں آفس کے پورے اسٹاف کو ٹھٹکا دیا تھا کیونکہ اس کے لہجے اور انداز میں بے ساختگی کے ساتھ ساتھ بے چینی بھی تھی۔ اروی نے حیرت سے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔ اسے یقین نہیں آیا تھا کہ عارفین شیرازی نے اسے اس کے نام سے پکارا ہے؟ گویا وہ اس کو بھی پہچانتا تھا اور اس کا نام بھی جانتا تھا۔

''آیئے، آپ واپس کیوں جا رہی ہیں؟'' اس نے آگے بڑھ کر اسے اپنے آفس روم میں آنے کی پیشکش کی تھی اور اروی کو لگا، اللہ نے کوئی دعا سن لی ہے۔ وہ اس کے ساتھ اس کے سپر لگژری روم میں داخل ہوئی تھی۔ سکون اور ٹھنڈک کا احساس پورے کمرے میں بکھرا تھا۔ یہاں آ کے احساس ہوا کہ زندگی کے لئے کچھ پل سکون کے بھی بے حد ضروری ہیں۔

''بیٹھیے......'' اس نے کرسی کی سمت اشارہ کیا تھا اور خود دوسری چیئر گھسیٹ کر اس کے مقابل ہی بیٹھ گیا تھا۔

''ماں جی کیسی ہیں؟'' اس نے چھوٹتے ہی حال احوال پوچھا تھا۔

''جی ٹھیک ہیں۔'' وہ آہستگی سے بولی تھی۔

''اور آپ......؟'' عارفین کو وہ پہلے روز جیسی فریش نہیں لگی تھی، اسی لئے گہری نظروں سے جانچتے ہوئے اس کا حال بھی پوچھ لیا تھا۔

''میں بھی ٹھیک ہوں لیکن......'' وہ اپنا مدعا بیان کرتے کرتے رک گئی تھی، نہ جانے کیوں دل نہیں مان رہا تھا کہ وہ اس اجنبی آشنا سے کچھ مانگے۔

''لیکن کیا مس اروی......آپ پلیز کھل کر بات کریں، میں جانتا ہوں آپ اس وقت یقیناً کسی مصیبت میں ہیں۔ پلیز بتایئے گھر میں سب ٹھیک ہیں نا؟ آپ کے بہن بھائی سب کیسے ہیں؟'' امی اس روز باتوں باتوں میں اپنی ساری فیملی کے متعلق بتا گئی تھیں، تب ہی وہ اتنی بے تکلفی سے پوچھ رہا تھا۔

''بہروز بھائی کو کل آفس میں کام کے دوران دل کا دورہ پڑا ہے، وہ اس وقت ہاسپٹل میں ہیں، ڈاکٹرز ان کے لئے آپریشن بتا رہے ہیں۔ آج شام پانچ بجے کا ٹائم دیا ہے آپریشن کے لئے مگر......'' بات کرتے کرتے وہ ٹھہری گئی تھی اپنے جیسے اپنے برابر کے انسان کے سامنے اپنا حال، اپنا سوال رکھتے ہوئے انسان کو اتنی جھجک اتنی عار نہیں آتی جتنی اس انسان سے آتی ہے جو حالات اور مقام میں ان سے بہتر اور ان سے اوپر ہو۔ یہی حال اروی کا تھا۔

''مگر......'' عارفین نے اس کی بات سننے کے لئے اسے لفظ کا ایک سرا تھمایا تھا۔

''مگر ہمیں دو لاکھ روپے کی ضرورت تھی جو ہم نے جیسے تیسے جمع کر لیا ہے مگر بیس ہزار ابھی بھی کم ہیں اور ہمارا اس شہر میں کوئی بھی جاننے والا نہیں ہے۔'' اروی کا چہرہ جھکا ہوا تھا اور حلق میں بے بس آنسو اٹک رہے تھے، حالت ایسی تھی جیسے کسی نے بدن سے سارا لہو نچوڑ لیا۔

''کیش کی ضرورت ہے یا چیک کی؟'' عارفین اس لڑکی کی بے بسی کی حد جانتا تھا، وہ اپنی خودی کو مار کے یہاں تک آئی تھی اور یہاں لانے والا اور کوئی نہیں تھا، صرف بہن اور بھائی کا رشتہ تھا، ایک بہن ایسی مجبور، ایسی بے بس ہوئی تھی کہ بھائی کے لئے کسی اجنبی در پہ سوالی بننے سے بھی نہیں کترائی تھی، حالانکہ جو کچھ اس کا حال ہو رہا تھا یا تو وہ خود جانتی تھی یا پھر اس کے سامنے بیٹھا عارفین شیرازی۔

''کیش......'' اروی کی زبان بولتے ہوئے لڑکھڑا گئی تھی۔ عارفین نے کال کر کے مینجر صاحب سے کیش منگوایا تھا اور رقم اروی کے حوالے کی تھی۔

''لیکن سر! یہ تو بہت زیادہ ہے، ہمیں تو صرف بیس ہزار روپے کی ضرورت ہے۔'' اروی نے چالیس نوٹ دیکھ کر جلدی سے کہا تھا۔

''یہ بات آپ کو آپریشن کے بعد پتہ چلے گی کہ آپ کو صرف بیس ہزار کی ضرورت ہے یا اور بھی رقم چاہیے؟'' عارفین دور اندیشی سے کام لے رہا تھا۔

''کیا مطلب سر......؟''

''آپ مطلب کے چکر میں نہ پڑیں اور پانی پئیں۔'' اس نے پیون کے لائے ہوئے لوازمات کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''تھینک یوسرا! میں پانی لے چکی ہوں، مجھے اس وقت ہاسپٹل جانا ہے، امی میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔'' اروی اٹھنے کے لئے پر تولنے لگی تھی۔

''اوکے، آپ جا سکتی ہیں۔'' عارفین اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔

''سر! میں آپ کی یہ رقم ادھار لے کر جا رہی ہوں، جیسے ہی بھائی ٹھیک ہوں گے، میں آپ کو واپس دے جاؤں گی لیکن مجھے اس وقت سمجھ نہیں آرہا کہ میں آپ کا شکریہ کن لفظوں میں ادا کروں؟ مجھے امید نہیں تھی کہ آپ اس طرح ہماری ہیلپ کریں گے۔''

اروی سچ مچ اس کے احسان پہ تذبذب کا شکار ہو رہی تھی۔

''جب آپ یہ ادھار واپس کرنے آئیں گی، تب شکریہ کے لئے لفظ بھی ڈھونڈ لائیے گا، اس وقت آپ کو دیر ہو رہی ہے۔'' وہ انتہائی دلکش سے انداز میں مسکراتے ہوئے اسے جانے کا سگنل دے رہا تھا اور اروی، عارفین شیرازی کی اچھائی کی چھاپ دل پہ لئے وہاں سے نکل آئی تھی، اسے آج یقین ہو گیا تھا کہ دنیا میں ابھی بھی عارفین شیرازی جیسے اچھے لوگ موجود ہیں اور دنیا شاید انہی کی اچھائی کے سہارے قائم تھی ورنہ تو بہت کچھ ایسا بھی تھا جو کائنات کو تباہ و برباد کرنے کے لئے کافی تھا۔

رابعہ شیرازی کی آنکھیں زونلہ کی رپورٹ دیکھ کر پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

''آر یو آل رائٹ مام؟'' عارفین نے تیزی سے اٹھ کر ان کے ہاتھ سے زونلہ کے میڈیکل ٹیسٹ کی رپورٹ تھامی تھی اور نیگیٹو رزلٹ دیکھ کر اس کی حالت بھی رابعہ شیرازی سے کم نہیں ہوئی تھی۔

''زونلہ بانجھ ہے......؟ وہ......وہ کبھی ماں نہیں بن سکتی؟'' رابعہ شیرازی زیر لب بڑبڑائی تھیں اور عارفین اپنے ماؤف ہوتے ذہن کو یکجا کرنے میں لگا ہوا تھا۔ تین روز پہلے ہی ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق زونلہ چند ٹیسٹ کروا کے گئی تھی لیکن ان کی رپورٹ تین روز بعد ملنی تھی لیکن آج زونلہ کو بہت تیز بخار تھا، اس لئے اس کی رپورٹ لینے کے لئے رابعہ شیرازی خود اس کے ساتھ آئی تھیں۔

''کیا زونلہ کا علاج نہیں ہوسکتا ڈاکٹر؟'' رابعہ شیرازی نے ڈاکٹر فائزہ کو امید بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

''مسز رابعہ شیرازی! آپ تو جانتی ہیں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے شفا رکھی ہے، ہر چیز کے لئے علاج بنایا ہے۔ سب کچھ ہوسکتا ہے لیکن بانجھ پن ایک ایسا مرض ہے جس کو کوئی دوا دور نہیں کر سکتی۔ ہاں اللہ چاہے تو کچھ بھی ہوسکتا ہے، وہ سوکھے درخت ہرے بھرے کر دیتا ہے، بنجر عورت کو آباد کرنا اس کے لئے مشکل تو نہیں ہے۔'' ڈاکٹر فائزہ دل کی گہرائی سے کہہ رہی تھیں اور رابعہ شیرازی چپ ہو کے رہ گئیں۔ ہاسپٹل سے واپسی کے دوران بھی وہ دونوں ماں بیٹا اپنی اپنی سوچوں میں گم رہے تھے جیسے ہی گاڑی گھر کے اندر داخل ہوئی تھی، رابعہ شیرازی اپنے تمام خیالوں سے چونک کر پورے حواسوں میں لوٹ آئی تھیں کیونکہ سامنے روش پہ بابا جان کی گاڑی کھڑی تھی، وہ ابھی ابھی آئے تھے شاید۔

''عارفین! زونلہ کی رپورٹ کے بارے میں بابا جان کو کچھ مت بتانا۔'' انہوں نے بیٹھے بیٹھے کچھ سوچا اور عارفین کو منع کیا تھا۔

''لیکن مام! یہ بات چھپنے والی تو نہیں ہے۔'' عارفین کو پردہ ڈالنے پر اعتراض ہوا تھا۔

''لوگ یہاں قتل کر کے چھپا لیتے ہیں، تم بات چھپانے کا کہہ رہے ہو۔'' رابعہ شیرازی تیز لہجے میں بولی تھیں اور گاڑی کا دروازہ کھول کے نیچے اتر گئی تھیں۔ عارفین الجھتا ہوا کتنی ہی دیر یونہی بیٹھا رہا تھا، اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ بابا جان کیا کریں گے اور رابعہ شیرازی کیا کریں گی؟ دونوں طرف دشمن اپنے اپنے محاذ پہ ڈٹے ہوئے تھے۔ کوئی بھی ایک دوسرے سے مات کھانے پہ تیار ہی نہیں ہوتا تھا اور ان کی دشمنی میں عارفین خوامخواہ سینڈوچ بنا ہوا تھا۔ وہ اب رابعہ شیرازی کے کسی نئے پلان کے متعلق سوچ کر جھنجھلاتا ہوا گاڑی سے اتر آیا تھا۔

''کیا بات ہے، کہاں گئے تھے دونوں ماں بیٹا؟'' بابا جان نے چھوٹتے ہی استفسار کیا تھا۔

''زونلہ کی میڈیکل رپورٹ آنا تھی، آج وہی لینے گئے تھے لیکن آج ڈاکٹر چھٹی پہ چلی گئی، اسی لئے رپورٹ نہیں مل سکی۔'' عارفین کی بجائے رابعہ شیرازی نے جواب سے نوازا تھا کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ بابا جان کو بھی آج زونلہ کی میڈیکل رپورٹ کا ہی انتظار ہوگا، اسی لئے وہ گاؤں سے شہر آئے تھے اور اس سے پہلے کہ وہ پوچھتے رابعہ شیرازی نے خود ہی بتا دیا تھا تا کہ عارفین کو کچھ بولنے کا موقع نہ ملے اور حقیقتاً عارفین نے ماں کے سفید جھوٹ پہ انہیں ذرا الجھ کر دیکھا تھا کہ آخر یہ بات چھپانے کے پیچھے ان کا مقصد کیا ہے؟

''ڈاکٹر کب آئے گی؟'' بابا جان آئندہ کا پوچھ رہے تھے۔

''جب آئے گی وہ لوگ فون پہ انفارم کر دیں گے، شاید شہر سے باہر گئی ہے۔'' رابعہ شیرازی ساڑھی کا پلو لاپروائی سے جھاڑتے ہوئے اپنے بیڈروم میں جانے کے لئے پلٹی تھیں۔

''اپنی ڈاکٹر صاحبہ سے کہنا، ذرا جلدی آ جائیں ورنہ کہیں دیر نہ ہو جائیں۔'' بابا جان نے لقمہ دیا تھا اور رابعہ شیرازی نے پلٹ کر بابا جان کر دیکھا۔

''میں اپنی بھانجی کا اگر علاج کروانا ہو تو انگلینڈ یا امریکہ سے بھی کروا سکتی ہوں۔ پاکستان کے ڈاکٹرز میرے لئے کوئی معنی نہیں رکھتے لیکن میرا پورا یقین ہے کہ وہ انشاء اللہ جلد ہی ماں بھی بنے گی اور آپ کی قسم بھی ٹوٹے گی۔'' وہ نخوت سے بولیں۔

''میں تو چاہتا ہی یہی ہوں بہو صاحبہ کہ میری قسم ٹوٹے اور زونلہ جلد از جلد مجھے پردادا کے عہدے پر فائزہ کر دے۔'' ابا جان رابعہ شیرازی کی بات سے لطف اندوز ہوئے تھے۔

اتنے میں بابا جان کا موبائل فون بج اٹھا تھا جو اس وقت ٹیبل پہ رکھا تھا۔

''دیکھو بیٹا کس کا فون ہے۔'' انہوں نے عارفین کو اشارہ کیا کیونکہ وہی قریب بیٹھا ہوا تھا۔

''مہر النساء آنٹی کا فون ہے۔'' رابعہ شیرازی نے ٹھٹک کر دیکھا۔ بابا جان نے اسے کال ریسیو کرنے کا کہا اور پھر عارفین مہر النساء سے باتیں کرنے لگا، اس کے بعد فون بابا جان نے لے لیا لیکن رابعہ شیرازی تلملاتی ہوئی وہاں سے نکل گئی تھیں۔

''ہونہہ......مہر النساء آنٹی......جادوگرنی......چال باز عورت......اداؤں کے تیر چلانے والی......زندگی بھر پیچھا نہیں چھوڑے گی میرا۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ کر زونلہ کے پاس آئی تھیں کیونکہ بانجھ پن جیسی ہولناک خبر اسے بھی تو سنانی تھی۔ زونلہ کا بخار پہلے سے قدرے کم تھا، تب ہی وہ اٹھ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ رابعہ شیرازی نے آتے ہی اسے گلے لگا کر پیار کیا تھا اور اپنے آپ کو وہ خبر سنانے کے لئے تیار کرنے لگی تھیں۔

❁......❁......❁

آپریشن کے دوسرے روز جب بہروز بھائی کے لئے نئی دوائیاں لانے کی ضرورت پڑی تو اروی کو خود بخود عارفین شیرازی کی بات یاد آ گئی۔

''یہ بات آپ کو آپریشن کے بعد پتہ چلے گی کہ آپ کو صرف بیس ہزار کی ضرورت ہے یا اور بھی رقم چاہیے؟'' وہ اس کی بات اور دوراندیشی کی قائل ہو گئی تھی۔ باقی بچنے والے بیس ہزار میں سے دس ہزار تو دوسرے روز فوراً ہی دوائیوں پہ خرچ ہو گئے تھے اور اب مزید گزارا دس ہزار میں ہی کرنا تھا۔ حالانکہ ڈاکٹرز بتا رہے تھے کہ بہروز بھائی کا علاج بہت مہنگا پڑے گا ان لوگوں کو لیکن ان کی کنڈیشن ایسی تھی کہ وہ علاج چھوڑ بھی نہیں سکتے تھے اور علاج کروانا بھی بس سے باہر ہو رہا تھا۔

دو تین روز میں ہی ان کی ہمت جواب دے گئی تھی گو کہ بہروز بھائی اس وقت ہوش میں آ چکے تھے اور ان لوگوں سے بات چیت بھی کر رہے تھے لیکن پھر بھی ان لوگوں کی پریشانی کم نہیں ہو رہی تھی کیونکہ ڈاکٹرز کی ہدایت کے مطابق ان کا علاج مزید چھ ماہ تک لگاتار جاری رہنا بے حد ضروری تھا اور ساتھ ہی بیڈ ریسٹ کی بھی اشد ضرورت تھی۔ اگر ان چھ ماہ میں وہ لوگ کوئی بے احتیاطی یا کوئی کوتاہی کرتے تو انہیں مزید کسی اٹیک کا خدشہ ہو سکتا تھا اور ڈاکٹرز کی انہی ہدایات کو لے کر امی اور اروی بے حد پریشان تھیں۔ پریشانی تو یسریٰ، سارہ اور ثمینہ بھابی کو بھی تھی لیکن ان کی پریشانی اس لیول تک نہیں تھی جہاں تک

اروئ اور امی کو ہو رہی تھی کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ اب جمع پونجی کے نام پہ ان کے پاس ایک روپیہ یا ایک چھلا تک نہیں ہے۔ وہ لوگ پہلے جھٹکے میں ہی کنگال ہو چکے ہیں تو آئندہ کیا ہوگا اور اس ''آئندہ'' نے اروئ کو بڑی گہری سوچوں کی تحویل میں دے دیا تھا۔

وہ پورا دن اور پوری رات ''آئندہ'' کے شکنجے میں جکڑی رہی تھی اور پھر فجر کے وقت نماز پڑھنے کے بعد اس نے دعا مانگی اور ساتھ ہی ایک فیصلہ کیا تھا اور اس فیصلے میں رب کی رضا چاہی تھی۔ اگر اس کا رب اس کا ساتھ دیتا تو وہ کچھ بھی کر سکتی تھی اور اسے یقین تھا کہ اس وقت اس کا رب اس کی دعا قریب سے سن رہا ہے اور سننے کے بعد پوری بھی کرے گا۔ وہ نماز اور دعا سے فارغ ہو کر امی کے پاس آگئی تھی، رب کی رضا کے بعد ماں کی رضا لینا بہت ضروری تھا اور ماں کو اپنی عزت و آبرو، اپنی شرم و حیاء، اپنی انا اور آن کا پورا یقین دے کر وہ گھر سے نکلی تھی۔

اس کی ماں نے اس پہ بھروسہ کیا تھا، اور اجازت دے دی تھی۔ وہ گھر سے نکلی تو اپنی آن بان اس کے ساتھ تھی، اسے اپنوں کے پیار اور حوصلہ افزائی پہ بھی بڑا مان تھا، اب وہ جنگ لڑنے کو تیار تھی۔

❁......❁......❁

سات دن...... یعنی پورا ایک ہفتہ ہو چکا تھا اروئ کو جاب کے لئے جگہ جگہ جوتیاں چٹخاتے چٹخاتے لیکن ''نو ویکنسی'' تو جیسے ہاتھ دھو کے پیچھے پڑ گئی تھی، سات روز میں وہ اتنی ذلیل اور خوار ہو چکی تھی کہ اسے ان تمام مردوں کے حوصلے پہ رشک آنے لگا تھا جو مہینوں اور سالوں نوکریاں ڈھونڈتے تھے لیکن ناکامی کی صورت میں بھی ہمت نہیں ہارتے تھے۔ اروئ چونکہ ہمت ہار چکی تھی لیکن حوصلہ اتنا بلند تھا کہ وہ ہر صبح نئے عزم سے نکل پڑتی تھی۔ آج بھی ایسا ہی ہوا تھا، وہ گھر سے نکلی تو سب سے پہلے اس نے آج کا اخبار خریدنے کا سوچا تھا۔ تھوڑی دور پیدل چل کر آئی تو اسے روڈ پہ اخبار بیچنے والا بھی نظر آ گیا تھا۔ اس نے بارہ روپے میں اخبار خریدا اور پھر ''ضرورت ہے'' کے تمام اشتہار دیکھتی فٹ پاتھ پہ آ کھڑی ہوئی تھی۔ کھڑے کھڑے ہی وہ اپنی مطلوبہ نوکری کے لئے نظریں دوڑانے لگی تھی اور پھر ایک جگہ اسے ''پرسنل اسسٹنٹ'' کی ضرورت ہے، کا اشتہار نظر آیا تھا اور پھر اروئ نے فوراً ہی اخبار پہ درج ذیل بلاک نمبر اور بلڈنگ کا ایڈریس نوٹ کر لیا تھا۔

جلدی اور بے دھیانی میں اسے یہ بھی پتہ نہیں چلا تھا کہ وہ اس ایڈریس پہ پہلے بھی ایک بار جا چکی ہے۔ اس نے کلائی پہ بندھی ریسٹ واچ پہ قائم دیکھتے ہوئے جلدی سے ٹیکسی والے کو روکا تھا اور اپنا مطلوبہ ایڈریس اس کے سامنے رکھا۔ ٹیکسی جس بلڈنگ کے سامنے رکی، وہ یہاں پہلے بھی آ چکی تھی، اس نے واپس پلٹنے کا ارادہ کیا تب ہی کچھ سوچ کر اندر داخل ہوگئی۔ اس سے پہلے وہاں سات لڑکیاں موجود تھیں، وہ آٹھویں تھی، وہاں موجود ساتوں نے اس کا تنقیدی جائزہ لیا تھا کیونکہ اس کا حلیہ اس جاب سے قطعی میچ نہیں کر رہا تھا کیونکہ وہاں جتنی بھی موجود تھیں، سب کا فیشن ایک سے بڑھ کر ایک تھا، لباس سے لے کر میک اپ پر انہوں نے پوری پوری توجہ دی تھی۔ حتیٰ کہ ان کے بیگز اور سینڈل بھی میچنگ کے تھے جبکہ اروئ کی ایسی کوئی بھی تیاری نہیں تھی، بس وہ دل میں دعا کرتی ہوئی باقی سب کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ ساڑھے نو بجے انٹرویو شروع ہوا اور تقریباً ساڑھے گیارہ بجے اروئ کی باری آ گئی تھی۔ آج بھی وہ مایوسی اور آس و امید کے درمیان ڈولتی ہوئی اٹھی اور ایم ڈی کے روم کا دروازہ کھول کر اندر گئی تھی، اس امید کے ساتھ کہ اس کا سامنا عارفین سے نہیں ہوگا لیکن اندر آتے ہی اس کے قدم لڑکھڑا گئے تھے۔ اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی تھی، وہ تو پہلے ہی اس

شخص کی مقروض تھی، اب پھر اس کے سامنے جاب کے لئے......

''نہیں نہیں...... میں یہاں جاب نہیں کر سکتی، مجھے واپس چلے جانا چاہیے۔'' وہ اپنے آپ کو واپس پلٹنے پہ آمادہ کر رہی تھی جب عارفین نے دروازے کی سمت دیکھا تھا اور اروئ کو اپنی فائل کے ہمراہ تذبذب کا شکار دیکھ کر چونک گیا۔ وہ شاید آج بھی واپس لوٹ جانے کا فیصلہ کر رہی تھی۔

''آئیے بیٹھیے۔'' عارفین کی آواز پہ وہ چونک اٹھی اور بمشکل اس کی سمت دیکھ پائی تھی۔

''تشریف رکھئے میم......'' اب کی بار ایک سائیڈ پہ بیٹھے مینجر صاحب نے کہا تھا اور مجبوراً اروئ کو واپسی کا ارادہ ترک کرتے ہوئے آگے بڑھنا پڑا تھا۔

''السلام علیکم!'' اس نے بیٹھتے ہوئے بے حد آہستگی سے کہا۔

''وعلیکم السلام!'' عارفین نے کچھ بھی کہے بغیر اس کی فائل کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا اور اس نے ہمت کر کے فائل اس کے سامنے رکھ دی جس میں اروئ کا تعلیمی ریکارڈ محفوظ تھا اور عارفین اس کا یہ ریکارڈ دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔

''آپ جانتی ہیں۔'' آپ اس وقت ایک پی اے کی جاب کے لئے انٹرویو دینے آئی ہیں۔''

''جی سر......'' ایک پی اے پہ کتنی رسپانس ہوتی ہے، اس کا اندازہ ہے آپ کو؟''

''جی سر اندازہ ہے مجھے۔''

''آپ کے خیال میں آپ یہ جاب کر سکتی ہیں؟''

''سر! جب ایک مجبور ایک غریب اپنے گھر سے ''کچھ کرنے'' کا ارادہ لے کر نکلتا ہے تو وہ اپنے ساتھ ہمت، حوصلہ، صبر اور محنت کا عزم لے کر نکلتا ہے، وہ اپنی ول پاور دیکھ کر قدم بڑھاتا ہے، میں بھی اپنی ول پاور دیکھ کر ہی یہاں تک آئی ہوں۔ ہوسکتا ہے یہ جاب میرے بس سے باہر ہو لیکن اس جاب کو اپنے بس میں کرنا میری مجبوری ہے، اگر نہ کروں تو پھر میں ''بے بس'' رہ جاؤں گی۔'' پہلی بار اس نے اتنی پراعتماد بات کی تھی، عارفین کو اچھا لگا تھا اور مینجر صاحب بھی جان گئے کہ وہ لڑکی ذمہ دار اور محنتی ہے، لہٰذا مینجر صاحب سے ذرا سے باہمی مشورے کے بعد عارفین نے اسے جاب کے لئے اپائنٹ کر لیا تھا، باقی سب لڑکیاں ناک بھوں چڑھاتے ہوئے وہاں سے رخصت ہوئی تھیں جبکہ اروئ باہر بیٹھی عارفین کے بلاوے کی منتظر تھی۔ تھوڑی دیر بعد اسے اندر بلایا گیا تھا۔

''مس اروئ حیات! آپ کل صبح نو بجے سے جوائن کر سکتی ہیں، باقی تفصیلات آپ کو مینجر صاحب سمجھا دیں گے، اگر کسی اور گائیڈ لائنس کی ضرورت ہو تو آپ مجھے بتا سکتی ہیں۔'' عارفین بہت نرمی اور تحمل سے سمجھا رہا تھا۔

''سر! کیا میں جان سکتی ہوں کہ یہ جاب مجھے کس چیز کے بل بوتے پر مل رہی ہے؟'' اروئ کے ذہن میں پھانس کی طرح اٹکا سوال نوک زبان پہ آ ہی گیا تھا۔ عارفین نے چونک کر اس عجیب سی لڑکی کو دیکھا تو جو کبھی صرف ایک ملاقات کے بل بوتے پہ اپنے پورے یقین کے ہمراہ اس سے کچھ رقم قرض کے طور پر مانگنے آ گئی تھی اور کبھی وہ اپنی تمام کوالیفکیشن کا ریکارڈ اس کے سامنے رکھ کر بھی جاب ملنے پہ مشکوک اور غیر مطمئن نظر آ رہی تھی۔

''آپ کو اپنی ذہانت پہ کوئی شک ہے؟'' عارفین نے اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''میں اس وجہ سے نہیں پوچھ رہی، مجھے بس آپ کی...... '' اروی جو کہنا چاہتی تھی، وہ کہنا اسے خود ہی مناسب نہیں لگا تھا، تب ہی کچھ کہتے کہتے ہی خاموش ہو گئی تھی۔

''مس اروی حیات! میں اتنا جذباتی انسان نہیں ہوں کہ کسی ہمدردی میں آ کر اپنا اتنا بڑا نقصان کر بیٹھوں، اس جاب کے لئے مجھے آپ میں کچھ مطلوبہ کوالٹیز نظر آئی ہیں تو میں آپ کو اپائنٹ کر رہا ہوں ورنہ میں انکار بھی کر سکتا تھا۔'' اس نے اروی کو بہت واضح الفاظ میں جواب دیا تھا، وہ کچھ ریلیکس ہو گئی تھی لیکن دل کے اندر ابھی بھی ''کچھ'' مطمئن نہیں تھا۔

''اوکے سر! میں چلتی ہوں۔'' وہ اجازت لے کر کھڑی ہو گئی تھی اور عارفین سر جھٹک کر اپنے سامنے رکھی فائلز دیکھنے لگا تھا جو اس کی توجہ مانگ رہی تھیں۔

✿......✿......✿

زونلہ اور رابعہ شیرازی کی راتوں کی نیندیں اڑی ہوئی تھی، وہ زونلہ کے بانجھ پن کو لے کر پریشان تھیں کیونکہ اپنی قسم اپنے عہد اپنے چیلنج کے مطابق اگر بابا جان عارفین کی شادی اپنی پسند سے کر دیتے تو پھر ان کے پاس کچھ نہیں رہ جاتا تھا کیونکہ بابا جان تو شروع سے ہی اپنی بھتیجی مہر النساء کے گن گاتے تھے اور اگر عارفین، مہر النساء کی بیٹی سے شادی کر کے مہر النساء کی طرف مائل ہو جاتا، انہی کے گن گاتا اور انہی کی بیٹی کے بطن سے پیدا ہونے والی اولاد کے بل بوتے پہ وہ صاحب اولاد کہلاتا تو یہ رابعہ شیرازی کے لئے مر جانے کا مقام تھا، وہ کبھی مہر النساء سے شکست کھانے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھیں، چاہے اس کے لئے انہیں کسی بھی حد سے گزرنا پڑتا۔ وہ پوری دنیا سے شکست کھا سکتی تھیں لیکن مہر النساء سے نہیں۔

''میں نے ایک فیصلہ کیا ہے عارفین...... '' عارفین دو روز سے گاؤں گیا ہوا تھا، بی بی جان کی طبیعت خراب تھی، اس لئے بابا جان نے اسے خود بلایا تھا اور وہ ابھی ابھی واپس آیا تھا کہ رابعہ شیرازی نے بلا لیا۔

''کیسا فیصلہ مام؟''

''تم اور زونلہ ایک بچہ اڈاپٹ کرو گے۔'' انہوں نے بہت ہی سکون سے بم پھوڑا تھا۔

''واٹ...... یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟'' عارفین اپنی جگہ پہ ہل کے رہ گیا تھا۔

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ میں نے زونلہ سے بھی بات کی ہے، وہ کہتی ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میں کوئی بھی بچہ گود لے سکتی ہوں۔'' وہ اتنی بڑی بات اتنے سکون اور اتنے تحمل سے کر رہی تھیں کہ عارفین حیران رہ گیا تھا۔

''مگر مجھے اعتراض ہے مام...... میں کسی کا کوئی بھی بچہ اڈاپٹ نہیں کر سکتا، مجھ میں اتنا ظرف نہیں کہ میں ساری زندگی کسی اور کی اولاد، کسی اور کا خون سینے سے لگا کے رکھوں اور اس کی کیئر کروں۔ آپ بھول جائیں کہ میں ایسا کوئی قدم اٹھاؤں گا۔'' وہ سختی سے انکار کر کے اوپر جانے کے پلٹ گیا تھا۔

''عارفین......میری بات سنو......'' رابعہ شیرازی بلند آواز سے بولی تھیں، اس کے قدم رک گئے تھے۔

''اگر تم لوگ بچہ اڈاپٹ نہیں کرو گے تو زونلہ کا کیا بنے گا؟'' کیا بابا جان کے کہنے پہ دوسری شادی کرنا چاہتے ہو؟'' وہ عارفین کی رائے جاننا چاہتی تھیں۔

''آپ زونلہ سے کہیں کہ وہ اپنا میڈیکل ٹریٹ منٹ کروائے اور رہی بات دوسری شادی کی تو وہ میں نے ابھی نہیں سوچا۔ اگر بابا جان میری شادی یا میری اولاد سے خوش ہوتے ہیں تو میں یہ بھی کرلوں گا۔'' وہ رابعہ شیرازی کو حیران پریشان چھوڑ کر اوپر چلا گیا تھا۔

''گویا عارفین ابھی سے میرے ہاتھوں سے نکلنا شروع ہو گیا ہے، وہ ان کے گن گانے لگا ہے۔ تو کیا وہ مہر النساء کی بیٹی کو بیاہ کے لے آئے گا؟ اس مہر النساء کی بیٹی جس کے فراق میں مجھے میرے ہی شوہر نے چھوڑ دیا؟ اس نے اس عورت کے لئے مجھ سے منہ پھیر لیا؟ مجھے نظرانداز کر کے چلا گیا؟ مجھے غیر اہم کر گیا، مجھے دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا اس شخص نے؟ صرف......صرف اس عورت، اس مہر النساء کی خاطر اس کے عشق اور فراق میں ڈوب کر اس نے میری ذات بے وقعت کر ڈالی اور اب۔ اب اس کی بیٹی اس گھر میں آئے گی میرے بیٹے کی دلہن بن کے؟ ہرگز نہیں......ایسا کبھی نہیں ہوگا......رابعہ شیرازی مر جائے گی لیکن ایسا نہیں ہونے دے گی، چاہے مجھے خود عارفین کی دوسری شادی کسی اور سے کرنا پڑ جائے لیکن مہر النساء کی بیٹی......کبھی نہیں۔'' رابعہ شیرازی اپنی سوچوں میں پھنکارتی ہوئیں اٹھ گئی تھیں، ان کا ذہن اب نئے پلان ترتیب دے رہا تھا۔ اب وہ عارفین کی خفیہ شادی کے بارے میں سوچ رہی تھی جس کا بابا جان کو بھی علم نہ ہوتا اور بچہ بھی ہو جاتا۔ ایک ایسا بچہ جو پوری دنیا کے سامنے عارفین اور زونلہ کا بچہ کہلاتا۔ اس بچے کی ماں چاہے کوئی بھی ہوتی لیکن باپ عارفین ہی ہوتا اور اس پلان کے لئے انہیں اب صبر کی ضرورت تھی اور عارفین کو اپنی مٹھی میں لینے کی۔

❁......❁......❁

ڈاکٹرز نے آپریشن کے دو ہفتے بعد بہروز بھائی کو ڈسچارج کر کے گھر بھیج دیا تھا لیکن یہ تاکید سختی سے کی تھی کہ انہیں مکمل آرام اور بیڈ ریسٹ کی اشد ضرورت ہے، اور علاج کے دوران ذرا سی بھی بے احتیاطی یا پھر بد پرہیزی ان کی جان خطرے میں ڈال سکتی ہے لہٰذا وہ لوگ ان کا پورا پورا خیال رکھیں گے اور حد سے زیادہ احتیاط سے کام لیں، اور ایسے میں اروی نے ڈاکٹرز کو پورا یقین دلا دیا تھا کہ وہ بہروز بھائی کا بھرپور طریقے سے خیال رکھیں اور پراپر علاج کروائیں گے۔ اروی کی ہمت حوصلہ اور یقین دیکھ کر ایک پل کے لئے تو امی کو بھی اپنی اتنی بہادر اور باہمت بیٹی پہ رشک آیا تھا اور خود پہ فخر محسوس ہوا تھا کہ وہ اس کی ماں ہیں۔ جس روز وہ ڈسچارج ہو کر گھر آئے وہ لوگ بہت خوش تھے۔

''مبارک ہو بھئی آج بھائی صاحب گھر آ گئے ہیں۔'' جرار باقاعدہ انہیں مبارکباد دینے گھر آیا تھا۔

''خیر مبارک بیٹا اللہ تمہیں بھی زندگی دے، آؤ بیٹھو......'' امی آج بہت خوش تھیں اور ان کی خوشی ان کے لہجے ان کی آواز سے ہی جھلک رہی تھی۔

''میں ذرا بھائی صاحب کے پاس بیٹھتا ہوں۔'' وہ امی کے برابر کرسی چھوڑ کر بہروز بھائی کے قریب آ بیٹھا تھا۔

''سلام بھائی صاحب کیسی طبیعت ہے اب؟ کیسا فیل کر رہے ہیں؟'' وہ بیٹھتے ہی شروع ہو چکا تھا۔

''اللہ کا شکر ہے، ابھی تک تو بہتر ہوں۔'' بہروز بھائی کے لہجے میں غیر محسوس سی اداسی تھی ان کے چہرے پہ فکر کے سائے تھے، جب تک وہ ہسپتال میں رہے ان کا ذہن جاگا سویا سا رہا تھا اور ان کی سوچیں بھی منتشر اور بے ربط سی رہی تھیں لیکن گھر آ کر جیسے سب کچھ ٹھہر گیا سوچیں، خیالات اور فکریں ایک ہی مرکز پہ رک گئی تھیں کہ بستر پہ پڑے ہیں اور ان کی ماں بہنیں فکروں میں گھری ہوئی ہیں۔ یہ گھر جو پہلے صرف اور صرف ان کے بل بوتے پہ چل رہا تھا اب......اب اس گھر کا نظام کیسے چلے گا؟ کون سنبھالے گا پورے گھر کو؟ کیا بنے گا ان کے بیوی بچوں اور ماں، بہنوں کا؟ جبکہ دوسرا کوئی آسرا نہیں، سہارا بھی نہیں تھا۔

''سنا ہے اروی نے جاب کر لی ہے اور کافی پرکشش سیلری مل رہی ہے اسے؟'' جرار کی بات پہ بہروز بھائی نے بری طرح چونک کر جرار کو دیکھا تھا اور چائے کی ٹرے لے کر آتی اروی کے قدم کمرے کی چوکھٹ میں ہی ٹھٹک کر رک گئے تھے اس نے غصے سے جرار کو دیکھا جو نہ جانے کہاں سے الٹی سیدھی ہانکنے آ جاتا تھا اور بات کرتے ہوئے کوئی موقع محل بھی نہیں دیکھتا تھا۔

''اروی نے جاب کر لی ہے؟'' بہروز بھائی پوچھ نہیں رہے تھے صرف دہرا رہے تھے۔ لیکن ان کی آواز جیسے کہیں دور سے آ رہی تھی ان کا لہجہ ڈوب سا گیا تھا۔

''بھائی آپ کے لئے یہ سوپ اور جرار صاحب آپ کے لئے یہ چائے......'' اروی نے اپنے آپ کو کمپوز کرتے ہوئے آگے بڑھ کے درمیانی میز پہ ٹرے رکھی اور کافی بشاشت سے بولی تھی۔

''اروی تم جاب......؟'' بہروز بھائی نہ جانے کیوں کچھ بول نہیں پائے تھے۔

''جی بھائی مجھے تقریباً ایک ہفتہ ہونے والا ہے، میں نے جاب کر لی ہے آپ کو اس لئے نہیں بتایا تھا کہ آپ کی طبیعت بھی اتنی ٹھیک نہیں تھی۔ سوچا آپ گھر آ جائیں گے تو بتا دوں گی، امی نے بھی منع کیا تھا بتانے سے۔'' اروی نے بات کرتے ہوئے اپنے لہجے کو بہت ہی نارمل رکھا تھا تاکہ وہ کوئی ٹینشن نہ لیں۔

''لیکن بیٹا......''

''پلیز بھائی آپ مجھے بیٹا کہتے ہیں تو مجھے اپنا بیٹا ہی سمجھیں۔ میں آپ کی بہن نہیں آپ کا بھائی، آپ کا بیٹا ہوں۔'' اروی قریب بیٹھے جرار کو یکسر نظر انداز کئے اپنے بھائی کا ہاتھ تھامے انہیں تسلی دے رہی تھی۔

''لیکن بیٹا تم ابھی بہت کم عمر ہو، تمہیں کیا پتہ دنیا کیسی ہے؟'' وہ کمزور سے لہجے میں بولے تھے۔

''بھائی میں دنیا کو دیکھوں گی تو مجھے پتہ چلے گا نا کہ دنیا کیسی ہے؟ دنیا کو جاننے اور سمجھنے کے لئے دنیا کا سامنا کرنا، دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنا بے حد ضروری ہوتا ہے۔ میں بھی دنیا کو دیکھنے نکل چکی ہوں بس آپ میرے لئے دعا کیجئے۔ ویسے بھی میں نے کونسا عمر بھر کے لئے جاب کرنی ہے۔ آپ ٹھیک ہو جائیں گے تو میں فوراً جاب چھوڑ دوں گی۔'' وہ کہتے کہتے آخر میں

ہلکے سے مسکرائی تو وہ جواباً چپ ہو گئے اور اروی کو اشارہ کر کے اپنے کندھے سے لگا لیا تھا وہ کچھ مطمئن سے ہو گئے تھے جرار اٹھ کر خاموشی سے باہر آ گیا تھا۔
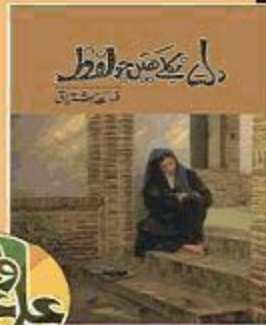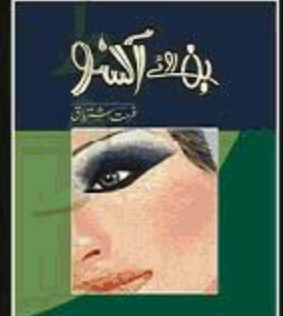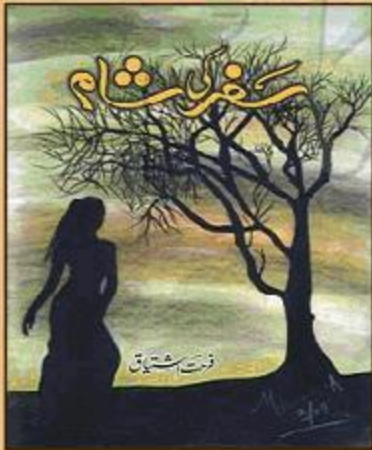
بی بی جان کی طبیعت اتنے دنوں سے سنبھل نہیں پا رہی تھی اس لئے بابا جان انہیں شہر لے آئے تھے اور عارفین جی جان سے ان کی دیکھ بھال میں لگا ہوا تھا۔ بابا جان پوتے کی اتنی فکر مندی اتنی محبت اور توجہ دیکھ کر بہت خوش تھے کہ کم از کم ان کے پوتے کو تو اپنے دادی، دادا کی فکر ہے نا۔

''بابا جان آج چار بجے کا ٹائم لیا ہے ڈاکٹر سے، بی بی جان کے چیک اپ کے لئے، کل جو شوگر کے ٹیسٹ کروائے تھے آج ان کی بھی رپورٹ مل جائے گی۔'' وہ صبح آفس جانے کے لئے تیار ہو کر نیچے آیا تو پہلا سامنا بابا جان سے ہی ہوا تھا۔

''جیتے رہو بیٹا اللہ تمہیں خوش رکھے۔'' بابا جان عارفین کو سرتاپا دیکھ کر بولے تھے لیکن لہجہ کچھ بھیگ سا گیا تھا وہ شاید عارفین کے قد کاٹھ میں اور نین نقوش میں اس وقت اپنے بیٹے کی جھلک تلاش کر رہے تھے، اور پوتے میں بیٹے کی شبیہ پا کر ان کی پلکوں کے کنارے ہی نہیں آواز بھی بھیگ گئی تھی۔ بابا جان اور بی بی کو آج تک بیٹے کی جدائی پہ صبر نہیں آیا تھا شاید اس لئے کہ ان کا بیٹا زندہ سلامت ان سے جدا ہوا تھا اگر ان کا بیٹا مر گیا ہوتا تو شاید اسے مردہ سمجھ کر ہی انہیں صبر آ جاتا......اور یہ روایت تو ازل سے چلی آ رہی ہے کہ انسان صرف موت پہ صبر کرتا ہے۔ زندگی پہ نہیں۔

''بابا جان کیا دیکھ رہے ہیں۔'' عارفین واپس پلٹنے لگا تھا مگر ان کی محویت دیکھ کر ٹھہر گیا تھا۔

''کچھ نہیں بیٹا تم آفس جاؤ۔'' وہ اپنے دل کے کمزور جذبات کو سنبھالتے ہوئے سنبھل گئے تھے۔

''او کے اللہ حافظ۔'' وہ کہہ کر پلٹ گیا لیکن ذہن بابا جان کی بھیگی آنکھوں کے احساس میں اٹکا ہوا تھا ڈرائیونگ کے دوران بھی وہ بابا جان کے دکھ کو خود پہ طاری کئے ان کی کیفیت اور جذبات کے متعلق سوچتا ہوا کافی سنجیدہ لگ رہا تھا کہ اچانک وہ بری طرح چونک گیا اور فوراً ہی گاڑی سنبھالتے ہوئے بریک لگائے تھے کوئی لڑکی اچانک سامنے آ گئی۔ عارفین نے غصے سے تلملا کر اس لڑکی کو دیکھا جو اتنی عجلت کا مظاہرہ کرتی اتنا خطرناک رسک لے رہی تھی۔

''میڈم آپ پاگل تو نہیں ہیں؟'' وہ یکدم دروازہ کھول کر باہر نکل آیا تھا اور اس کی آواز پہ اپنا بیگ سنبھالتی اروی بھی چونک گئی تھی۔

''سر آپ؟'' اس نے حیرانی سے دیکھا جبکہ عارفین بھی اپنی جگہ پہ اسی طرح حیران کھڑا تھا۔

''مس اروی مجھے لگتا ہے آپ ایک روز مجھے جیل بھیج کر ہی دم لیں گی۔'' عارفین نے ایکسیڈنٹ کی سمت اشارہ کیا تھا اور اروی سچ مچ اپنی غلطی پہ شرمندہ ہو گئی تھی۔

''سوری سر! میں ان فیکٹ آفس جانے کی جلدی میں تھی۔''

''اوہ تو پھر آیئے آپ کو آفس چھوڑ دوں آپ لیٹ ہو رہی ہیں۔'' اس نے آفر کی تھی۔

''تھینکس سر میں چلی جاؤں گی۔'' اس نے فوراً انکار کر دیا تھا۔

''آپ میرے ساتھ نہیں جائیں گی تو مزید لیٹ ہو جائیں گی کیونکہ میں آپ سے پہلے پہنچ جاؤں گا جبکہ آپ کا مجھ سے پہلے آفس پہنچنا زیادہ ضروری ہے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ آپ میرے ساتھ چلیں کیونکہ اکٹھے جانے سے کوئی بھی لیٹ نہیں ہوگا۔'' عارفین کی دلچسپ وضاحت اور آفر پہ اروی کو ذرا دیر کے لئے سوچنا پڑا تھا، اور اس کو سوچ میں دیکھ کر عارفین نے آگے بڑھ کے فرنٹ ڈور کھول دیا تھا۔

❁......❁......❁

''دیکھئے حمید صاحب! جب تک میرا کراچی والا پروجیکٹ مکمل نہیں ہو جاتا، میں مری والے پروجیکٹ پہ ہرگز کام نہیں کروں گا، میں جو بھی کام کرتا ہوں پوری ایمانداری اور محنت سے کرتا ہوں، میں صرف پیسہ کمانے کے چکر میں نہیں ہوں، میرا ایک نام ہے، ایک معیار ہے اور اپنے معیار کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ میں کام پہ خود دھیان دوں اور مری والے پروجیکٹ پہ کام کرنا ایک بہت ہی حساس پروجیکٹ پہ کام کرنے کے مترادف ہے۔ انشاء اللہ جتنا ٹائم میں نے آپ کو دیا ہے اس ٹائم پہ آپ کو اپنا پلازہ تیار ملے گا اور ویسے بھی مری میں میرا ایک اور پروجیکٹ بھی شروع ہونے والا ہے۔'' عارفین اپنے کلائنٹ سے کافی تفصیلی بات کر رہا تھا اور اس کے قریب رکھی چیئر پہ بیٹھی اروی اس گفتگو کو بے حد غور سے سن رہی تھی۔

''لیکن شیرازی صاحب کچھ اندازہ تو ہو کہ آپ کام کب شروع کر رہے ہیں؟'' حمید صاحب کچھ عجلت دکھا رہے تھے۔

''حمید صاحب میں تمام ضروری میٹریل کی بکنگ کروا چکا ہوں، ایک دو چیزیں اور ارینج کرنا باقی ہے، لیکن انشاء اللہ ایک ماہ تک مجھے پوری امید ہے کہ کام شروع ہو جائے گا۔'' اس نے انہیں پوری تسلی دی تھی، اور پھر مزید معاملات طے کرنے کے بعد وہ اٹھ کر چلے گئے تھے۔

''مس اروی میں بہت دنوں سے آپ کو انفارم کرنا چاہ رہا تھا کہ مجھے چند دن تک مری جانا پڑے گا اور وہاں کچھ ہفتے کا قیام بھی ہو گا۔ تو پھر آپ کیا کریں گی؟ آپ کے گھر والے آپ کو شہر سے باہر جانے کی اجازت دے دیں گے؟'' عارفین نے اپنی چیئر گھماتے ہوئے اچانک اروی کی سمت رخ کیا تھا اور وہ اس کے سوال پہ ایک دم سے پریشان ہو گئی تھی۔

''لیکن سر میں کیسے آپ کے ساتھ؟''

''مس اروی حیات آپ میری پی اے ہیں اور آپ کا میرے ساتھ ہونا اس جاب کا حصہ ہے، اور اسی اونچ نیچ کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے انٹرویو کے دوران آپ سے سوال بھی کیا تھا، اور آپ کا کہنا تھا کہ آپ یہ ذمہ داری نبھا سکتی ہیں۔ لہٰذا آپ کا کوئی بھی جواز سامنے رکھنا بے کار ہے۔'' عارفین نے اپنی طرف سے بات ہی ختم کر ڈالی تھی اور وہ مزید مشکل اور پریشانی میں گھر گئی تھی۔

''سر آپ جانتے تو ہیں کہ میرے گھر میں...... '' اس سے پہلے کہ اروی بات مکمل کرتی اچانک پورے استحقاق سے دروازہ کھول کر رابعہ شیرازی دندناتی ہوئی اندر آ گئی تھیں۔

''مام آپ یہاں۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''گھر میں تمہارے بابا جان اور بی جان نے جو قبضہ کر رکھا ہے اس لئے تم سے بات کرنے کے لئے تو آفس ہی آنا پڑے گا۔'' رابعہ شیرازی کے ناگوار لب ولہجے پہ عارفین ٹھٹکا گیا تھا۔ اس نے فوراً اروی کو دیکھا، وہ کافی الجھی ہوئی اور حیران نظر آ رہی تھی۔

''مام پلیز کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ یہ آفس ہے، میرا کچھ تو خیال کریں۔'' وہ خفگی سے بولا تھا۔

''تمہارے بابا جان کچھ خیال کر رہے ہیں کیا؟ انہوں نے اچھی بھلی زندگی اجیرن کر کے رکھ دی ہے۔ آخر ایسی کونسی قیامت ٹوٹ پڑے گی اگر زوئلہ اور تمہارا بچہ نہیں ہو گا تو؟'' وہ تو جیسے پھٹ پڑی تھیں اور اروی ان کی گفتگو پہ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

''او کے سر میں چلتی ہوں، بعد میں آ جاؤں گی۔'' وہ فوراً اجازت طلب کرتی ہوئی پلٹ گئی تھی اور عارفین اپنا سر تھام کے رہ گیا تھا، اب یہ نوبت آ گئی

تھی کہ گھر کے مسئلے آفس تک آ گئے تھے۔

''مام یہ مسئلہ ہم آرام سے بیٹھ کر بھی سلجھا سکتے ہیں۔'' عارفین کو سچ مچ اروی کے سامنے اپنی ماں کے لب ولہجے اور گفتگو پہ سبکی محسوس ہوئی تھی۔

''یہ مسئلہ صرف ہم سلجھانا چاہتے ہیں، لیکن تمہارے بابا نہیں، وہ چاہتے ہیں کہ انہیں زوملہ میں کوئی نقص نظر آئے اور وہ اپنی چہیتی مہرالنساء بیگم کی بیٹی کو بیاہ کر لے آئیں۔ میں ان کے سارے پلان کو سمجھتی ہوں، آج کل اسی لئے وہ گاؤں چھوڑ کر شہر رہنے کے لئے آئے ہوئے ہیں، تاکہ تم پہ نظر رکھیں اور تمہیں ورغلا سکیں۔'' رابعہ شیرازی چنگاریاں چھوڑ رہی تھیں۔

''مام پلیز ایسی کوئی بات نہیں ہے، جیسا آپ سمجھ رہی ہیں، مہرالنساء آنٹی کی بیٹی......''

''شٹ اپ میرے سامنے اس کمینی، منحوس، جادوگرنی کو کبھی بھی آنٹی مت کہنا'' عارفین ان کے ہذیانی انداز پہ حیرت زدہ انہیں دیکھتا رہ گیا تھا۔

''اور ہاں اتنا یاد رکھنا تم اگر دوسری شادی کرو گے تو میری پسند سے، ورنہ دوسری صورت میں تم میرا مرا ہوا منہ دیکھو گے۔ میں کسی بھی لڑکی کو تمہاری دوسری بیوی اور زوملہ کی سوتن کے روپ میں دیکھ سکتی ہوں، مگر مہرالنساء کی بیٹی کو نہیں۔ کسی قیمت پر بھی نہیں۔'' وہ کرسی دھکیل کر کھڑی ہو گئی تھیں اور عارفین کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ آندھی طوفان کی طرح کمرے سے بھی نکل گئی تھیں۔

''اف خدایا...... ان دو لوگوں کی جنگ اور ضد میں میرا وجود کہاں ہے؟ میرے جذبات، میرے احساسات کہاں ہیں؟ یہ لوگ میری ذات کو کیوں چکی میں پیس رہے ہیں؟'' وہ بالوں میں ہاتھ پھنسا کر بری طرح الجھ گیا تھا۔ اس کا ذہن ماؤف ہونے لگا تھا، وہ نہ جانے کیوں آفس سے اٹھ کر باہر نکل آیا تھا۔

''سنئے سر وہ مسز ہمدانی آپ سے ملنے......'' اروی پیچھے سے پکارتی رہ گئی، لیکن وہ کچھ بھی سنے بغیر سیڑھیاں اتر گیا تھا۔ اس وقت اسے سب کچھ برا لگ رہا تھا بہت برا۔

❂......❂......❂

رات کا نہ جانے کونسا پہر تھا جب ان کے کمرے کا دروازہ دھڑ دھڑایا گیا۔

''اروی، سارہ جلدی آؤ، تمہارے بھائی کی طبیعت بہت خراب ہے۔'' بھابی کی گھبرائی بوکھلائی سی آواز ان کے اعصاب پہ ہتھوڑے کی مانند بری تھی اور وہ تینوں ماں، بیٹیاں یک دم ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی تھیں، اور پھر رات کے دو بجے ان کے گھر میں بھگدڑ سی مچ گئی تھی۔ فوراً ایمبولینس کو کال کی گئی اور وہ روتے دھوتے انہیں لے کر بمشکل ہسپتال پہنچی تھیں۔ بہروز بھائی دل کا دورہ پڑتے ہی بے ہوش گئے تھے، لیکن ان کو دیکھ کر ہی ان کی اذیت ناک حالت کا اندازہ ہو رہا تھا۔ ڈاکٹرز انہیں فوری آئی سی یو میں لے گئے تھے اور کچھ ہی دیر میں ان کی مزید ٹریٹ منٹ شروع ہو گئی اور پھر صبح کے قریب ڈاکٹرز نے انہیں روح فرسا خبر سنائی تھی۔ جس کو سن کر وہ سبھی ساکت ہو گئی تھیں۔

''بائی پاس؟'' امی زیر لب دہرا کر بولی تھیں اور اگلے ہی لمحے وہ خود بھی زمین بوس ہو گئی تھیں۔

❂......❂......❂

دو، تین روز سے بی بی جان کی طبیعت کافی بہتر تھی۔ اس لئے وہ واپس گاؤں جانے پہ اصرار کر رہی تھیں اور آج ان کی ضد پہ بابا جان انہیں لے کر واپس جا رہے تھے، لیکن جانے سے پہلے وہ عارفین سے حتمی بات کرنا چاہتے تھے، جبکہ رابعہ شیرازی بھی تاک میں بیٹھی تھیں کہ وہ لوگ ابھی تک گئے کیوں نہیں؟ تھوڑی دیر بعد عارفین تیار ہو کر نیچے آیا تو بابا جان فوراً ہی متوجہ ہوئے تھے۔

''لگتا ہے آج کافی گہری نیند سوئے تھے جبھی آفس سے بھی لیٹ ہو گئے ہو؟'' انہوں نے اخبار رول کرتے ہوئے پوچھا۔

''میں آج سویا ہی نہیں تھا، اس لئے لیٹ ہو گیا ہوں۔'' اس کا لہجہ بے حد سنجیدہ اور گھمبیر تھا۔

''کیوں خیریت؟ کیوں نہیں سوئے تھے؟'' بابا جان متفکر سے ہوئے تھے۔

''بس ایسے ہی...... کچھ سوچتے ہوئے رات گزر گئی۔'' وہ چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے آہستگی سے بولا تھا۔

''ہوں...... اچھی بات ہے، کبھی کبھی سوچ سے بھی کام لے لینا چاہیے، ہم بھی کچھ سوچ رہے تھے، اسی لئے تمہارے اٹھنے کا انتظار کر رہے تھے۔'' بابا جان عارفین کا سنجیدہ موڈ دیکھ کر مطمئن تھے کہ بات حتمی اور اچھے طریقے سے ہو جائے گی۔

''میرا انتظار؟'' اس نے کپ ٹیبل پہ رکھ دیا تھا اور انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''ہاں ہم جاننا چاہتے ہیں کہ تم نے ہماری قسم، ہمارے فیصلے کے بارے میں کیا سوچا ہے؟ کیا ارادہ ہے اب؟'' بابا جان کی بات پہ عارفین کا دماغ گھوم کے رہ گیا تھا۔ اس کی زندگی، اس کا آرام و سکون بس اس سوال کی نذر ہو کے رہ گیا تھا۔ کتنے ہی لمحے وہ خاموش بیٹھا اپنے اندر کے ابال کو کنٹرول کرنے میں لگا رہا تھا۔

''تم چپ کیوں ہو گئے عارفین؟'' انہوں نے اسے بولنے پہ اکسایا تھا۔

''بابا جان کیا آپ اپنی اس قسم، اس ضد کا دامن چھوڑ نہیں سکتے؟'' اس کا لہجہ بہت دھیما مگر تھکن زدہ تھا۔ وہ اپنی ماں اور دادا جان کی سالوں پرانی جنگ کے ہاتھوں بری طرح تھک چکا تھا۔ ان لوگوں نے ہمیشہ صرف اپنے لئے سوچا تھا، کبھی عارفین کی ذات کی پرواہی نہیں کی تھی اور وہ ان لوگوں کو اپنی ذات کا مان دیتے ہوئے ان کی ہر اچھی، بری بات بھی مانتا چلا جاتا تھا، لیکن وہ پھر بھی اس کا احساس نہیں کرتے تھے۔

''کیا تم ہمیں بے نام و نشان کرنا چاہتے ہو؟ کیا تمہارے دل میں بھی اب اپنے باپ جیسی سرکشی سر ابھارنے لگی ہے؟ یا پھر صاف صاف کہو کہ تم باپ نہیں بن سکتے؟ تمہارے ساتھ کوئی مسئلہ ہے، کوئی پرابلم ہے تمہیں، تم ہماری خواہش پوری کرنے سے اور اپنی نسل آگے بڑھانے سے قاصر ہو؟'' بابا جان آج پہلی بار عارفین پہ اس قدر مشتعل اور غصہ ہوئے تھے اور اتنی شدت سے ہوئے کہ وہ عارفین کی مردانگی کو بھی ٹھیس پہنچانے سے باز نہیں آئے تھے، وہ ان کے طعنے کی چوٹ سے بلبلا کے رہ گیا تھا۔

''پلیز بابا جان یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' عارفین کی مردانگی پر...... بہت کاری ضرب لگی تھی۔

''ٹھیک کہہ رہے ہیں ہم...... تم ہماری خواہش پوری کرنے سے کترا کیوں رہے ہو؟ مرد ہو تو دوسری شادی کرو اور ہمیں اولاد دو، ہم ترسے بیٹھے ہیں، ہمیں زندہ رہنے کے لئے کسی خوشی، کسی سہارے کی ضرورت ہے، ہم اپنی نسل کو ختم ہوتے نہیں دیکھ سکتے، تمہیں کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنا ہی ہو

گا۔ اگر دوسری شادی نہیں کرنا چاہتے تو ٹھیک ہے نہ کرو، مگر پھر اپنی بیوی سے کہو کہ وہ تمہارے بچے کی ماں بنے، ہمیں وارث دے، اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ، علاج کرواؤ، چاہے انگلینڈ لے جاؤ اور اس کے لئے سارا خرچہ ہم افورڈ کریں گے۔'' بابا جان اس بار کوئی بھی چھوٹ دینے کو تیار نہیں تھے اور دوسری طرف رابعہ شیرازی بھی جیسے سر، دھڑ کی بازی لگائے بیٹھی تھیں، عارفین ان لوگوں کے درمیان محض ایک فٹ بال بن کے رہ گیا تھا۔ اس کے اعصاب اتنے شل ہو رہے تھے کہ وہ چپ چاپ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا، آج پہلی بار وہ جاتے ہوئے بی بی جان سے بھی نہیں ملا تھا اور بغیر سوچے سمجھے ہی اسلام آباد کے لئے روانہ ہو گیا۔

❁......❁......❁

''منیجر صاحب آپ کا عارفین سر سے رابطہ ہوا کوئی؟'' اروئی نے بہت بے چینی سے پوچھا تھا۔ اسے آج تیسرا دن تھا، وہ مسلسل عارفین شیرازی کے سیل فون پہ رابطہ کر رہی تھی۔ مگر اس کا سیل مسلسل ہی آف جا رہا تھا۔ اس نے عارفین کے گھر بھی کال کی تھی۔ وہاں سے بس یہ پتہ چلا تھا کہ وہ شاید اسلام آباد گئے ہیں۔ اب اسلام آباد میں وہ کہاں ہیں؟ کیوں گئے ہیں؟ موبائل کیوں آف ہے؟ یہ کسی کو بھی پتہ نہیں تھا۔ وہ اروئی جس کے پاس ان کے پل پل کی خبر اور آنے جانے کی پوری لسٹ ہوتی تھی آج وہ بھی بے خبر تھی اور ان کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی تھی۔ اسے یقیناً عارفین کی غیر موجودگی سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا، لیکن اس کا بھائی ہسپتال کے آئی سی یو میں موت اور زندگی کی جنگ لڑ رہا تھا اور اس جنگ میں زندگی کی فتح کے لئے روپے کی سخت ضرورت تھی اور روپے کی خاطر جھولی پھیلانے کے لئے عارفین شیرازی کی موجودگی بھی بے حد ضروری تھی۔ اپنے بھائی کی زندگی کے لئے اللہ کے بعد اسے صرف عارفین پہ امید تھی، لیکن وہ تھا کہ مل کے نہیں دے رہا تھا۔ نہ جانے کہاں بزی ہو گیا تھا۔ حالانکہ اروئی نے منیجر صاحب سے کچھ رقم آفس کی طرف سے ایڈوانس لینے کی بھی بات کی تھی۔ مگر منیجر صاحب اپنے باس کی اجازت اور موجودگی کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔

''منیجر صاحب آپ چپ کیوں ہو گئے ہیں؟ پلیز بتائیے نا۔ سر سے رابطہ ہوا آپ کا؟ وہ کہاں ہیں؟'' اروئی کا لہجہ تین دن کی مسلسل خواری اور بھائی کی تکلیف اور اذیت کا سوچ کر روہانسا ہو گیا تھا، جبکہ اس کی پریشانی اور شکل دیکھ کر منیجر صاحب اپنی جگہ پہ بہت شرمندہ اور چپ سے ہو گئے تھے۔

''سوری میم آج بھی ان سے کوئی رابطہ نہیں ہوا، ہو سکتا ہے وہ کسی گھریلو کام یا مسئلے کی وجہ سے کہیں کام سے گئے ہوں، ایسے میں ان کی وائف یا پھر مدر کو ہی پتہ ہو سکتا ہے کہ وہ کہاں ہیں؟'' منیجر صاحب بات کرتے ہوئے بہت شرمندہ ہو رہے تھے۔ انہیں اروئی کی پریشانی کا بخوبی اندازہ تھا، لیکن وہ خود سے کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ سوائے چند ہزار کی مدد کے۔

''تو کیا میں ان کے گھر جا کے ان کا پتہ کر سکتی ہوں؟'' اروئی کے بھیگے لہجے میں بے تابی تھی۔

''ہاں کیوں نہیں۔ پتہ کرنے میں کیا حرج ہے؟'' منیجر صاحب نے ہاں میں ہاں ملائی تھی اور وہ اپنے گرتے ہوئے حوصلوں کو پھر سے کھڑا کرتی تیزی سے مڑ گئی تھی، عارفین کے گھر جانے کے لئے۔

❁......❁......❁

''مام یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟'' زوئلہ، رابعہ شیرازی کی بات سن کر حیران رہ گئی تھی۔

''ایسا ہو سکتا ہے اور...... ایسا ضرور ہوگا، تم دیکھنا میں سب کی خواہش، سب کی ڈیمانڈ پوری کروں گی، بابا جان کو ان کا ''وارث'' مل جائے گا، عارفین کو 'اپنی اولاد' پالنے کا موقع ملے گا اور تم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سوتن کے خطرے سے نکل آؤ گی اور عارفین کی بیوی بن کے اس گھر پہ راج کرو گی اور رہی مہر النساء تو وہ...... ایک بار پھر زندگی میں ناکام بیٹھی اپنے زخم چاٹتی رہ جائے گی، اور ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر کامیابی میرے سامنے گھٹنے ٹیک دے گی۔ پھر میں دیکھوں گی کہ بابا جان تمہیں ناگوار نظروں سے کیسے دیکھتے ہیں؟ دیکھنا زوئلہ یہ بچہ تمہیں تخت پہ بٹھا دے گا۔ بی بی جان اور بابا جان تمہارے آگے پیچھے پھیریں گے۔ تم اس بچے کی ماں ہی نہیں بلکہ ملکہ کہلاؤ گی۔'' رابعہ شیرازی کا پلان بہت طویل اور بہت سنگین تھا۔ زوئلہ ڈانواں ڈول تھی۔ مگر رابعہ شیرازی اپنے فیصلے، اپنے آئیڈیے پہ قائم تھیں۔

''لیکن مام کیا کوئی لڑکی اس کام کے لئے رضامند ہو جائے گی؟''

''میری جان پیسہ ہر ایک کو رضامند کر لیتا ہے۔ میری ایک دوست کا دارالامان ہے۔ وہاں بہت سی لڑکیاں ہیں، ضرورت مند بھی ہیں اور کچھ رنگین مزاج بھی ہیں، بس کسی ایک کو قابو میں کر کے اپنا کام اور اس کا کام کروالیں گے۔'' رابعہ شیرازی بالکل تیار اور مطمئن بیٹھی تھیں۔

''اور عارفین؟'' زوئلہ ہر پوائنٹ ڈھونڈ کے لا رہی تھی۔

''اس کی رضامندی تم مجھ پہ چھوڑ دو۔''

''السلام وعلیکم میڈم، کیا میں اندر آ سکتی ہوں؟'' اچانک ڈرائنگ روم کے داخلی دروازے سے آواز ابھری تھی۔ ان دونوں نے حیرت سے مڑ کر دیکھا تھا۔

''میڈم میں عارفین سر کی پی اے ہوں۔'' اروی ان کی سوالیہ نظریں دیکھ کر فوراً بولی تھی۔

''ہوں! آؤ، آؤ اندر آ جاؤ۔'' رابعہ شیرازی چونک سی گئی تھیں۔ انہوں نے اس لڑکی کو عارفین کے آفس میں بھی دیکھا تھا، اور شاید اس کے ساتھ کہیں اور بھی دیکھا تھا۔ اروی اندر تو آ گئی تھی۔ مگر اب سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ سامنے شاہانہ انداز میں بیٹھی دونوں عورتوں سے کیا کہے؟

''بیٹھیے کیسے آنا ہوا آپ کا؟'' رابعہ شیرازی اس کا سرتاپا جائزہ لے رہی تھیں۔

''میڈیم آج تیسرا روز ہے عارفین سر کا موبائل فون مسلسل آف ہے، ہم لوگ ان کے نمبر پہ ٹرائی کر کر کے تھک گئے ہیں، ان کا کوئی اتا پتا نہیں ہے، میں آپ سے پوچھنے کے لئے آئی ہوں کہ کیا آپ کا ان سے کوئی رابطہ ہے؟'' اروی اپنے حواس، اپنے اعصاب یکجا کرتے ہوئے بمشکل بات مکمل کر پائی تھی۔ رابعہ شیرازی اسے بغور دیکھ رہی تھیں، جبکہ زوئلہ اسے سرسری نظر سے دیکھ کر میگزین دیکھنے میں لگ گئی تھی۔

''کیوں کیا ضروری کام ہے اس سے؟ کوئی آفس پرابلم وغیرہ؟'' انہوں نے سوال کیا تو اروی گڑبڑا گئی۔

''نہیں میڈم ایسی تو کوئی بات نہیں ہے، ہم تو بس......'' وہ کچھ کہہ نہیں پائی تھی۔

''آپ لوگ پریشان مت ہوں، وہ جب بہت زیادہ ٹینس ہوتا ہے تو اسی طرح گھر سے چلا جاتا ہے، جب کچھ ریلیکس ہوگا تو فوراً آ جائے

گا، وہ جان بوجھ کر کسی سے بھی رابطہ نہیں کر رہا۔'' انہوں نے ارویٰ کو تسلی دی، مگر اروی کو تو اس وقت کسی اور تسلی کی ضرورت تھی......مگر......

''او کے میڈم۔ میں چلتی ہوں، اگر وہ آپ سے رابطہ کریں تو پلیز ان سے کہیے گا کہ پی اے سے رابطہ کر لیں۔'' اروی تھکے تھکے مایوس قدموں سے واپسی کے لئے پلٹ گئی تھی۔ رابعہ شیرازی اسے تولتی ہوئی جانچتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر پر کھ رہی تھیں۔

''سنو لڑکی! ادھر آؤ۔'' کافی حاکمانہ سا انداز تھا۔

''جی میڈم؟'' وہ بمشکل پلٹ کر ان کے سامنے آئی اور آنکھ کے کناروں تک آئے آنسو بھی بڑی مشکل سے واپس دھکیلے تھے۔

''تمہیں کوئی ذاتی کام ہے عارفین سے؟''

''جی میڈم۔'' وہ نہ جانے کیوں انکار نہیں کر پائی تھی۔

''کیا کام ہے؟''

''میرے بڑے بھائی دل کے مریض ہیں، ان کے بائی پاس کے لئے رقم کی ضرورت ہے، اس لئے میں سر سے ایڈوانس لینے کے لئے آئی تھی۔ مگر وہ اتنے دنوں سے آفس ہی نہیں آئے اور ان کا موبائل بھی آف ہے، میں نے مینجر صاحب سے بھی کہا ہے، مگر انہوں نے انکار کر دیا ہے کہ وہ سر کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔'' اروی بغیر رکے بولتی چلی گئی تھی۔

''اتنی بڑی رقم تو میرا خیال ہے کہ عارفین بھی نہیں دے گا، وہ بھی کسی گارنٹی کے بغیر۔'' رابعہ شیرازی کے شاطرانہ دماغ نے پل میں کروٹ بدلی تھی اور اپنے نئے کھیل کے لئے مہرہ تلاش کیا تھا اور اس تلاش میں ان کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔ کیونکہ ''ضرورت مند'' خود چل کے ان کے پاس آگیا تھا۔ جبکہ وہ ضرورت مند کے پاس جانے سے بچ گئی تھیں۔

''میڈم پلیز، میں...... میں کوئی بھی گارنٹی دینے کو تیار ہوں، پلیز مجھے اپنے بھائی کی زندگی سے بڑھ کر اور کچھ بھی نہیں ہے۔'' اروی بے بسی کے ہاتھوں بے اختیار ہو گئی تھی اور اس نے عارفین کا مزید انتظار کئے بغیر رابعہ شیرازی کے سامنے جھولی پھیلا ڈالی تھی، اس وقت اگر اسے کسی کے قدموں میں گر کر بھیک بھی مانگنا پڑتی تو وہ مانگ لیتی۔ کیونکہ اس کی انا، اس کی عزت نفس سے زیادہ اس وقت بہروز بھائی کی زندگی اہم تھی۔

''جو میں کہوں گی وہ کرو گی؟'' رابعہ شیرازی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ ''شکار'' ان کے سامنے کھڑا تھا۔ بس اسے اپنے جال میں گھیرنے کی دیر تھی۔

''جی میڈیم آپ جو کہیں گی میں کروں گی، بس میرے بھائی کا آپریشن......''

''تمہارے بھائی کا آپریشن بھی ہو گا، تمہارے گھر کے اخراجات بھی پورے ہوں گے، تمہارے بھائی کا پورا پورا علاج ہو گا۔ جب تک ڈاکٹرز نے چاہا وہ ہسپتال میں ہی رہے گا۔ تمام بل میں خود ادا کروں گی، تمہیں پیسے کی کمی نہیں ہوگی، بس تمہیں کام میری پسند سے کرنا ہو گا، جیسا میں چاہوں گی ویسا ہی کرنا پڑے گا۔'' رابعہ شیرازی نے ''اروی حیات'' کو خریدنے کے لئے اپنی امیری کا در کھول دیا تھا اور اروی حیات اپنے بھائی کی زندگی کی خاطر اپنی غریبی، اپنی مفلسی اور اپنی پوری ذات سمیت کھڑے کھڑے کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر امیری کے در پہ بک گئی تھی۔

''میڈم میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں، بس آپ بتا دیں مجھے کیا کرنا ہوگا؟'' اروی کو کچھ آس و امید کی کرن نظر آئی تو لہجہ کچھ سنبھل سا گیا تھا۔ رونق آ گئی تھی اس کے چہرے پہ۔

''تمہیں عارفین سے شادی کرنا ہوگی، محض کچھ عرصہ کے لئے...... صرف ایک بچے کے پیدا ہو جانے تک...... یہ شادی سب سے خفیہ ہو گی، کسی کو کچھ پتہ نہیں چلے گا۔ نہ تمہارے گھر والوں، نہ ہمارے خاندان کو، وہ بچہ زونلہ کا بچہ کہلائے گا۔ اس کی ماں زونلہ ہوگی۔'' رابعہ شیرازی بہت کچھ کہتی جا رہی تھیں، مگر اروی کے قدموں سے جیسے کسی نے زمین کھینچ لی تھی۔ اس کے کانوں میں سائیں سائیں ہونے لگی تھی۔ اس کی آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔ اس نے بمشکل رابعہ شیرازی اور زونلہ شیرازی کے چہرے دیکھے تھے۔

❁......❁......❁

''رکیے مس اروی!'' اپنا کام بنا کر آفس روم سے باہر نکلتی اروی کے قدم اس کی آواز پہ تھم گئے تھے۔ ''جی سر کہیے؟'' وہ آہستگی سے بولی چہرہ جھکا ہوا تھا۔

''آپ ٹھیک تو ہیں نا؟''

''جی سر میں ٹھیک ہوں۔'' وہ آج پورے دو ہفتے کے بعد آفس آیا تھا۔ وہ اس روز کسی کو بھی کچھ بتائے بغیر ٹینشن کی وجہ سے بے ارادہ ہی مری چلا گیا تھا اور جان بوجھ کر سیل آف کر دیا تھا کہ کوئی اسے ڈسٹرب نہ کرے۔ خصوصاً رابعہ شیرازی اور بابا جان، اور پھر مری والے پروجیکٹ کا سیٹ اپ کرتے کرتے ٹینشن بھی دور ہو گئی تھی اور اعصاب بھی کچھ بہتر ہو گئے تھے، جبھی آج صبح ہی ذرا فریش موڈ کے ساتھ واپس آ گیا تھا۔

''مس اروی آپ کے بھائی کیسے ہیں؟ ان کی طبیعت ٹھیک ہے نا؟'' اس نے دُہرا کے پوچھا تھا۔ اسے اروی کا مزاج، اس کے تیور، اس کا انداز بہت بدلے بدلے کترائے ہوئے اور کچھ کچھ شکوہ کناں سے لگ رہے تھے۔ جبھی وہ اسے کرید رہا تھا۔

''جی اب وہ ٹھیک ہیں۔'' وہ دھیمے سے کہہ کر فوراً باہر نکل گئی تھی اور اندر داخل ہوتے منیجر صاحب سائیڈ پہ ہو گئے تھے۔ عارفین سوچ میں پڑ گیا تھا۔

''سلام سر۔ کیسے ہیں آپ؟'' منیجر صاحب نے اسے متوجہ کیا تھا۔

''والسلام بیٹھیے۔''

''کیا سوچ رہے آپ؟''

''میں مس اروی حیات کے متعلق سوچ رہا ہوں، کچھ ٹینس لگ رہی ہیں۔'' عارفین نے فوراً اظہار کیا تھا۔

''جی سر وہ تھوڑی سی ٹینس نہیں ہیں، وہ بہت زیادہ ٹینس رہی ہیں۔ دراصل ان کے بھائی کو پھر دل کا دورہ پڑ گیا تھا۔ ان کے ہارٹ کی کنڈیشن بہت ویک تھی۔ شاید لاسٹ اسٹیج پہ تھا۔ ڈاکٹرز نے بائی پاس تجویز کیا تھا، ان کے دل کی شریانوں میں خون پھر سے رک گیا تھا۔ ان کی حالت بہت خراب تھی اور مس اروی بے حد پریشان تھیں۔ آپریشن کے لئے ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ آفس کی طرف سے کچھ رقم ایڈوانس لینے

کے لئے بھی آئی تھیں۔مگر میں آپ کی اجازت کے بغیر ایسا کچھ نہیں کرسکتا تھا۔اس لئے میں نے انکار کر دیا تھا۔وہ اتنے دن آپ کے نمبر پہ بھی ٹرائی کرتی رہی تھیں۔آپ کے گھر سے بھی آپ کا پتہ کیا تھا۔مگر آپ سے کوئی رابطہ نہیں ہو سکا تھا۔'' منیجر صاحب کی بات پہ عارفین بری طرح پریشان ہو گیا تھا۔اسے اروی کی پریشانی اور مشکل وقت کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا۔

''پھر اب......وہ کیسے ہیں؟ کیا ہوا ہے؟'' اس نے دھڑکتے دل سے پوچھا تھا کہ کہیں کوئی انہونی نہ ہو گئی ہو۔

''اب وہ کافی بہتر ہے، خطرے سے باہر ہیں اور ان کا بائی پاس بھی ہو چکا ہے۔''

''بائی پاس ہو چکا ہے؟ کب کہاں سے ہوا؟'' اس نے تیزی سے پوچھا۔

''شاید یہیں کراچی سے ''دی ہارٹ سینٹر'' سے ہوا ہے۔''

''اوہ پھر تو کافی مشکل کا سامنا کرنا پڑا ہو گا ان لوگوں کو؟''

''جی کافی سے بھی زیادہ مشکل وقت تھا ان لوگوں پہ، اللہ بھلا کرے اس آدمی کا جس نے ان کی ہیلپ کی ہے، ایک ہنستے بستے گھرانے کا چراغ بجھنے سے بچا لیا ہے۔''

''کس نے ہیلپ کی ہے ان کی؟'' اس نے چونک کر پوچھا تھا۔

''سر یہ تو مجھے بھی نہیں پتہ، شاید اس آدمی نے اپنی نیکی پردے میں رکھنے کی کوشش کی ہے۔'' منیجر صاحب بھی اروی کی طرف سے خاصے متفکر ہو رہے تھے۔عارفین کو سب کچھ جاننے کے بعد بے حد افسوس ہو رہا تھا اور اپنے آپ پہ غصہ بھی آیا تھا کہ اتنے دن وہ گھر سے باہر رہا اور فون بھی آف رکھا۔اگر ایسی لاتعلقی، ایسی لاپروائی میں ہی اس کے پیچھے کسی کو کچھ ہو جاتا تو؟ اگر اس کے اپنے ہی گھر والوں کو کوئی مصیبت آن پڑتی، کوئی کام آن پڑتا تو پھر کیا ہوتا؟

اروی صبح صبح آفس جانے سے پہلے بہروز بھائی سے ملنے ہسپتال آئی تھی، لیکن آج گھر سے نکلتے نکلتے ہی وہ کافی لیٹ ہو گئی تھی اور پھر جیسے ہی وہ ہسپتال پہنچی اس کے قدم ٹھٹک کر رک گئے تھے، اور اس کے چہرے کی رنگت بھی بدل گئی تھی۔بہروز بھائی کے قریب ہی عارفین شیرازی بیٹھا ہوا تھا اور بہروز بھائی کے سرہانے سائیڈ ٹیبل پہ بڑا سا سرخ گلابوں کا بکے رکھا ہوا تھا۔

''آؤ اروی تم رک کیوں گئی ہو، دیکھو عارفین بیٹا آیا ہے۔'' امی نے خوشی خوشی بتایا تھا بھابی اور بھائی بھی بہت خوش اور مرعوب نظر آرہے تھے، آخر اتنا امیر، کبیر اور مصروف آدمی خود ان کی عیادت کے لئے آیا تھا۔

''السلام علیکم!'' اروی نے لٹھ مار سے انداز میں سلام کیا تھا۔عارفین نے ایک بار پھر اروی کے مزاج کی بیگانگی نوٹ کی تھی۔وہ پہلے تو ایسی نہیں تھی۔وہ تو خاصی خوش اخلاق تھی۔بہت عزت سے، بہت احترام سے پیش آتی تھی، مگر اب......اب وہ خاصی بدلی ہوئی لگ رہی تھی اور عارفین کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اس کا رویہ میرے ساتھ ایسا کیوں ہے؟ کیا وہ بغیر بتائے جانے پہ خفا ہے یا پھر کوئی اور خطا ہو گئی ہے؟''

''اروی آپ کی بہت تعریف کرتی ہے، وہ بتاتی رہتی ہے کہ آپ بہت کیئرنگ اور سوفٹ نیچر کے ہیں، پہلے تو ہم صرف سنتے تھے۔مگر اب

تو خود بھی یقین ہو گیا ہے کہ صرف آپ ہی نہیں آپ کی پوری فیملی ہی بہت اچھی ہے، آپ کی والدہ، آپ کی وائف بھی ماشاءاللہ بہت اچھے مزاج کی خاتون ہیں، اللہ آپ سب کو ہمیشہ خوش رکھے۔'' بہروز بھائی کی بات پہ عارفین بری طرح چونکا تھا۔

''میری والدہ اور میری وائف؟ ان کی ملاقات ان سے کب ہوئی؟'' اس نے الجھی ہوئی نظروں سے اروی کی سمت دیکھا، مگر اروی تو نظر ملانے سے ہی انکاری تھی آج کل۔

''تھینک یو بہروز صاحب آپ سے مل کر، آپ کی کمپنی میں بہت اچھا لگا۔ بس آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں تو سارے مسئلے حل ہو جائیں گے، او کے اب اجازت دیجئے میں آفس سے لیٹ ہو رہا ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے کھڑا ہو گیا تھا اور پھر بہروز بھائی سے ہاتھ ملا کر ان کا کندھا دبایا تھا۔ پھر امی اور بھابی سے اجازت لی اور جاتے جاتے صوفے پہ کھیلتی سونیا کو کچھ نوٹ تھما گیا تھا۔ اروی سونیا کے ہاتھ میں دبے نوٹ دیکھ کر اندر سے مشتعل سی ہو گئی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کے سارے نوٹ چھین لئے اور لپک کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔ عارفین تب تک پارکنگ میں اپنی گاڑی کا لاک کھول رہا تھا۔

''سر آپ کے یہ روپے۔'' اروی کی سخت آواز وہ گاڑی کا ڈور کھولتے کھولتے ٹھٹک گیا تھا۔ اس نے حیرت سے اس کے ہاتھ میں پکڑے روپے دیکھے تھے۔

''یہ میں آپ کو نہیں آپ کی بھتیجی کو دے کے آیا ہوں۔''

''وہ بھتیجی آپ کی نہیں میری بھتیجی ہے، اس لئے میں لینے سے انکار کرتی ہوں آپ کی یہ عنایت نہیں چاہئے ہمیں۔'' اروی کا لہجہ بہت سخت ہو رہا تھا اور بے مروت بھی۔

''یہ روپے میں نے اس لئے نہیں دیئے کہ آپ کو یہ چاہیے یا نہیں، بلکہ میں نے تو اس لئے دیئے ہیں کہ یہ میری خوشی ہے، میں پہلی بار سب سے ملنے آیا۔ مگر خالی ہاتھ، اس لئے سوچا جو میں نہیں لا سکا وہ بچی خود لے لے گی۔'' عارفین کو حیرت پہ حیرت ہو رہی تھی کہ وہ آخر ایسا کیوں کر رہی ہے؟

''وہ بچی لاوارث نہیں ہے اس کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے ابھی ہم زندہ ہیں، فی الحال اس بھیک کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے زبردستی وہ روپے عارفین کو واپس تھما دیے تھے۔

''آپ ایسا کیوں کر رہی ہیں مس اروی؟''

''میں ایسا اس لئے کر رہی ہوں کیونکہ میں اتنا قرض نہیں چکا سکتی، مجھ میں اتنی سکت نہیں ہے کہ میں آپ کی پائی پائی کا حساب دے سکوں، میں مزید نہیں بک سکتی، پلیز آپ اپنی عنایات اپنے تک رکھیں، میں نے جو آپ سے لینا تھا وہ لے لیا، اب اور نہیں۔''

وہ کہہ کر واپس مڑ گئی تھی اور عارفین حیران پریشان کھڑا رہ گیا تھا۔

وہ لڑکی جو ایک بار اس کی ذات پہ مان رکھ کر، اس پہ بھروسہ کر کے، ایک آس، ایک امید اور ایک یقین لے کر اس سے قرض لینے آ گئی تھی،

آج اس کی خوشی سے دیئے ہوئے پیسوں کو قرض کا نام دے کر واپس ٹھکرا کے چلی گئی تھی، عجیب لڑکی تھی وہ؟ عارفین کے ذہن میں الجھی ریشم کی گتھی سلجھ ہی نہ رہی تھی کہ چکر کیا ہے آخر؟؟

❁......❁......❁

"میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا" وہ اپنی ماں کا ترتیب دیا ہوا پلان سن کر یک دم غصے سے بپھر گیا تھا۔

"مجھے سوچ سمجھ کر جواب دینا عارفین، کیونکہ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو میں یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی، بالکل اسی طرح جس طرح تمہارا باپ یہ گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا، آج تک نہ وہ لوٹ کر واپس آیا ہے اور آئندہ کبھی نہ میں لوٹ کر واپس آؤں گی، تم پھر اپنے چہیتے بابا جان کی ہر بات ماننا اور ہر بات پہ عمل کرنا، لیکن یہ بھول جانا کہ تمہاری کوئی ماں بھی تھی۔ پہلے تم باپ سے محروم ہوئے تھے، اب تم ماں سے محروم ہو جاؤ گے، اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے، صبح تک اچھی طرح سوچ لو، ورنہ وہ دیکھو میرا بیگ تیار رکھا ہے، میں کسی بھی وقت کسی کو بھی بتائے بغیر گھر چھوڑ کر جا سکتی ہوں، کیونکہ میں مہر النساء سے کبھی بھی شکست نہیں کھا سکتی، چاہے مجھے گھر چھوڑنا پڑ جائے۔" رابعہ شیرازی بیڈ پہ رکھے بیگ کی سمت اشارہ کر کے عارفین کو فیصلے کے جلتے کنویں میں دھکیل کر خود ہی اپنی کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔ عارفین وہیں صوفے پہ ڈھے گیا تھا...... اس کی زندگی تماشا بن کے رہ گئی تھی، وہ کیا کرتا؟ کہاں جاتا آخر؟

❁......❁......❁

بہروز بھائی ڈسچارج ہو کر گھر آ چکے تھے اور پہلے سے کچھ بہتر تھے، اروٰی ہمیشہ کی طرح اپنی جاب میں بزی تھی، جب رابعہ شیرازی نے اسے نکاح اور روانگی کا وقت بتایا تھا۔ اروٰی نے چند روز پہلے ہی گھر والوں کو باخبر کر دیا تھا کہ اسے جاب کے سلسلے میں میڈم اور باس کے ساتھ مری جا کر رہنا پڑے گا۔ وہاں ان کے دو نئے پروجیکٹ شروع ہو رہے ہیں، اس لئے پی اے ہونے کے ناتے اس کا جانا بھی ضروری تھا اور وہ انکار بھی نہیں کر سکتی تھی۔ گھر والے بھی اس جاب کی نوعیت اور گھر کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔ لہٰذا کوئی بھی اسے جانے سے منع نہیں کر سکتا تھا اور ویسے بھی انہیں میڈم رابعہ شیرازی اور عارفین پہ پورا بھروسہ تھا کہ وہ لوگ بہت اچھے لوگ ہیں، اس کا دھیان رکھیں گے اور وہ محفوظ رہے گی۔

وہ اروٰی کی طرف سے مطمئن تھے۔ اسی لئے جب آج اروٰی نے اپنی پیکنگ شروع کی تو انہیں حیرانی نہیں ہوئی تھی۔

"بیٹا اپنے گرم کپڑے رکھ لو اور اپنے موبائل کا بھی دھیان رکھنا، ہم روزانہ فون کر کے تمہاری خیریت معلوم کر لیا کریں گے، اور سردی سے بچ کے رہنا، ورنہ بیمار پڑ جاؤ گی۔" امی نے اس کے سامان کے ساتھ چند نصیحتیں بھی باندھ کے رکھنی شروع کر دی تھیں۔

"پھوپھو آپ واپس کب آؤ گی؟" سونیا نے اس کا دوپٹہ پکڑ کر فکرمندی سے پوچھا تھا اور اروٰی کو اس کا سوال دل پہ لگا تھا۔ سبھی اسے رخصت کر رہے تھے، جبکہ سونیا کو اس کی واپسی کی فکر تھی۔

"جب اللہ نے چاہا آ جاؤں گی۔" وہ بہروز بھائی، ثمینہ بھابی، سارہ اور امی کے گلے مل کے رخصت ہوئی تھی۔

"میں آپ کی طرف سے خوشخبری کی منتظر رہوں گی۔" اس نے ثمینہ بھابی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ وہ پریگنینٹ تھیں۔ بس کچھ دنوں تک ان

کی ڈلیوری متوقع تھی اور ان لوگوں کو بھیجے کی بہت خواہش تھی، اسی لئے دن رات بیٹے کی دعا کرتی تھیں۔

''انشاء اللہ سب سے پہلے تمہیں ہی بتائیں گے۔'' امی نے پیار سے کہا تھا اور وہ اپنے آنسو روکتی ہوئی دہلیز عبور کر گئی تھی۔ وہ اپنے ان سب رشتوں کو کیسے بتاتی کہ وہ آج اپنی زندگی کسی شخص کے نام کرنے جا رہی ہے۔

'''آج اس کی نام نہاد شادی ہو رہی ہے، اس کا نکاح ہے آج، اس کی رخصتی ہو رہی ہے۔'' وہ اپنے آنسو ضبط کرتی اپنے آپ کو تسلی دیتی بس سٹاپ تک آ گئی تھی، جہاں رابعہ شیرازی کی گاڑی منتظر کھڑی تھی، اس کے بیٹھتے ہی رابعہ شیرازی نے ڈرائیور کو اشارہ کیا تھا۔ گاڑی ایک فلیٹ کے سامنے رکی تھی۔ اس فلیٹ پہ ہی ان کا نکاح ہونا تھا۔ سارا انتظام ہو چکا تھا۔ صرف عارفین کی آمد باقی تھی۔

''اروی حیات؟'' نکاح کے دوران عارفین کی سماعتوں سے ٹکرانے والا نام اسے اپنی جگہ پہ ساکت و صامت کر گیا تھا۔

''بولئے بیٹا قبول ہے؟'' مولوی صاحب اقرار مانگ رہے تھے۔

''اروی حیات؟'' اس کے ذہن میں پھر سے بازگشت ہوئی تھی، اس نے سر اٹھا کے رابعہ شیرازی کی سمت دیکھا تھا۔

''عارفین بولو نا بیٹا تمہیں اروی حیات قبول ہے۔'' انہوں نے نرمی سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے انتہائی نارمل سے انداز میں کہا تھا، لیکن عارفین کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ وہ کبھی اس نام پہ غور کر رہا تھا اور کبھی رابعہ شیرازی کے نارمل سے انداز پہ اور کبھی قریب بیٹھے مولوی صاحب اور چند گواہوں پہ۔

''عارفین کہاں گم ہو گئے ہو؟ ہمیں دیر ہو رہی ہے، آدھے گھنٹے بعد فلائٹ ہے تمہاری۔'' رابعہ شیرازی کا سخت لہجہ عارفین کو سوچ کی دنیا سے یک دم واپس کھینچ لایا تھا اور پھر اس نے ماؤف ہوئے ذہن کے ساتھ۔

''قبول ہے۔'' کی نوید بخشی تھی۔ رابعہ شیرازی کا چہرہ خوشی اور فتح کے احساس سے چمک اٹھا تھا۔ نکاح نامے پہ سائن کرنے کے فوراً بعد وہ وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا تھا۔ جہاں اس وقت اروی اکیلی بیٹھی اپنی ذات کے بک جانے کا ماتم منا رہی تھی، اپنی ذات کی کم مائیگی اسے بے تحاشا رلا رہی تھی۔ اس کا پورا سراپا مدھم ہچکیوں کی زد میں تھا۔ وہ دروازے کی آہٹ پہ بھی نہیں چونکی تھی۔ مگر عارفین قدم قدم پہ چونک رہا تھا۔ ٹھٹک رہا تھا۔ الجھ رہا تھا۔ ایک طرف رابعہ شیرازی تھیں جو خوشی سے کھلی پڑ رہی تھیں اور دوسری طرف اروی حیات تھی جو مسلسل روئے جا رہی تھی اور ایک وہ تھا جو اس بساط کا ایک انتہائی اہم مہرہ ہوتے ہوئے بھی لاعلم تھا۔ اسے بس اتنا معلوم تھا کہ رابعہ شیرازی اس کا کسی لڑکی کے ساتھ خفیہ نکاح کروا رہی ہیں، اب وہ لڑکی کون ہے، اسے اس چیز سے قطعی کوئی سروکار نہیں تھا۔ مگر وہ لڑکی اروی حیات ہو گی، اسے یقین نہیں آیا تھا، وہ ایک شاک کی سی کیفیت میں تھا۔

''اروی۔'' اس نے کافی بلند آواز سے اسے مخاطب کیا تھا۔ اروی نے اپنے گھٹنوں سے سر اٹھاتے ہوئے اپنے آنسو پونچھنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ کیونکہ وہ پھر بہتے چلے آ رہے تھے۔

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ سب کیا ہے؟ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟'' وہ سوال کرتا چلا گیا تھا اور اروئ کے دل پہ گھونسا پڑا تھا، اس کی لاعلمی پہ اسے مزید دکھ ہوا تھا۔

''میں کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے۔'' وہ غصے اور ناگواری سے مغلوب ہو کر اسے ''آپ'' کی بجائے آج ''تم'' کہہ رہا تھا۔

''یہ سب آپ سے چھپا ہوا نہیں ہے سر، آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ کیا ہوا ہے؟ یہاں وہی کچھ ہوا ہے جو آج تک فلموں، ڈراموں اور کہانیوں میں ہوتا آ رہا ہے۔ غربت کے ہاتھوں بے بس انسان کھڑے کھڑے کسی امیر کے در پہ بک جاتا ہے۔ غریبی بک جاتی ہے اور امیری خرید لیتی ہے اور یہ سودا آپ لوگوں جیسے معزز انسان ہی کرتے ہیں، کبھی آپ جیسے اور کبھی میڈم رابعہ شیرازی جیسے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے، آپ نے نہ سہی آپ کی والدہ نے سہی، مگر سودا اچھا کیا ہے۔ میری مصیبت، میری مشکل حقیقتاً اتنی ہی بڑی تھی کہ مجھے اپنا آپ بیچنا ہی پڑتا۔ آپ کی والدہ نہ ملتیں تو کوئی اور خریدار مل جاتا۔'' وہ تلخی سے کہتی...... بے دردی سے اپنے آنسو پونچھ کر بیڈ سے کھڑی ہو گئی تھی، لیکن عارفین کے آس پاس دھماکے ہو رہے تھے، اس کے ذہن کی الجھی ہوئی ساری گتھی سلجھنے لگی تھی۔

اروئ کا عارفین سے رابطہ کرنے کے چکر میں اس کے گھر جانا اور پھر وہاں رابعہ شیرازی کے جال میں پھنسنا، پھر بہروز حیات کا اس کی والدہ اور وائف کی تعریف کرنا، یقیناً وہ دونوں بہروز حیات کی نظروں میں اچھا بننے کے لئے اس کی عیادت کرنے بھی گئی ہوں گی۔ پھر اروئ کا اکھڑا اکھڑا مزاج اور سونیا کو دیئے ہوئے روپے واپس کرنا، رفتہ رفتہ سب کچھ اک ترتیب سے ذہن میں سماتا چلا گیا تھا۔ مگر اب دیر ہو چکی تھی، نہ وہ کچھ کر سکتا تھا اور نہ ہی اروئ آزاد ہو سکتی تھی، ان کی ڈور اب رابعہ شیرازی کے ہاتھ میں تھی اور رابعہ شیرازی اس وقت عارفین، اروئ اور زونلہ کو مری جانے کے لئے رخصت کرنے کو تیار کھڑی تھیں، ڈرائیور سامان گاڑی میں رکھ چکا تھا، بس ان کے چلنے کی دیر تھی۔

❁......❁......❁

سفر کے دوران جہاز میں بھی وہ تینوں اپنی اپنی سوچ میں گم بے حد خاموش ہی رہے تھے، کسی نے ایک دوسرے سے کچھ کہنا تو دور کی بات، بلکہ دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا، اپنی اپنی ذات کے دائرے میں ہی قید تھے سبھی، کوئی دکھی تھا، کوئی پشیماں تھا، اور کوئی مطمئن بیٹھا تھا، جس طرح اروئ کا دکھ اس کے چہرے سے نظر آ رہا تھا، اسی طرح عارفین کی پشیمانی بھی چہرے پہ واضح دکھائی دے رہی تھی، مگر ان دونوں سے ہٹ کر زونلہ خاصی مطمئن تھی۔ اسے ان لوگوں کے ساتھ محض کچھ عرصہ ہی مری میں رہنا تھا اور جیسے ہی اروئ کی طرف سے بچے کی نوید ملتی زونلہ کا ارادہ انگلینڈ چلے جانے کا تھا، کیونکہ انہوں نے بابا جان کو یہ ہی بتایا تھا کہ زونلہ انگلینڈ جا رہی ہے اور وہاں جا کر علاج کروانا چاہتی ہے، جس پہ بابا جان بہت خوش ہوئے تھے اور پلان کے مطابق زونلہ نے انگلینڈ سے تب ہی واپس آنا تھا جب اروئ کے ہاں بچہ ہو جاتا، کیونکہ اگر زونلہ بھی مری میں رہتی تو ہو سکتا تھا کہ جھوٹی پریگنسی کی خوشخبری سن کر بابا جان بھی زونلہ سے ملنے کے شوق میں مری چلے آتے۔ لہٰذا پہلے سے ہی یہ کہہ دیا گیا تھا کہ زونلہ انگلینڈ جانے والی ہے۔

''سر گھر آ چکا ہے۔'' ایک بہت ہی خوبصورت کاٹیج کے سامنے گاڑی روک کر ڈرائیور نے اسے متوجہ کیا تھا، کیونکہ عارفین حال میں موجود نہیں تھا، کہیں اور پہنچا ہوا تھا۔

''عارفین کہاں گم ہیں؟'' زونلہ نے گاڑی سے اترتے ہوئے خاصے زور سے اس کا کندھا ہلایا تھا اور وہ بری طرح چونکتے ہوئے حواسوں میں واپس لوٹا تھا۔ اس نے فوراً پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ اروئی بھی اپنی سیٹ پہ جمی بیٹھی تھی۔ اس کے حواس بھی موجود نہیں تھے۔

''میڈم آپ بھی آ جائیے۔'' زونلہ نے گاڑی کے اندر جھانک کر غصے سے کہا تھا اور وہ اپنے دھیان سے گڑبڑاتے ہوئے فوراً گاڑی سے اتر آئی تھی۔ عارفین ان دونوں سے پہلے ہی اندر جا چکا تھا۔

''ڈرائیور سامان اندر پہنچا دو۔'' زونلہ نے جاتے جاتے حکم جاری کیا تھا۔

''جی میڈم۔'' ڈرائیور فوراً سامان نکالنے میں لگ گیا تھا۔ عارفین نے اپنا یہ ذاتی کاٹیج پچھلے سال ہی ڈیزائن کیا تھا، لیکن مصروفیت کی وجہ سے اتنا ٹائم ہی نہیں ملا تھا کہ وہ یہاں آ کر چند دن رہ لیتا۔ بس پچھلے دنوں گھر سے بغیر بتائے ہوئے نکلا تو یہاں آ گیا تھا اور وہ دو ہفتے اس نے بہت ریلیکس گزارے تھے، لیکن تب اسے یہ اندازہ ہرگز نہیں تھا کہ چند دن بعد وہ اپنی دو عدد بیویوں کے ہمراہ یہاں رہنے کے لئے آ جائے گا۔

وہ تو باتوں باتوں میں جب اس نے رابعہ شیرازی کو بتایا کہ وہ ایک پروجیکٹ کے سلسلے میں مری کچھ عرصہ رہنے کے ارادے سے جا رہا ہے تو انہوں نے فوراً اپنے شاطرانہ دماغ کو استعمال میں لاتے ہوئے پورا پلان ترتیب دے ڈالا تھا، اور اس پلان میں کیا کچھ ہو گیا تھا، یہ ہی سوچ کر عارفین کو وحشت ہونے لگی تھی۔

''سر یہاں سامان رکھ دوں؟'' عارفین اپنے بیڈروم کے صوفے پہ آڑا ترچھا لیٹا تھا، جب اپنے سامان کے ساتھ ایک اور بیگ دیکھ کر چونک گیا تھا، کیونکہ وہ بیگ یقیناً زونلہ کا نہیں تھا۔ زونلہ جب گھر سے نکلی تھی اس کے ساتھ سلور کلر کا اٹیچی بیگ تھا، جو وہ اپنے ہمراہ گھسیٹتی ہوئی آئی تھی۔ تو گویا یہ بیگ اروئی کا تھا؟ عارفین کے اعصاب مزید شل ہو گئے تھے۔

''یہ بیگ میرا نہیں ہے، یہ ساتھ والے کمرے میں رکھ دو۔'' اس نے ڈرائیور کو وہ بیگ رکھنے سے منع کر دیا تھا۔

''نہیں یہ بیگ یہیں رہے گا اور اس بیگ کے ساتھ ساتھ اس بیگ کی مالک بھی یہیں رہے گی، یہ میرا نہیں بلکہ مام کا آرڈر ہے۔'' ڈرائیور کے عقب سے زونلہ نمودار ہوئی تھی اور زونلہ کے پیچھے وہ بے بس کھڑی تھی۔

''زونلہ پلیز بس کرو، میرا دماغ پھٹ جائے گا، میں پاگل ہو جاؤں گا۔'' وہ کنپٹی پہ ہاتھ رکھتے ہوئے چیخ پڑا تھا اور زونلہ ہلکے سے مسکرائی تھی۔

''آپ خوامخواہ پاگل ہو رہے ہیں؟ مجھے دیکھئے میں تو اپنی سوتن کو ہنسی خوشی قبول کر رہی ہوں اور آپ کے پاس چھوڑ کر جا رہی ہوں، میرے ظرف کی داد دیجئے۔'' زونلہ نے اپنے آپ کو خود سراہا تھا۔

''یہ تمہارا ظرف نہیں، تمہاری کمینگی ہے، تمہارا مطلب ہے، تمہاری غرض ہے اس میں۔ آج اگر اس لڑکی سے میں اپنی مرضی سے شادی کر کے لایا ہوتا تو پھر میں دیکھتا کہ تمہارے ظرف کی حد کتنی ہے؟ تم مجھے داد دو کہ میں یہ سب کچھ برداشت کرتا چلا آ رہا ہوں۔'' وہ بے حد تلخی سے بات کر رہا تھا۔

''جب برداشت ہی کرنا ہے تو پھر اتنا غصہ کیوں کر رہے ہیں؟ آپ کی نئی نئی شادی ہوئی ہے، انجوائے کریں۔'' وہ انتہائی بے نیازی سے کہتی پلٹ کر دروازے تک چلی گئی تھی، لیکن باہر نکلتے نکلتے اس نے ایک بار پھر پلٹ کر دیکھا اروئی بے بس ولاچاری کشمکش میں کھڑی تھی۔

''اور میڈم آپ بھی ذرا ذہن نشین کر لیں کہ یہ آپ دونوں کا مشترکہ بیڈروم ہے، آپ لوگوں نے ایک ساتھ رہنا ہے، کوئی نخرہ، کوئی ڈھکوسلہ نہیں چلے گا یہاں۔'' وہ تیکھے انداز سے کہہ کر دروازہ بند کر کے چلی گئی تھی اور وہ دونوں قربانی کے جانور کی طرح اپنی اپنی جگہ پہ بندھے رہ گئے تھے۔

⊛......⊛......⊛

ان دونوں کی ساری رات آنکھوں میں گزری تھی، عارفین اتنی شدید سردی کے باوجود ٹیرس پہ کھڑا رہا تھا اور اروئ اتنی تھکن اور ذہنی ٹینشن کے باوجود بیک ٹک بیڈ سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھی رہی تھی، نہ اس نے پلک جھپکی تھی اور نہ وہ سو پایا تھا اذیت کا دریا دونوں طرف برابر بہہ رہا تھا اور اس دریا میں وہ دونوں ایک ساتھ ڈوبے ہوئے تھے، سانس دونوں کی بند ہو رہی تھی، مگر زندہ رہنے اور زندگی جینا دونوں کی مجبوری تھی۔ لہٰذا صبح ہونے تک وہ دونوں اپنے اپنے دل کو اور اپنے اپنے دماغ کو سمجھانے اور تسلی دلاسہ دینے میں لگ گئے تھے۔ جب اتنا بڑا قدم اٹھایا تھا تو پھر اب آگے بھی بڑھنا تھا، کیونکہ پیچھے مڑنے کا اب نہ تو کوئی راستہ تھا اور نہ ہی کوئی وقت۔

سو بہتر یہ ہی تھا کہ وقت کے سانچے میں ڈھل کر سب کچھ درگزر کر دیا جاتا۔ کیونکہ ہونا تو وہی تھا جو ہو چکا تھا، اور جو ہو چکا تھا وہ بدل نہیں سکتا تھا اور جن میں کچھ بدلنے کی سکت اور جرأت ہی نہیں تھی وہ سوچ سوچ کر پاگل کیوں ہو رہے تھے بھلا؟ اور یہ ہی سوچ کر اروئ نے اپنے اعصاب کنٹرول کر لئے تھے اور دل پہ بھاری پتھر رکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی، فجر کی اذان ہو چکی تھی، نماز کا وقت نکلا جا رہا تھا، اسے سب کچھ بروقت سنبھالنا تھا۔ نماز کے بعد اس نے اپنے رب سے گڑگڑا کر اپنے لئے حوصلہ، صبر اور سکون مانگا تھا اور بہتری کی دعا کی تھی۔

⊛......⊛......⊛

صبح ناشتے کے لئے زوبلہ نے ملازمہ کو بلانے بھیجا تھا اور اروئ چپ چاپ خاموشی سے اٹھ کر ملازمہ کے ساتھ ہی نیچے آ گئی تھی، لیکن اروئ کو یہ نہیں پتہ تھا کہ اسے اب لمحہ لمحہ امتحان سے گزرنا ہوگا۔ جیسے ہی وہ نیچے آئی زوبلہ نے سرتاپا اسے کھوجتی ہوئی نظروں سے دیکھا تھا اور ان ''نظروں'' میں کیسی ''کھوج'' تھی یہ دیکھ کر اروئ کٹ کے رہ گئی تھی۔

''اُف اس بارے میں تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔'' اسے زوبلہ کی نظروں نے بہت کچھ باور کروا دیا تھا۔

''لگتا ہے اپنی مظلومیت کا خوب دل کھول کر روگ منایا ہے خوب دھوم دھام سے ماتم کیا ہے ساری رات؟'' زوبلہ کچھ کہنے سے باز نہیں آئی تھی۔ جبکہ اروئ کی گردن اور نظریں جھکی ہوئی تھیں، وہ کچھ بھی کہنے کے قابل نہیں تھی، آخر وہ کہتی بھی کیا؟

''میڈم اروئ حیات آپ کو یہاں بیاہ کر لائے ہیں تو کسی مقصد کے لئے...... محض انجوائے کرنے نہیں آئے۔ آپ ایک بار پھر کان کھول کر سن لیں عارفین آپ کا شوہر اور آپ اس کی بیوی ہوتی ہیں آج کل...... اور میاں، بیوی دور، دور نہیں رہتے سمجھیں آپ؟'' زوبلہ کی باتیں سن کر اروئ کا جی چاہا کہیں ڈوب کے مر جائے یا پھر زمین پھٹے اور اس میں سما جائے، کیونکہ سامنے ہی اس کاٹیج کے ڈرائنگ روم میں بنی لکڑی کی سیڑھیوں پہ عارفین کھڑا تھا اور زوبلہ کی گفتگو کے معنی با آسانی سن بھی رہا تھا اور سمجھ بھی رہا تھا۔

''وہ لاکھوں کی رقم تمہارے جسم کے لئے دی ہے، تمہارے جسم کو سات پردوں میں سنبھال کے رکھنے کے لئے نہیں دی، اتنی نیک

پروین بی بی بننے کی کوشش مت کرو اور عارفین کے قریب رہنے کی کوشش کرو۔ ورنہ مام کو پتہ چل گیا تو وہ پہلی فلائٹ سے یہاں پہنچ جائیں گی۔"
زوئلہ نے اچھی خاصی بک بک کرنے کے بعد اسے ناشتے کی اجازت دی تھی۔ لیکن عارفین وہیں سے واپس لوٹ گیا تھا۔

◈......◈......◈

"اروئ کیوں کیا تم نے ایسا؟ کیوں تم نے اپنے ساتھ مجھے سولی پہ لٹکا دیا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے میں اپنے آپ کو گولی مار دوں۔ میں سوچ سوچ کر تھک گیا ہوں، پاگل ہو گیا ہوں میں، مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کیا ہوا ہے؟ اور......اور آئندہ کیا ہوگا؟ آخر کیا بنے گا تمہارا؟ تم نے اتنا بڑا قدم کچھ بھی سوچے بغیر کیسے اٹھا لیا؟" وہ اروئ کے سامنے پشیمان اور بے بس کھڑا تھا، اور اس کے سوالوں پہ اروئ تلخی سے مسکرائی تھی۔
"سر یہ سب جو کچھ بھی ہوا ہے یہ ازل سے میری قسمت میں لکھا تھا اور اب اس لکھے کا دوش کس کو دوں؟ بس دکھ اس بات کا ہے کہ مجھے آپ کے لئے خریدا گیا ہے، خریداروں کی صف میں آپ کی ماں کھڑی ہیں، جبکہ میرے دل میں، میرے دماغ میں آپ کے لئے اور آپ کے گھر والوں کے لئے ایک بہت اونچا "سنگھاسن" بنا ہوا تھا جو چند دن پہلے اتنے زور سے گرا کہ اس پہ بٹھائے گئے سارے معتبر مجسمے ٹوٹ گئے اور ان ٹوٹے مجسموں کی کرچیاں اتنی تیز اور نوکیلی ہیں کہ جب جب چبھتی ہیں تو تکلیف ہوتی ہے اور تکلیف پہ آنسو نکل آتے ہیں۔" وہ کہتے کہتے اپنے رخساروں پہ ڈھلک آنے والے آنسوؤں کو رگڑنے لگی تھی۔
"کیا اس سنگھاسن پہ میں بھی تھا اروئ؟" عارفین جیسے کسی خدشے کے تحت پوچھ رہا تھا۔
"آپ تو اس سنگھاسن کا سنگھار تھے سر۔" اروئ کی آواز بھرا گئی تھی۔
"تھے؟" عارفین نے پھر پوچھا تھا۔
"ہاں آپ بھی تھے، مگر اب کہیں نہیں ہیں، اب آپ امیر کبیر خریداروں میں نظر آتے ہیں، اب تو یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ نہ جانے کب مجھ پہ کوئی اور مصیبت آجائے اور کب مجھے پھر بکنا پڑ جائے۔" اروئ کا لفظ لفظ نوکدار تھا۔
"کیا میں تمہیں ایسا نظر آتا ہوں اروئ؟" عارفین کو اس کی باتوں سے بہت تکلیف ہو رہی تھی۔
"آپ جیسے نظر آتے تھے اب ویسے نظر نہیں آتے۔ اب بہت کچھ بدل چکا ہے سر۔ آپ، آپ نہیں رہے اور میں، میں نہیں رہی۔ پہلے ہم میں ایک خلوص، ایک محسن اور مہربان کا رشتہ تھا۔ اب ہمارے درمیان ایک سودا ہے، کسی دکان دار اور گاہک کا سا رشتہ ہے۔"
"لیکن اروئ میں اس سارے قصے میں کہاں قصور وار ہوں، مجھے بس اتنا بتا دو کہ میرا جرم کیا ہے؟" عارفین تو سچ مچ بے گناہ مارا جا رہا تھا۔
"اچھے انسان کو برا بننے میں دیر نہیں لگتی، بس ایک سنگھاسن سے گرنے کی دیر ہوتی ہے۔ آپ کے گھر والے اچھائی کا چولا اتار سکتے ہیں تو آپ بھی اتار سکتے ہیں، اس لئے بہتر یہی ہے کہ میں کسی سے بھی کوئی اچھی امید نہ رکھوں، میں آپ کے لئے خریدی گئی ایک "چیز" ہوں۔ اب آپ اس چیز کو جب چاہے "استعمال" کر سکتے ہیں، اور جب چاہے چھوڑ سکتے ہیں، آپ کو کسی طرف سے کوئی روک ٹوک نہیں ہوگی، جس طرح اس کمرے کی تمام چیزوں پہ آپ کا حق ہے، آپ کا اختیار ہے، بالکل اسی طرح مجھ پہ بھی ہے، آپ جب چاہیں اپنا حق استعمال کر سکتے ہیں، میں انکار نہیں

کروں گی، چاہے خود اپنی ذات پہ جبر کا پہاڑ کھڑا کرنا پڑے۔ میں وہ بھی کرلوں گی، لیکن آپ کو شکایت نہیں ہونے دوں گی۔'' اروی نے آج صاف صاف بات کرتے ہوئے اپنی شرم وحیا بھی بالائے طاق رکھ دی تھی، کیونکہ وہ یہ ہی سوچ رہی تھی کہ جب اس ندی میں پاؤں ڈال ہی دیا تھا تو اب پار بھی لگنا تھا، ڈر ڈر کے قدم اٹھانے سے کیا حاصل؟ لیکن دوسری طرف عارفین مطمئن نہیں ہو پا رہا تھا، اسے اروی کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا ملال تھا۔ کوئی اور لڑکی ہوتی تو شاید وہ بھی اس مسئلے کو فراموش کر ڈالتا، مگر نہ جانے کیوں اروی سے اس کے کیسے احساسات وابستہ تھے کہ وہ اس زیادتی، اس سودے کو فراموش نہیں کر پا رہا تھا۔ شاید وہ اروی کو اس روپ میں قبول نہیں کر پا رہا تھا۔

❁.....❁.....❁

ان لوگوں کو مری آئے ہوئے پورا ایک ماہ ہو چکا تھا اور یہ پورا ایک ماہ عارفین اپنے آپ کو سمجھانے میں لگا رہا تھا، ہاں اس ایک ماہ میں بس یہ تبدیلی آئی تھی کہ دونوں میں بات چیت کا سلسلہ بحال ہو گیا تھا۔ اروی اگر اچھے طریقے سے پیش آتی تھی تو عارفین بھی نارمل ہونے لگا تھا اور اس چیز کا اندازہ ان کی گفتگو سے ہوتا تھا، اس وقت بھی عارفین کو آتے دیکھ کر اروی تیزی سے قریب آئی تھی۔ عارفین کا کام آج کل زوروں پہ تھا اس کی مری والی برانچ میں بھی کافی پروجیکٹ کا اضافہ ہو چکا تھا اور وہ ہر کام اپنی موجودگی میں کروا رہا تھا۔ ابھی بھی وہ آفس سے ہی لوٹا تھا۔

''چائے لے کر آؤں آپ کے لئے؟'' وہ کچھ دیر ریلیکس کرنے کے لئے صوفے پہ بیٹھا تھا، جب وہ بھی بیویوں کے روپ میں سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ حالانکہ وہ ان چیزوں کا عادی نہیں تھا، نہ ہی اس کی سوسائٹی میں بیویاں اتنی تابعداری کا مظاہرہ کرتی تھیں۔ مگر پھر بھی نہ جانے کیوں اسے اروی کا یہ انداز بہت اچھا لگتا تھا، اس کا کیئر کرنا دل کو عجیب سی خوشی بخشتا تھا۔ مگر وہ اس خوشی کا اظہار نہیں کر سکتا تھا، اور نہ ہی اس خوشی کو ہمیشہ کے لئے محسوس کر سکتا تھا۔ کیونکہ اسے پتہ تھا کہ سب کچھ عارضی ہے۔ اسے اپنا اور اروی کا رشتہ کاغذی پھول جیسا لگتا تھا۔ جس کا رنگ بناوٹی تھا اور خوشبو تھی ہی نہیں۔ بغیر خوشبو کے پھول سا رشتہ تھا جو کسی بھی وقت مرجھا سکتا تھا اور اس کے مرجھانے کا خدشہ ہی دل و دماغ کو مٹھی میں بھینچ کر رکھ دیتا تھا۔

''کیا بات ہے آج آپ چائے نہیں لیں گے کیا؟'' اس نے پھر اسے مخاطب کیا تھا۔

''ہوں کیا کہا؟'' وہ چونک کر متوجہ ہوا تھا۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' وہ اب کی بار ذرا فکر مندی سے پوچھ رہی تھی۔

''ہاں ٹھیک ہوں۔'' وہ مختصر سا کہہ کر وہاں سے اٹھ کر بیڈ روم میں آ گیا تھا، اور اس کے پیچھے تقریباً دس منٹ بعد وہ چائے لے کر بیڈ روم میں آ گئی تھی۔ وہ ابھی ابھی شاور لے کر کپڑے چینج کر کے واش روم سے بال تولیے سے رگڑتے ہوئے برآمد ہوا تھا۔

''اس تکلف کی کیا ضرورت ہے؟'' میں ان چیزوں کا عادی نہیں ہوں میری کیئر آج تک میری ماں نے نہیں کی تم تو پھر چند دن کی مہمان ہو۔'' اس کا انداز تلخی لئے ہوئے تھا۔

''جب تک میں آپ کے ساتھ ہوں، میں آپ کی بیوی ہوں، اور ایک بیوی ہونے کے ناطے مجھ پہ فرض ہے کہ میں آپ کا خیال رکھوں، آپ کے کام خود کروں، اب اس سے آپ کی عادت بگڑتی ہے یا سنورتی ہے، مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' اس نے چائے کا کپ اٹھا کر بہت

ہی نارمل سے انداز میں اس کی سمت بڑھایا تھا اور عارفین مزید انکار اور اگنور نہیں کر سکتا تھا، اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہی بنی تھی۔

''کھانا کب کھائیں گے؟'' وہ اسے چائے دے کر واپس پلٹ رہی تھی، جب ذرا ٹھہر کر پوچھا تھا۔

''فی الحال بھوک نہیں ہے لیٹ نائٹ کھا لوں گا۔'' وہ چائے کا سپ لیتے ہوئے مڑ کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے چلا گیا تھا، اور اروی باہر نکل گئی تھی۔

❁......❁......❁

''میری وائٹ شرٹ کہاں ہے؟'' عارفین اپنی شرٹ ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گیا تو جھنجلا کے پوچھا تھا اور اروی جو اپنی فراغت کی وجہ سے کوئی کتاب پڑھنے بیٹھی تھی چونک کر سیدھی ہو گئی۔

''آپ کی وائٹ شرٹ پہ داغ لگا ہوا تھا، میں نے اسے دھو کر دھوپ میں پھیلایا ہے۔'' وہ کتاب بیڈ پہ اوندھی رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''کونسی دھوپ میں؟'' عارفین نے مزید جھنجلا کر پوچھا۔ باہر اتنی دھوپ نکلی ہوئی تھی اس لئے میں نے......'' کہتے کہتے اروی کی نظر کھڑکی کی سمت اٹھی اور وہ حیران رہ گئی، ہلکی بارش کے ساتھ ہلکی ہلکی برف کی پھوار بھی جاری تھی۔

''لیکن تھوڑی دیر پہلے تو اتنی اچھی دھوپ تھی کہ سبھی لوگ سڑکوں پہ نکل آئے تھے۔'' اروی کو ذرا سی دیر میں موسم کی ایسی تبدیلی پہ حیرت ہو رہی تھی۔

''محترمہ یہ مری ہے ہمارا کراچی نہیں۔ جہاں خوش گوار موسم کبھی قسمت سے ہی میسر آتے ہیں۔'' اس نے سر جھٹکتے ہوئے طنز کیا تھا اور اپنی دوسری شرٹ ڈھونڈنے لگا جو اس کی پینٹ سے کچھ میچ کر جاتی...... اتنے میں اروی دروازہ کھول کر باہر نکل گئی تھی۔ لان کے ایک کونے میں شاید دو روز پہلے ہی اس نے رسی باندھی تھی کہ کبھی کبھار کوئی کپڑا ہی سکھانے کے لئے ڈال دیا جاتا ہے اور آج اس نے اس رسی سے کام لے ہی لیا تھا۔ مگر موسم کام خراب کر گیا تھا۔

''ایم سوری سر شرٹ تو خراب ہو گئی ہے۔'' وہ جب واپس آئی تو تھر تھر کانپ رہی تھی، برف کی ٹھنڈک سے اس کی رنگت نیلی پیلی ہو گئی تھی۔ بارش کے قطرے اس کے دوپٹے کو بھی بھگو گئے تھے اور برف کی پھوار ابھی بھی اس کے سر پہ سفید روئی کی طرح جمی نظر آ رہی تھی۔ عارفین نے بے حد سرسری نظر سے اس کو سرتاپا دیکھا تھا۔ مگر سرسری نظر کب ''گہری نظر'' میں بدل گئی اسے کچھ پتہ نہیں چلا تھا۔

''محترمہ صرف شرٹ ہی خراب نہیں ہوئی آپ کا حلیہ بھی خراب ہو چکا ہے۔'' عارفین نے اس کے بھیگے ہوئے کپڑوں کی سمت اشارہ کیا تھا۔

''اوہ نو۔'' اسے اپنی سنگین غلطی کا اب احساس ہوا تھا۔

''کیوں کیا؟''

''میرے یہ کپڑے بھی بھیگ گئے اور وہ کپڑے بھی۔''

''وہ کپڑے؟'' عارفین نے سوالیہ دیکھا۔

''ہاں میں نے اپنے کپڑے بھی دھو کر پھیلائے تھے۔'' اس نے غلطی کا اعتراف کیا۔

''تو کیا اور کپڑے نہیں ہیں آپ کے پاس؟'' وہ چونک اٹھا، اس نے اروی کے کپڑوں پہ غور کیا، تو وہی تین، چار مخصوص سے سوٹ یاد آئے جو وہ گھر سے ساتھ لے کر آئی تھی، جبکہ عارفین اور زونلہ تو اپنے لئے اتنے عرصے میں کئی بار شاپنگ کر چکے تھے، بلکہ یہاں آ کر زونلہ کا تو کام ہی یہی تھا یا گھومنا پھرنا یا ہر روز شاپنگ کرنا، اس وقت بھی وہ کہیں باہر نکلی ہوئی تھی۔ اس کی چپ سے وہ شرمسار سا ہو گیا تھا اور کوئی بھی سوال کئے بغیر رخ پھیر لیا تھا۔ ایک بار پھر اس سے کوتاہی ہو گئی تھی۔

جب اروی اتنے نازک اور سنگین حالات کے باوجود اس کی ذرا ذرا سی بات کا خیال اور دھیان رکھ سکتی تھی تو پھر وہ ایسا کیوں نہیں کرتا تھا؟ اتنا لاپروا کیوں ہو جاتا تھا، آخر؟ لیکن اب اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ بھی اس کا بھرپور خیال رکھے گا۔ اسے اروی کے رنگ اڑے کپڑے دیکھ کر بے حد ندامت ہو رہی تھی کہ اسے پہلے خیال کیوں نہیں آیا؟ وہ خود کپڑے چینج کرنے چلا گیا تھا۔ جب تک اروی نے جیسے تیسے اپنا ایک سوٹ استری سے خشک کر ہی لیا تھا اور اپنے بھیگے ہوئے کپڑے چینج کر کے دوسرے پہن لئے تھے۔

''تم کھانا بنا چکی ہو؟'' عارفین پرفیوم اسپرے کرتے ہوئے بولا۔

''نہیں ابھی بنانے لگی ہوں۔'' اروی کچن میں جانے کی تیاریوں میں تھی۔

''نہیں آج رہنے دو، آج ہم باہر سے کھانا کھائیں گے۔'' وہ اپنا والٹ اٹھا کر جیب میں رکھتے ہوئے بولا تھا۔

''لیکن باہر سے کیوں؟'' اروی حیرانی سے بولی تھی۔

''بس آج اتنے اچھے موسم کو دیکھ کر موڈ ہو رہا ہے اور ویسے بھی کبھی کبھی ہوٹلنگ بھی کر لینی چاہیے طبیعت پہ اچھا اثر پڑتا ہے۔'' وہ اپنا موبائل اور گھڑی بھی اٹھا چکا تھا۔

''لیکن میں کیسے جا سکتی ہوں؟'' اروی کو اپنی حالت دیکھ کر احساس ہوا تھا، بے حد عام سے کپڑے، نہ کوئی گرم چادر تھی اور نہ ہی گرم سلیپر تھے۔

''یہ میری چادر لے لو۔'' عارفین نے اپنی گرم وول کی چادر اٹھا کر اسے تھمائی کہ وہ کندھوں پہ ڈال لے۔

''مگر سر اس طرح اچھا۔''

''کچھ نہیں ہو گا یار تم چلو تو سہی۔'' عارفین نے بے ساختگی سے کہتے ہوئے اس کو ہاتھ سے پکڑ کر کھینچا تھا اور پھر اگلے ہی لمحے اپنی بے تکلفی اور بے ساختگی کا احساس بھی ہو گیا تھا۔

''سوری۔'' اس نے ذرا خجل ہوتے ہوئے اروی کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا اور اروی نظریں چرا گئی تھی۔

وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے پورٹیکو میں پہنچے ہی تھے کہ اتنے میں زونلہ اپنی گاڑی سے اترتی دکھائی دی تھی۔

''اوہو جناب آج کہاں کی تیاریاں ہیں؟'' زونلہ نے انہیں ایک ساتھ دیکھ کر معنی خیز خوشگواریت کا اظہار کیا تھا۔ اروی کا چہرہ جھک گیا تھا۔

''بس آج مال روڈ پہ گھومنے کا موڈ ہو رہا ہے۔'' عارفین گاڑی کا ڈور کھولتے ہوئے لاپروائی سے بولا تھا۔

''او یعنی شاپنگ کرنے کا ارادہ ہے؟''

''ہوں...... بالکل شاپنگ کا ارادہ ہے۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا اور اروی کو گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

''اچھا ارادہ ہے او کے انجوائے یور سیلف۔'' زوملہ مسکراتی ہوئی اندر چلی گئی تھی اور عارفین ایک پل کے لیے یہ سوچنے پہ مجبور ہو گیا تھا کہ کیا بیویاں زوملہ جیسی بھی ہوتی ہیں جو اپنے شوہر کو دوسری عورت کے ہاتھوں سونپ کر اس کے ساتھ دیکھ کر خوش ہوتی ہیں؟ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ مزید سوچتا، مگر اروی کا خیال کرتے ہوئے اس نے سر جھٹک دیا تھا اور گاڑی باہر نکال لی تھی۔ عارفین اس کی چپ اور اداسی دور کرنے کی غرض سے اس کے گھر والوں کا ذکر چھیڑ لیتا تھا اور وہ ذرا دیر کے لئے کچھ بہل جاتی تھی، اس وقت بھی وہ باتیں کرتے کرتے شاپنگ کرنے نکل آئے تھے اور رفتہ رفتہ عارفین نے ڈھیر ساری شاپنگ کر ڈالی تھی۔

''سر پلیز بس کریں، اتنا سب کچھ لینے کی کیا ضرورت ہے؟'' اروی اسے روکنے لگی، وہ اتنی شاپنگ دیکھ کر بوکھلا گئی تھی۔

''یہ سب تمہاری ضرورت کی چیزیں ہیں، جب گھر جا کر استعمال کرو گی تو پھر تمہیں اندازہ ہو گا کہ تمہیں ان کی کتنی ضرورت تھی۔'' اس نے اس کے لئے کاسمیٹکس کی بھی کافی چیزیں لی تھیں اور کچھ چیزیں اس نے وہ بھی خریدی تھیں جن کو دور سے ہی دیکھ کر اروی شاپ میں داخل ہی نہیں ہوئی تھی، اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور ہتھیلیوں میں پسینہ پھوٹ نکلا تھا۔

''چلو اب کچھ کھا لیتے ہیں، کافی بھوک لگ رہی ہے۔'' وہ شاپنگ بیگ سنبھال کر والٹ جیب میں ڈالتے ہوئے باہر آیا تو اروی نے اسے دیکھنے سے بھی گریز کیا تھا۔ عثمانیہ ریسٹورنٹ تک وہ دونوں چھتریوں کا سہارا لے کر پیدل چلتے ہوئے آئے تھے۔ بارش کی بوندوں میں تو کمی آ گئی تھی، مگر برف کی پھوار ابھی بھی ہنوز تھی۔ ان کی واپسی رات دیر گئے ہوئی تھی اور تب تک زوملہ سو چکی تھی، اسے کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کیا کچھ لے کر آئے تھے؟ اور آتے سمے اتنے تھکے ہوئے تھے کہ بیڈ پہ گرتے ہی نیند آ گئی تھی۔ حالانکہ جسم سن ہو رہا تھا۔

❁......❁......❁

وہ عارفین جس نے پہلے روز سے اروی حیات کو کبھی بھی نہ چھونے کا عہد کر رکھا تھا، وہ اب اپنے عہد سمیت متزلزل ہو چکا تھا اس کا دل، اس کا دماغ، اس کی سوچیں، اس کی دھڑکنیں اسے کسی نئی راہ پر ڈال رہی تھیں اور وہ بیٹھے بٹھائے اک نئی ڈگر پہ چل نکلا تھا۔ اروی کے حوالے سے اس احساسات اور جذبات میں کافی زیادہ تبدیلی آ گئی تھی، وہ اپنے رشتے کو کچے رنگ کی بجائے ایک پکا رنگ دینا چاہتا تھا اور اس حوالے سے اس نے بہت کچھ سوچ لیا تھا، اسی لئے آج کل وہ کچھ فریش اور ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا اور اس کے موڈ کی خوشگواریت اروی کے علاوہ بھی سبھی نے محسوس کی تھی۔

اس وقت وہ اپنے کمرے کے ٹیرس پہ دو کرسیاں ڈالتے بیٹھے ہوئے تھے اور برف باری کا منظر انجوائے کر رہے تھے، ساتھ ساتھ ہلکی پھلکی باتیں بھی جاری تھیں۔

''اس موسم میں سب سے زیادہ ضروری چیز ہوتی ہے چائے، اور وہ ہمارے پاس ہے ہی نہیں، اس لئے آپ ویٹ کریں میں ابھی چائے لے کر آتی ہوں۔'' اروی مسکراتے ہوئے کہہ کر یک دم اٹھ کھڑی ہوئی تھی، مگر عارفین نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا، اس کے مضبوط ہاتھ کی پر حدت گرفت کا لمس ''کچھ اور ہی کہہ رہا تھا'' جس پہ اروی کا دل سکڑ کر سمٹا تھا۔

''بیٹھ جاؤ اس موسم میں ''صرف'' چائے ہی ضروری نہیں ہوتی ایک دوسرے کا ساتھ اور قربت بھی بہت معنی رکھتی ہے۔ چائے تو بعد میں بھی مل سکتی ہے، مگر احساس کے لمحے دوبارہ ہاتھ نہیں آتے۔'' اس نے اروی کا ہاتھ چھوڑے بغیر اسے واپس چیئر پہ بٹھا دیا تھا اور اروی کی جیسے قوت گویائی منجمد سی ہو کے رہ گئی تھی۔

''اس وقت میرے ہاتھ میں چائے کا کپ نہیں بلکہ تمہارا ہاتھ دلکش لگ رہا ہے اور اس موسم کی ساری رنگینی، سارا لطف تمہارے اس خوبصورت ہاتھ کے لمس میں سمٹ آیا ہے۔ اب تم بتاؤ کہ میں اس ہاتھ کو چھوڑ کر ایک بے جان کپ کی کیسی خواہش کر لوں؟'' عارفین اور اروی کی کرسیاں اک دوسرے کے آمنے سامنے بچھی ہوئی تھیں، دونوں روبرو بیٹھے تھے اور اس کا ہاتھ وہ اپنے دونوں ہاتھوں میں دباتے ہوئے بغور اس کی مخروطی انگلیوں اور تراشے ہوئے ناخنوں کو دیکھ رہا تھا۔

''تمہارے ہاتھ بہت خوبصورت ہیں اور اروی، اگر کبھی اس ہاتھ پہ میں اپنا دل رکھ دوں تو کیسا لگے گا؟'' وہ اس کی شفاف گلابی ہتھیلی پھیلاتے ہوئے بولا، اروی نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''بولو اروی کیا میں اس ہاتھ پہ اپنا دل رکھ سکتا ہوں؟'' اب کی بار اس کے لہجے میں بے قراری سمٹ آئی تھی۔

''سر میرے اس ہاتھ کی اتنی اوقات کہاں کہ اس پہ کوئی اپنا دل رکھ دے۔ یہ ہاتھ ایک غریب مفلس لڑکی کا ہاتھ ہے، یہ ہاتھ بہت سے لوگوں سے بھیک مانگ چکا ہے، بہت حقیر ہے یہ اور آپ۔'' وہ کچھ کہتے ہوئے چپ ہو گئی تھی۔

''میں اس سے زیادہ حقیر ہوں اروی۔ جیسے یہ خالی ہے ویسے ہی میں بھی خالی ہوں، میرے پاس بھی کچھ نہیں ہے......اور جو ہے وہ میں اس ہاتھ میں سونپ دینا چاہتا ہوں، اور جو چیز میں اس ہاتھ میں سونپ رہا ہوں وہ میں نے آج تک کبھی کسی کے حوالے نہیں کی، کبھی کسی کا سایہ بھی نہیں پڑنے دیا یا پھر مجھے یہ کہنا چاہیے کہ مجھے آج تک کوئی ایسا ملا ہی نہیں جو اس کے قابل لگتا اور جب کوئی اس کے قابل لگا تب میں شادی شدہ ہو چکا تھا،

لیکن اللہ نے کچھ ایسی سبیل نکال ہی دی کہ میں آج سب کچھ کہنے کے لئے اپنے آپ کو آزاد محسوس کر رہا ہوں۔"

"سر پلیز آپ یہ دل کے حساب کتاب رہنے دیں کوئی اور بات کریں۔" اروی کترا گئی تھی۔

"کیسے رہنے دوں؟ بڑی مشکل سے تو کوئی لمحہ میسر آیا ہے۔" عارفین نے دل کی گہرائیوں سے کہتے ہوئے اروی کی ہتھیلی کو پورے استحقاق سے چوم کر اپنے دل پہ رکھ لیا تھا اور وہ جیسے لرز کے رہ گئی تھی، اتنی شدید سردی کے باوجود اس کے ماتھے پہ پسینہ آ گیا تھا۔ عارفین ان لمحوں کو کچھ اور طول دیتا، مگر وہ ہاتھ کھینچ کر یک دم اندر آ گئی تھی، اب حال یہ تھا کہ عارفین کی طرف وارفتگی اور والہانہ پن انگڑائیاں لے رہا تھا جبکہ اروی کتراتی ہوئی رہنے لگی تھی، اسے عارفین کے جذبات سے ڈر لگنے لگا تھا کہ آئندہ کیا ہوگا؟ وہ سب کچھ مجبوری کے تحت کر رہی تھی، لیکن محبت کا روگ نہیں پال سکتی تھی۔ بہتر یہی تھا کہ ان کے رشتے کے رنگ کچے رنگ ہی رہتے، اگر گہرے ہو جاتے تو مٹتے مٹتے بھی اتنا وقت لے سکتے تھے۔ جبکہ وہ یہاں ایک ایگری منٹ کے تحت آئی تھی، دلوں کے رشتے پالنے نہیں۔

عارفین کو ایک ہفتہ ہو چکا تھا وہ آفس کے کسی کام سے واپس کراچی آیا ہوا تھا۔ یہاں کا سارا کام منیجر صاحب نے سنبھالا ہوا تھا اور وقتاً فوقتاً رابعہ شیرازی بھی آفس کا چکر لگاتی رہتی تھیں، عارفین کی غیر موجودگی میں وہ اکثر آفس کا کام سنبھال لیتی تھیں، اور اس طرح عارفین کو آفس کی طرف سے ذرا کم ہی ٹینشن ہوتی تھی۔

"عارفین ہماری ایک جاننے والی ہیں، مسز فاروق انصاری ان کا بیٹا حال ہی میں اپنی سٹڈی سے فارغ ہوا ہے، وہ جاب کرنا چاہتا ہے چند روز پہلے ہی جاب کی تلاش میں یہاں آیا تھا، مگر میں نے اسے اپائنٹ نہیں کیا، لیکن اس سے کہہ دیا تھا کہ تم سے مشورہ کر کے بتاؤں گی، اب تم بتاؤ کہ تم کیا کہتے ہو؟ کیا تمہیں کسی ایمپلائز کی ضرورت ہے؟" عارفین بھی مسز فاروق اور مسٹر فاروق انصاری کو جانتا تھا، مگر ان کا بیٹا کون تھا یہ ذہن میں نہیں آ رہا تھا۔

"نام کیا ہے اس کا؟"

"احمر انصاری۔" رابعہ شیرازی کے بتانے پہ اسے یاد آ گیا تھا۔

"اوہ ہاں میری ملاقات ہوئی تھی اس سے کسی فنکشن میں، کافی اچھا لڑکا ہے، آپ اسے اپائنٹ کر لیجئے گا، باقی ساری ڈیٹیلز منیجر صاحب سمجھا دیں گے۔" عارفین کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"گھر......"

"اتنی جلدی؟"

"جی وہ بابا جان آنے والے ہیں، انہوں نے مجھے تھوڑی دیر پہلے فون پہ بتایا ہے۔"

"جو کچھ تمہیں سمجھایا ہے تم بابا جان سے وہی کہنا، او کے؟" ان کی تاکید پہ وہ کچھ بھی کہے بغیر باہر نکل آیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ گھر پہنچا تو بابا

جان اس سے پہلے آئے بیٹھے تھے، اتنے دنوں بعد پوتے کو دیکھ رہے تھے۔ لہٰذا بازو پھیلا دیئے تھے اور وہ بھی خاصی گرمجوشی سے ملا تھا۔

''کیسے ہیں آپ؟ اور بی بی جان کی طبیعت کیسی ہے، اور مہر النساء آنٹی بھی ٹھیک ہیں نا؟'' وہ فرداً فرداً سب کا پوچھ رہا تھا۔

''اللہ کا کرم ہے بیٹا سب اچھے حال میں ہیں، تم اپنی سناؤ، زوئلہ کیسی ہے؟'' بابا جان کی تان آخر کار زوئلہ پہ آ کر ہی ٹوٹتی تھی۔

''زوئلہ بھی ٹھیک ہے، اس کے انگلینڈ جانے کے سارے انتظامات ہو چکے ہیں اور ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ بھی لے لی ہے۔'' یہ وہ جملہ تھا جو عارفین نے رابعہ شیرازی کے حسب منشا ادا کیا تھا، ورنہ بابا جان کو اندھیرے میں رکھنے کا خیال ہی اسے بے چین کر ڈالتا تھا۔

مگر اس کی مجبوری تھی اگر ایسا نہ کرتا تو اس کی نام نہاد ماں گھر چھوڑ کر چلی جاتی اور وہ اپنی سوسائٹی میں کیا منہ دکھاتا؟ بیس سال ہو گئے تھے ملنے ملانے والے ابھی تک اس کے باپ کے گھر چھوڑ دینے کی باتیں کرید کرید کر پوچھتے تھے اور اب اگر اس کی ماں بھی ایسا کر گزرتی تو وہ آئندہ بیس سال ماں کے چلے جانے کی لوگوں کو وضاحتیں دیتا پھرتا...... اور یہ ہی وہ نہیں چاہتا تھا، اسی لئے اس نے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا تھا اور اپنے ضمیر کی عدالت میں بابا جان کا چور بن گیا تھا۔

''یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے، اگر تم زوئلہ کے ساتھ جانا چاہتے ہو تو تم بھی چلے جاؤ۔''

''نہیں بابا جان فی الحال تو وہ وہاں جا کر ڈاکٹر سے چیک اپ اور ٹریٹ منٹ کروائے گی، البتہ کچھ عرصہ بعد میں بھی چکر لگاؤں گا انگلینڈ کا۔'' اس نے بابا جان کو ہر طرح سے مطمئن کر دیا تھا۔

''انشاء اللہ اللہ ہماری مراد ضرور پوری کرے گا، تمہاری بی بی جان نے بہت سی منتیں مان رکھی ہیں۔'' بابا جان بہت خوش لگ رہے تھے اور ان کو خوش دیکھ کر عارفین کو اچھا لگا تھا۔

❁......❁......❁

''اروی! اروی! کہاں ہو؟'' واپس گھر آتے ہی عارفین نے اسے پکارنا شروع کیا تھا، نہ جانے کب اور کیسے اس میں روایتی شوہروں جیسے جراثیم پیدا ہونا شروع ہو گئے تھے، وہ ہی انداز و اطوار، وہ ہی لپک، وہی بے تابیاں تھیں اس میں...... گو کہ پہلے کبھی بھی اس نے ایسی حرکتیں نہیں کی تھیں، لیکن اروی کے معاملے میں وہ سچ مچ ایک مشرقی خواہشات رکھنے والا مرد اور شوہر ثابت ہو رہا تھا۔

''اروی۔'' وہ اسے ڈھونڈتے ہوئے اوپر بیڈ روم میں چلا آیا تھا، لیکن اسے بستر میں لیٹا دیکھ کر ٹھٹک کر اندر آ گیا تھا۔ اس نے اروی کے چہرے سے آہستگی سے کمبل ہٹایا تھا اور اس کی نظریں اروی کے سیاہ گھنے اور دراز بالوں میں الجھ کر رہ گئی تھیں، اس کے بال پورے بیڈ کا احاطے کئے ہوئے لگ رہے تھے اور خود وہ گہری نیند سو رہی تھی، لیکن اس کے بالوں کی خوب صورتی ایسی تھی کہ عارفین انہیں چھونے سے خود کو روک نہیں پایا تھا۔ وہ آج پہلی بار اس کے بالوں کو کھلے ہوئے دیکھ رہا تھا، پہلے اس نے نہ جانے کیسے چھپا کر رکھے ہوئے تھے۔ اس کی قربت کا احساس ہی تھا کہ اروی کی آنکھیں فوراً کھل گئی تھیں۔

''سر آپ؟'' وہ اسے دیکھ کر یک دم اٹھ بیٹھی تھی، لیکن بوکھلاہٹ میں یہ بھول گئی کہ وہ دوپٹے کے بغیر سوئی ہوئی تھی، کیونکہ اسے عارفین کی

واپسی کی ہرگز توقع نہیں تھی۔

''تمہیں سرپرائز دینے کے لئے بغیر بتائے آیا ہوں۔'' عارفین نے کہتے ہوئے اروئی کے مدہوش سراپے سے اپنی نگاہیں چرانے کی بھرپور کوشش کی تھی، مگر دل و دماغ بار بار اس کے حلئے میں اٹک رہے تھے۔ سیاہ بال اس کے وجود کو ڈھانپے ہوئے تھے۔ موٹی موٹی براؤن آنکھیں ادھوری کچی نیند کی وجہ سے گلابی رنگ ہو رہی تھیں اور بغیر دوپٹے کے سراپا بہت ہی دلفریب سا نظارہ بخش رہا تھا۔ اروئی اس کی نظروں کا بدلا ہوا رنگ دیکھ کر فوراً سامنے سے اٹھ گئی تھی اور لپک کر اپنا دوپٹہ اوڑھ لیا تھا۔ مگر اس وقت تو وہ کترا گئی تھی، لیکن رات جب وہ اس کے پہلو میں لیٹی تو دل بے تحاشا دھڑک رہا تھا۔ حالانکہ پہلے بھی اتنے عرصہ سے وہ ایک ہی بیڈ شیئر کرتے آ رہے تھے، لیکن آج اروئی کے لئے بیڈ بھی جیسے پل صراط بن گیا تھا، نہ لیٹ سکتی تھی، نہ وہاں سے اٹھ سکتی تھی۔ وہ دم سادھے کروٹ بدل کر سونے ہی والی تھی کہ عارفین نے اسے بازو کے گھیرے میں لے کر قریب کر لیا تھا۔

''سر پلیز۔'' بے ساختہ احتجاج ابھرا۔

''ڈونٹ وری یار ہم میاں، بیوی ہیں۔'' اس کی گھمبیر سرگوشی اور مضبوط گرفت اروئی کی رگوں میں دوڑتا لہو منجمد کر گئی...... عارفین نے دوسرے ہاتھ سے سائیڈ ٹیبل پہ رکھا لیمپ بجھا دیا تھا۔

❁......❁......❁

صبح فجر کی نماز کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو سب کے لئے دل کھول کر دعا کی تھی، لیکن جب اپنے لئے کچھ مانگنے کی باری آئی تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے اور آہستہ آہستہ اس کے آنسو ہچکیوں میں بدل گئے، وہ بلک بلک کر رونے لگی تھی، اس کا جی چاہ رہا تھا وہ دھاڑیں مار مار کر روئے...... آج عارفین کی قربت کیا پائی تھی کہ ساتھ ہی کچھ کھونے کا دھڑکا بھی لگ گیا تھا۔ موسم بہار میں بھی اسے خزاں کی آمد کا خوف اپنے گھیرے میں لے چکا تھا، اس کا دل عارفین کی والہانہ چاہتوں سے بھی انکاری تھا، وہ ہر چاہت، ہر جذبے سے انکاری ہو رہی تھی، کیونکہ اسے پتہ تھا کہ انجام بہت برا ہوگا۔ آج اس کی آنکھیں ہی نہیں دل بھی رو رہا تھا۔ اس کی دھڑکنیں بہت سفاک آہٹیں سن رہی تھیں، لیکن اس کی سوچوں اور خدشوں سے ہٹ کے عارفین کچھ مطمئن تھا، کیونکہ وہ کوئی فیصلہ کر چکا تھا اور اس پہ پرسکون تھا۔

''کیا بات ہے اروئی؟ تم روتی رہی ہو کیا؟'' وہ آفس جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا اور وہ نظریں جھکائے اس کی تیاری میں اس کی ہیلپ کر رہی تھی، جب بے ساختہ عارفین کی نظر اس کی سرخ ناک اور سوجے ہوئے پپوٹوں سے ٹکرائی تھی اروئی اس کی ٹائی میچ کر کے رکھ رہی تھی، اس کے سوال پہ رخ پھیر گئی تھی۔

''اروئی ادھر دیکھو میری طرف۔'' عارفین نے دائیں ہاتھ سے اس کا چہرہ اونچا کیا، اروئی کے آنسو آنکھوں سے رخساروں تک سفر طے کر آئے تھے۔

''کیا کچھ غلط ہو گیا ہے؟'' عارفین کا لہجہ بے حد سنجیدہ ہو چکا تھا، لیکن اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی سخت بات کرتا اروئی بے ساختہ اس کے سینے سے لگ کے بلک بلک کر رو پڑی تھی اور وہ اس کے ہچکیوں سے لرزتے وجود کو کتنے لمحے بس دیکھتا رہ گیا تھا، وہ اس کے رونے کا سبب ڈھونڈ رہا تھا

اور جب ذہن وہاں تک پہنچا اسے بھی اروئ کے رونے کی وجہ سمجھ آ گئی تھی، جبھی اس کے گرد باز و حمائل کرتے ہوئے اس کی کمر کو ہلکے سے سہلایا تھا۔

''دیکھو تم ابھی سے اپنے آپ کو پریشان مت کرو، انشاء اللہ، اللہ بہتر حل نکالے گا، میں وعدہ کرتا ہوں میری جان میں تمہارے ساتھ ہوں اب ہمارا رشتہ کاغذی رشتہ نہیں ہے، اب تم میری زندگی میں شامل ہو چکی ہو اور میں تمہیں اتنی آسانی سے اپنی زندگی سے الگ نہیں کر سکتا...... مجھے اپنے لئے اور تمہارے لئے کوئی اسٹینڈ ضرور لینا پڑے گا اور میں انشاء اللہ ایسا ضرور کروں گا۔ ڈونٹ وری پلیز، چپ ہو جاؤ رونے سے کچھ اچھا نہیں ہوگا۔'' وہ اس کے بالوں کو تھپکتے ہوئے اسے تسلی دے رہا تھا اور وہ بمشکل اپنے آپ کو سنبھالتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی تھی۔

''پلیز اروئ اتنی ٹینشن مت لو، پانی پتھروں اور پہاڑوں کے درمیان سے بھی اپنی راہ بنا لیتا ہے اور گزر جاتا ہے، اور اسی طرح اگر رشتہ اور جذبہ سچا ہو تو وہ بھی پوری دنیا، پورے معاشرے میں اپنا آپ منوا لیتا ہے۔ ہمارا رشتہ ناجائز نہیں ہے، ہم میاں، بیوی ہیں، ہمارا تعلق کبھی نہیں ٹوٹے گا اور جس چیز سے تم ڈر رہی ہو میں اس چیز پہ مطمئن ہوں، مجھے خوشی ہوگی کہ تم میرے بچے کی ماں بنو گی اور یہ بچہ ہی ہوگا جو ہمارے رشتے کو مزید مضبوط بنائے گا، ایک دن تمہارے گھر والے اور میرے گھر والے اس حقیقت کو قبول کرنے پہ مجبور ہو جائیں گے، البتہ جس غلط طریقے سے اور غلط پلاننگ سے یہ سب کچھ ہوا ہے، وہ واقعی معافی کے قابل نہیں ہے، لیکن پھر بھی میں وقت آنے پہ تمہارے گھر والوں سے خود ہاتھ جوڑ کے معافی بھی مانگوں گا اور سب کچھ سچ سچ بھی بتاؤں گا، لیکن پلیز تم بس کچھ مت کرنا صرف اور صرف میرا ساتھ دینا، وقت اور حالات کے دھارے کو سمجھنے کی کوشش کرنا پلیز میری خاطر۔'' عارفین نے اسے بہت طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی تھی، لیکن پھر بھی اس کے دل کا خوف اور دھڑ کا کم نہیں ہوا تھا، البتہ وہ روتے روتے چپ ضرور ہو گئی تھی۔

❁......❁......❁

''ارے مام آپ بے فکر رہیں سب کچھ ہماری خواہش کے مطابق ہی ہو رہا ہے، عارفین آج کل اس کے آگے پیچھے پھر رہے ہیں، لگتا ہے اس پہ فدا ہو چکے ہیں، بس سمجھیں ہمارا کام ہو ہی جائے گا۔'' زونلہ یہاں کی ساری صورتِ حال رابعہ شیرازی کے گوش گزار کر رہی تھی۔

''کیا تمہیں اندازہ ہے کہ ان کے بیڈ روم کے اندر کے تعلقات کیسے ہیں؟ اک دوسرے کے قریب بھی آتے ہیں کہ نہیں؟ یا پھر وہ دونوں ناٹک کرتے پھر رہے ہیں؟'' رابعہ شیرازی کو اروئ کی طرف سے کوئی ڈر نہیں تھا، کیونکہ انہوں نے ہر طرح سے وارن کر کے بھیجا تھا۔ البتہ اصل پرابلم عارفین کی طرف سے تھی کہ کہیں وہ ہی ڈنڈی نہ مار جائے۔

''ارے مام آپ بھی پاگل ہیں شاید، ذرا خود سوچئے آگ کے اوپر اگر پانی رکھ دیا جائے تو وہ ضرور اُبلے گا، اسی طرح مرد اور عورت کا تعلق بھی آگ اور پانی جیسا ہی ہے یا تو آگ پانی بن جاتی ہے یا پھر پانی آگ بن جاتا ہے۔'' زونلہ نے رابعہ شیرازی کو معنی خیز اشارہ دیا تھا وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھیں۔

''او کے۔ پھر ٹھیک ہے اور تم سناؤ لندن جانے کی تیاری مکمل ہے نا؟''

''یس مام سب کچھ مکمل ہے بس گڈ نیوز کا انتظار ہے۔'' زونلہ بے زار ہوئی تھی۔

''ارے مائی سن گھبراؤ مت۔ انشاءاللہ سب کچھ تمہارے لیئے ہی تو ہے۔'' انہوں نے اسے تسلی دی تھی اور زونلہ خاموشی سے سب سنتی رہی، وہ سچ مچ اپنے فرینڈز اور پارٹیز سے دور ہو کر بور ہو گئی تھی اور جلد از جلد یہاں سے نکلنا چاہتی تھی۔ اب اس کا ٹارگٹ انگلینڈ گھومنا تھا، اس کے دیگر رشتہ دار بھی وہاں تھے اور اس کے عیاش قسم کے کزن اس کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔

❁......❁......❁

ٹھیک دو ماہ بعد ہی اروئی کو اپنی کنڈیشن بدلی ہوئی لگنے لگی تھی، اس کے کام کاج کرنے میں سستی اور کھانے پینے میں بے زاری آ گئی تھی اور بہت سی چیزیں ایسی تھیں جنہوں نے اسے ڈاکٹر سے چیک اپ کروائے بغیر ہی مشکوک کر ڈالا تھا، وہ تو بری طرح سہم گئی تھی، جبکہ عارفین کا دل پھول کی مانند کھل اٹھا تھا، وہ شام ہوتے ہی اسے ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا اور پھر مثبت رپورٹ ملنے پر اس کی خوشی کی انتہا نہیں رہی تھی اور رفتہ رفتہ اس خوشی میں زونلہ اور رابعہ شیرازی بھی شریک ہو رہی تھیں، اور عارفین نے خوشی کے مارے بابا جان کو بھی فون کر ڈالا تھا۔

''مبارک ہو بابا جان آپ پردادا بننے والے ہیں۔'' اس کی خوشی سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی، آج اس کے دل کی مراد پوری ہو رہی تھی، آج اس کی مردانگی پہ لگا دھبہ ڈھل گیا تھا، اور دوسری طرف بابا جان نے باقاعدہ بھنگڑا ڈالا تھا۔

''شاباش میرے جوان تم نے ہمیں پرپوتے کی نہیں بلکہ زندگی کی دائمی خوشیوں کی نوید سنائی ہے، تم نے ہمارے دل کا ارمان پورا کیا ہے جیتے رہو، آباد رہو۔'' وہ کہتے کہتے اندر سے اداس بھی ہو گئے تھے۔

''کیا ہوا بابا جان، آپ چپ کیوں ہو گئے؟'' وہ پریشان ہوا تھا۔

''نہیں بیٹا ایسی کوئی بات نہیں ہے، تم سناؤ زونلہ سے رابطہ ہوا، وہ کیسی ہے؟'' وہ بات اور لہجہ بدل گئے تھے۔

''جی وہ ٹھیک ہے، بہت جلد آپ سے بات کرے گی۔'' عارفین زونلہ کے ذکر پہ کچھ مدھم پڑ گیا تھا، تب ہی اس کی نظر اروئی کی سمت اٹھی، وہ بے حد سست اور اداس قدموں سے سیڑھیاں چڑھتی اوپر بیڈروم میں جا رہی تھی۔ اروئی کی اداسی اور چپ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر بات کرنے کے بعد فون بند کر دیا تھا۔

❁......❁......❁

اروئی بہت دیر سے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے ایک ہی زاویے سے بیٹھی تھی، اس کی نظروں کا مرکز کوئی غیر مرئی نقطہ تھا، جبکہ عارفین کمپیوٹر میں کوئی ضروری کام کرتے ہوئے بار بار گردن موڑ کے اسے دیکھ رہا تھا۔ جب تک وہ بیڈ پہ نہیں آتا تھا اروئی سوتی نہیں تھی، اسے عارفین سے پہلے سو جانا کچھ مناسب نہیں لگتا تھا، ابھی بھی وہ اس کے انتظار میں بیٹھی تھی اور وہ جلدی جلدی کام بنٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر پھر بھی اسے ایک گھنٹہ لگ ہی گیا تھا۔ جب وہ بستر پہ آیا اروئی بری طرح تھک چکی تھی۔

''کیا بات ہے، تم اتنی اداس کیوں ہو؟'' اپنی ٹانگوں پہ کمبل پھیلاتے ہوئے وہ اس کی سمت متوجہ ہوا تھا۔

''کچھ نہیں بس نیند آ رہی ہے۔'' اروئی سیدھی ہو کر لیٹ گئی تھی اور کمبل سینے تک اوڑھ لیا تھا۔

''نیند تو اب آ رہی ہے جبکہ تم تو صبح سے ہی اداس اور چپ۔''

''پلیز سر آج کچھ مت کہیں۔ سونے دیں مجھے۔'' وہ عارفین کی بات درمیان سے کاٹتے ہوئے دوٹوک خفگی بھرے لہجے میں بولی تھی۔

''لیکن اروی تم۔''

''سر پلیز۔ کیا آج آپ میری بات نہیں مان سکتے؟'' وہ بھیگے سے انداز میں بولی تھی اور عارفین اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے چپ ہوگیا تھا۔ اروی اس کے بازو پہ سر رکھے لیٹی تھی، پلکیں موند کر سونے کی کوشش کی تو کئی آنسو خاموشی سے عارفین کے بازو پہ جذب ہونے لگے تھے۔ بہت دیر تک وہ بے آواز روتی رہی اور بہت دیر تک وہ اس کے بالوں کو انگلیوں سے سہلاتا رہا تھا۔ رات گئے جب وہ سوئی تو وہ آہستگی سے اس کی پیشانی پہ بوسہ دے کر خود بھی سونے کی تیاری کرنے لگا تھا۔

اس خوشخبری کے فوراً بعد ہی زوئلہ انگلینڈ چلی گئی تھی اور اب گھر میں وہ دونوں اکیلے ہوتے تھے۔ اروی کی پریگنینسی کے چند روز بعد اچانک اروی کی امی اور بہروز بھائی نے اروی کو ایک بار گھر آنے کی فرمائش کی تھی۔ وہ لوگ اس سے ملنا چاہتے تھے، اس کے بغیر اداس تھے اور اداس تو اروی بھی تھی۔ لہٰذا اس کے موڈ کے پیش نظر عارفین نے اسے جانے کی اجازت دے دی تھی، لیکن اروی کچھ ہچکچا گئی تھی۔ بے شک ابھی وہ جسمانی لحاظ سے پریگننٹ محسوس نہیں ہوتی، لیکن پھر بھی خود اس کو تو پتہ ہی تھا، وہ ایسی حالت میں گھر جاتے ہوئے ڈر رہی تھی۔

''ڈونٹ وری یار، کچھ نہیں ہوگا، میں بھی ایک ہفتہ کے لئے کراچی جا رہا ہوں، تم بھی میرے ساتھ چلو میں تم سے کانٹیکٹ کرتا رہوں گا اور ایک ہفتے بعد ہم دوبارہ واپس آجائیں گے۔''

''لیکن سر میرا اس حالت میں گھر جانا مناسب نہیں ہوگا۔'' وہ آمادہ نہیں ہو رہی تھی۔

''دیکھو اروی تمہیں یہاں آئے ہوئے چار، پانچ ماہ ہو چکے ہیں، اس لئے تمہارے گھر والے تم سے ملنے کے لئے اداس اور پریشان ہیں اور ابھی تمہاری ڈلیوری میں مزید چھ ماہ باقی ہیں تم خود سوچو تم اپنے گھر والوں کو اگلے چھ ماہ تک کیسے ٹالتی رہو گی؟ جبکہ میرے خیال میں تمہیں ان دنوں ان سے مل آنا چاہیے، تاکہ اگلے چھ ماہ تم آرام سے یہاں گزار سکو، اس طرح تمہارے گھر والے بھی مطمئن ہو جائیں گے اور دوبارہ تمہیں اتنی جلدی ملنے کا اصرار بھی نہیں کریں گے، پھر تم زیادہ کام کا بہانہ کر کے آسانی سے انہیں ٹال سکتی ہو۔'' عارفین کا آئیڈیا حقیقتاً کافی اچھا اور حقیقت کے قریب تھا۔ اروی کو حوصلہ کرنا ہی پڑا تھا اور پھر جانے سے پہلے اس نے گھر والوں کے لئے تھوڑی بہت شاپنگ بھی کی تھی۔ بھابی، سونیا، سارہ، امی اور بہروز بھائی کے لئے چھوٹے موٹے گفٹ لئے تھے اور عارفین کے ساتھ کراچی آگئی تھی۔

❁......❁......❁

اروی گھر پہنچی تو اسے سرپرائز ملا تھا، بھائی کے ہاں بیٹا ہوا تھا، لیکن ان لوگوں نے اروی کو بتایا نہیں تھا۔

''ہائے امی سچ کہہ رہی آپ؟ کہاں ہے میرا بھتیجا؟'' وہ تیزی سے کمرے کی سمت لپکی تھی اور پھر چھوٹے سے ننھے منے سے عمر کو دیکھ کر اس کا دل مچل گیا تھا۔ اسے گود میں اٹھا کر بے تحاشا پیار کر ڈالا تھا۔

''ارے پاگل دم تو لے لو اس کو بھی بوکھلا دیا ہے تم نے۔'' عمر گھبرا کر رو دیا تو امی نے اروی کو مسکراتے ہوئے چپت لگائی تھی۔

''امی اتنا پیارا ہے یہ۔'' اس کے لہجے میں بچوں کی سی خوشی بول رہی تھی، ثمینہ بھابی اور امی مسکرا اٹھیں، لیکن نہ جانے کیوں عمر کو بھابی کے پہلو میں لٹاتے ہوئے اروی کے چہرے کی ہنسی تھم گئی تھی، اسے شاید دھیان کی طنابیں اپنی ذات کی طرف کھینچ کر لے گئی تھیں۔ وہ بھی تو ماں بننے والی تھی، اس کے اندر کی ممتا بھی تو آج کل عروج پر تھی، وہ بھی اس رتبے کو پہنچنے والی تھی۔ لیکن اس کی ممتا کا انجام کیا ہونا تھا؟ اور کس امتحان سے گزرنا تھا؟ یہ سوچ کر ہی ہونٹ چپ ہو گئے تھے۔ مسکراہٹ چہرے سے الگ ہو گئی تھی اور ہلکے خوف کی پرچھائیں لہرانے لگی تھی۔

''بھائی سے نہیں ملوگی؟'' امی نے اس کا کندھا ہلایا تھا۔

''ہوں ملتی ہوں ابھی۔'' وہ پلٹ کر کمرے سے باہر نکل آئی تھی اور پھر کافی دیر تک بہروز بھائی کے پاس بیٹھی رہی، شام کو یسریٰ آپی بھی اس سے ملنے کے لئے آ گئی تھیں، گھر میں خوب رونق لگ گئی تھی، لیکن اروی اپنے آپ کو اندر ہی اندر چور محسوس کر رہی تھی اور ساتھ ہی اپنی حالت کا بھید کھل جانے کا دھڑکا لگا ہوا تھا اور ساتھ میں اداسی بھی تھی۔ عارفین اسے کال کرتا رہا تھا۔ مگر وہ سب کے درمیان کال نہیں سن سکتی تھی، اس لئے ان کی بات چیت میسیجز میں ہوتی رہی، دونوں رات گئے تک میسج کرتے رہے تھے۔

❁.......❁.......❁

اروی کے گھر والے سچ مچ سے مل کر خوش اور مطمئن ہو چکے تھے اور واپسی پہ وہ بھی کچھ ریلیکس تھی۔

''کیسا گزرا ایک ہفتہ؟'' پلین میں بیٹھے تو عارفین نے پہلا سوال یہ ہی کیا تھا۔

''ڈر ڈر کر گزرا ہے۔'' وہ اعتراف کر رہی تھی۔

''اوہ کم آن میری جان، اتنا ڈرنا بھی ٹھیک نہیں ہوتا، جتنا ڈرو گی، دنیا اتنا ہی ڈرائے گی۔'' عارفین نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر آہستگی سے دبایا تھا۔

''اوہ آج تو کیوٹیکس بھی نظر آ رہی ہے؟'' اس کی نظر اروی کے ناخنوں سے ٹکرائی تو بے ساختہ دلچسپی کا اظہار کیا تھا اور اروی جھینپ گئی تھی

''یہ کیوٹیکس میں سارہ کے لئے لے کر گئی تھی اور اس نے ضد کر کے میرے ناخنوں پہ لگا دی۔''

''ہوں اچھے لگ رہے ہیں، آئندہ بھی لگایا کرو۔'' وہ اس کی تعریف پہ نظریں جھکا گئی تھی۔ باقی کا سفر بھی وہ اسے چھوٹی چھوٹی باتوں سے کنفیوژ کرتا ہوا آیا تھا۔

''اپنے بچے کا نام کیا رکھو گی؟''

''میرا بچہ؟''

''ہاں یار تمہارا اور میرا بچہ...... چاہے وہ دنیا کے کسی بھی کونے میں چلا جائے رہے گا تو میرا اور تمہارا ہی نا۔'' عارفین کی بات پہ اس نے چونک کر دیکھا تھا، اس کی بات اروی کے دل کو لگی تھی، واقعی اس کا بچہ چاہے جہاں بھی رہتا...... تھا تو اس کا ہی نا؟

''ارے یار بتاؤ نا کیا نام رکھو گی؟'' اس نے اصرار کیا تھا۔

''اگر میں نام رکھوں تو میں ''روحان'' نام رکھوں گی اور اس کا نک نیم ''حانی'' ہوگا۔ اروی مسکراتے ہوئے بتا رہی تھی۔

''نائس یار یہ نام بہت اچھا ہے؟'' وہ اسے محبت پاش نظروں سے دیکھ کر بولا تھا اور اروی اپنے چہرے پہ اس کی بے تاب نگاہوں کا رقص محسوس کر کے چہرہ جھکا گئی تھی۔

❁......❁......❁

یہ نو ماہ عارفین نے اروی کا پل پل دھیان رکھا تھا۔ اس کے کئی کام وہ خود کر دیتا تھا۔ اس کے کھانے پینے سے لے کر سونے جاگنے اور اٹھنے بیٹھنے پہ بھی بھرپور توجہ دیتا تھا۔ آج بھی وہ اسے ناشتہ کروا کے کمرے میں بیڈ تک چھوڑ کے گیا تھا۔ یہاں تک کہ اسے لیٹنے میں سہارا دیا تھا اور کمبل بھی خود ہی اس کے اوپر اوڑھایا تھا۔

''کوئی بھی ضرورت ہو تو فوراً ملازمہ کو رنگ کر دینا اور اگر کوئی مسئلہ، کوئی تکلیف ہو تو

مجھے کال کر لینا، باہر بہت سردی ہے، نیچے مت آنا۔'' وہ آفس جاتے ہوئے بار بار اسے تاکید کر رہا تھا۔

''سر آپ آج آفس مت جائیں میرا دل گھبرا رہا ہے۔ آپ میرے پاس رہیں۔'' اروی نے عارفین کا بازو آستین سے پکڑ لیا تھا۔

''میری جان میں جلدی آ جاؤں گا بس تھوڑا سا کام ہے، صرف دو گھنٹے کی بات ہے۔'' وہ اس کا گال تھپک کر اپنی آستین چھڑا کر اٹھ گیا تھا۔

''دو گھنٹے بہت ہوتے ہیں سر۔'' وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

''ہاں میں جانتا ہوں دو گھنٹے بہت ہوتے ہیں، لیکن......'' عارفین بھی بے بس تھا۔ کیونکہ وہ جس پروجیکٹ پہ کام کر رہا تھا آج اس پروجیکٹ کا مالک کراچی سے وزٹ کے لئے آ رہا تھا۔ اس لئے عارفین کی موجودگی بے حد ضروری تھی۔ اروی مزید کچھ بھی کہے بغیر خاموشی سے کروٹ بدل کر لیٹ گئی تھی اور عارفین بھی مجبوراً اٹھ کر باہر نکل گیا تھا۔ اروی کا خدشہ بھی آخر سچ ثابت ہوا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد اسے درد سے اپنی حالت غیر ہوتی محسوس ہوئی تھی۔ پہلے تو وہ ضبط کر کے لیٹی رہی، لیکن جب درد نے رگوں کو کاٹنا شروع کیا تو برداشت کا پیمانہ چھلک گیا تھا۔ اس کی چیخ سن کر ملازمہ بھاگتی ہوئی اوپر آئی تھی۔

''اوہ بیگم صاب آپ تو بوت بیمار اے۔'' ملازمہ پٹھانی تھی، اسے دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔

''تم......تم فون......کرو سر کو۔'' اس نے بمشکل اسے فون کرنے کہا تھا۔

''صاب جی بیگم صاب بوت بیمار اے، بڑا خراب حالت ہے بیگم صاب کا۔'' ملازمہ کی فون کال پہ عارفین الٹے قدموں واپس گھر بھاگا تھا، لیکن اسے آتے آتے بھی تقریباً تیس چالیس منٹ لگ گئے تھے۔ رات برف باری ہوئی تھی، اس لئے کئی راستے بلاک تھے۔ جیسے ہی اس نے گھر میں قدم رکھا اسے اروی کی رونے اور چیخ کی آواز سنائی دی، لیکن اس کے پہنچنے تک وہ نڈھال ہو کر حواس کھو چکی تھی۔

''اروی آنکھیں کھولو۔'' وہ گھبرا چکا تھا۔

''صاب پہلے ای بوت دیر ہو چکا ہے آپ بیگم صاب کو گاڑی میں ڈالو ام سمان لے کے آتا ہے۔'' ملازمہ نے اسے مزید دیر کرنے سے روکا تھا، تبھی عارفین اسے اٹھا کر تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

۞......۞......۞

اروی ڈیلوری کے بعد ابھی ہوش میں بھی نہیں آئی تھی کہ رابعہ شیرازی بھی مری پہنچ گئی تھیں اور زوئلہ کو بھی پتہ چل گیا تھا۔

''ماشاءاللہ بہت ہی پیارا ہے میرا پوتا۔'' رابعہ شیرازی نے سرشاری سے کہا تھا، لیکن عارفین کا دھیان اروی کی سمت تھا۔

''ڈاکٹر یہ کب تک ہوش میں آجائیں گی؟'' وہ ڈاکٹر کے پیچھے کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔

''یہ ڈرپ ختم ہونے تک انشاءاللہ وہ ہوش میں آجائیں گی، زیادہ پریشانی والی بات نہیں ہے۔'' ڈاکٹر صاحبہ نے اسے تسلی دی تھی۔ اور واقعی آدھے گھنٹے بعد وہ ہوش میں آگئی تھی۔

''مبارک ہو اروی ہمارے ہاں بیٹا ہوا ہے۔'' عارفین اس کے قریب آتے ہوئے بہت محبت سے بولا تھا اور اروی کے لب بے ساختہ ہلکی سی مسکراہٹ کو چھو بیٹھے تھے۔ مگر صرف ایک پل کے لئے۔

''عارفین تم نے اپنے بابا جان کو بتایا کہ وہ پردادا بن گئے ہیں؟'' رابعہ شیرازی کی آواز پہ اروی نے چونک کر دیکھا تھا، وہ کمرے کے ایک کونے میں لگے صوفے پہ بیٹھی تھیں اور بچہ ان کی گود میں تھا۔ رابعہ شیرازی کی صورت نظر آئی تو ان کا پلان بھی دماغ میں گھوم گیا تھا۔

''میرا بچہ؟'' اروی کا دل کسی نے مٹھی میں لے کر بھینچ ڈالا تھا۔ اس کے سینے سے درد سے ایک کراہ نکلی تھی۔

''کیا ہوا تم ٹھیک تو ہو؟'' عارفین اس کی زرد ہوتی رنگت دیکھ کر جلدی سے اس کا ہاتھ تھام چکا تھا۔

''میرا دل گھبرا رہا ہے۔'' وہ لیٹے لیٹے ہانپنے لگی تھی اور عارفین بدحواسی میں ڈاکٹرز کی سمت لپکا تھا اس کی حالت دیکھ کر رابعہ شیرازی بھی پریشان ہو گئی تھی۔

''ان کا بی پی لو ہو گیا ہے شاید۔'' نرس نے ڈاکٹر کو بتایا تھا، لیکن اس کی طبیعت بگڑتی جا رہی تھی۔ بروقت ٹریٹ منٹ سے ڈاکٹر نے کنٹرول پا لیا تھا۔

۞......۞......۞

زوئلہ کے واپس آنے تک روحان اروی کے پاس ہی رہا تھا۔ وہ آٹھ دن اروی نے مسلسل حانی کو اپنی نظروں کے سامنے رکھا تھا اور ایک سیکنڈ بھی ادھر سے ادھر نہیں ہونے دیا تھا، لیکن ٹھیک آٹھ دن بعد زوئلہ واپس آگئی تھی۔

''سر پلیز ابھی...... ابھی کچھ دن اور اسے میرے پاس رہنے دیں۔'' جب روانگی کا وقت آیا اروی رو پڑی تھی۔

''اروی، حانی تمہارا ہے صرف تمہارا...... بس کچھ دن کی بات ہے، تم اس کو مام کے پلان کے مطابق گھر جانے دو۔ میں جلد ہی کوئی اچھا سا موقع دیکھ کر بابا جان کو سچ بتا دوں گا اور میں خود بابا جان کے ساتھ تمہارے گھر آؤں گا، تمہارے گھر والوں کو سب کچھ خود بتاؤں گا۔''

''سر پلیز مجھے کچھ نہیں سننا، مجھے کوئی تسلی مت دیں۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے، صرف چند دن پلیز، چند دن اور اسے میرے پاس رہنے دیں۔ میں نے تو ابھی اسے ٹھیک طرح سے دیکھا بھی نہیں ہے۔ ابھی تو میری ممتا کی پیاس بھی نہیں بجھی۔ ابھی تو میں نے اس کا کوئی کام بھی اپنے ہاتھوں سے نہیں کیا۔ پلیز سر مجھ پہ ترس کھائیں، اسے میرے پاس رہنے دیں، صرف چند دن اور۔'' اروی حانی کو بانہوں میں بھینچے التجائیہ انداز میں کہتی بلک بلک کر رو پڑی تھی۔ عارفین نے آہستگی سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر دبایا تھا۔

''عارفین یہ کیا ناٹک ہو رہا ہے؟ تم ابھی تک حانی کو لے کر نیچے کیوں نہیں آئے؟'' رابعہ شیرازی یک دم دندناتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھیں اور اک دھاڑ سے دروازہ کھلنے کی آواز پہ ننھا منا سا حانی یک دم ڈر کے رو پڑا تھا۔

''مام ہم چند دن اور رک جاتے ہیں، تب تک اروی بھی ریلیکس۔''

''بس بہت ہو گیا یہ ناز نخرہ، تمہارے بابا جان کو پتہ چل چکا ہے کہ ہم لوگ آج ہی کراچی پہنچ رہے ہیں، وہ بھی گاؤں سے نکل چکے ہوں گے اور لڑکی تم کیوں اتنے ٹسوے بہا رہی ہو؟ تمہیں شروع سے پتہ تو تھا کہ یہ بچہ تمہارا نہیں ہے، اس کو پیدا کرنے کی تم ساری قیمت ایڈوانس لے چکی ہو۔ ہم نے اس بچے کے لئے تمہیں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں دیئے ہیں اور شکر ادا کرو ہم نے تم سے ناجائز نہیں بلکہ جائز کام کروایا ہے، باقاعدہ نکاح کروایا تھا تمہارا اور کچھ نہ سہی لیکن ضمیر کی عدالت میں تو سرخرو ہو نا تم۔ جس طرح تم ہمارے پلان کا کسی کے سامنے ذکر نہیں کرو گی اس طرح ہم بھی تمہارے گھر والوں سے سب کچھ راز رکھیں گے...... لہٰذا بہتر یہ ہی ہے کہ تم سب کچھ بھول جاؤ، تم لوگوں کے درمیان جو کچھ ہوا وہ ایک ڈرامہ تھا اور اب اس ڈرامے کا اینڈ ہو چکا ہے، بہت جلد تمہیں طلاق کے پیپرز بھی مل جائیں گے۔ تم اپنی پسند سے جہاں چاہے شادی کر سکتی ہو بلکہ ہم بھی تمہاری شادی میں ضرور شرکت کریں گے۔ اس وقت ہمیں دیر ہو رہی ہے، تم بھی تیار ہو کر جلدی نیچے آجاؤ۔'' رابعہ شیرازی ہر بات کاٹ دار اور دوٹوک لہجے میں کہتی ہوئیں اروی کے ہاتھ سے حانی کو جھپٹ کر آندھی طوفان کی طرح باہر نکل گئی تھیں اور عارفین ساکت بیٹھی اروی کو دیکھتا رہ گیا اور پھر لٹے پٹے قدموں سے وہ بھی واپس آ گئی تھی۔

اروی نے وہ کام، وہ سودا کیا تھا جو کوئی بھی عورت اتنی آسانی سے نہیں کر سکتی تھی، اس نے اپنے بھائی کی خاطر اپنا کلیجہ انگاروں پہ ڈال دیا تھا اور بدلے میں اسے کیا ملا تھا؟ بھائی کی زندگی اور اس زندگی سے جڑے، بہت سے تلخ سچ...... وہ واپس تو آ گئی تھی، مگر بہت کچھ پیچھے چھوڑ آئی تھی۔

***

اروی اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد عارفین کے ساتھ جاب نہیں کر سکتی تھی، لیکن وہ اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے یہ جاب چھوڑ بھی نہیں سکتی تھی، کیونکہ اگر وہ فوری طور پہ جاب چھوڑتی تو بہت سے لوگوں کے ساتھ ساتھ اس کے گھر والے بھی سوال کرتے اور وجہ پوچھتے اور دوسری بات یہ کہ اسے اتنی جلدی ایسی اچھی جاب دوبارہ ملنا نا ممکن تھا۔ لہٰذا بہتر یہ ہی تھا کہ وہ کچھ عرصہ اور یہاں کام کرتی اور اپنے لئے کوئی نئی جاب تلاش کرتی۔

پورا ایک ماہ اس نے گھر پہ خوب ریسٹ کیا تھا اور تب جا کر جاب دوبارہ جوائن کرنے کی تیاری پکڑی تھی۔

''بیٹا کچھ دن اور آرام کر لیتیں، اتنی کمزور ہو چکی ہو تم، اپنی آنکھیں دیکھو، حلقے پڑ گئے ہیں، مجھے تو لگتا ہے تم وہاں دن رات بس کام کرتی رہی ہو، ان لوگوں نے تمہیں کھانا پینا ہرگز نہیں دیا۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے امی، بس اپنے گھر سے دور رہا جائے تو یہ ہی حال ہوتا ہے۔'' اس نے آہستگی سے کہہ کر ماں کی فکر دور کی تھی۔

❁......❁......❁

''مے آئی کم ان میم؟'' وہ اپنے کیبن میں بیٹھی تھی جب احمر انصاری دستک دے کر اندر آ گیا تھا۔

''جی فرمائیے؟''

''میم میں آپ کا کولیگ ہوں، میں بھی یہاں جاب کرتا ہوں۔'' احمر کو ہر ایک سے ہیلو ہائے کرنے کا شوق تھا۔ جبھی وہ ہر ایک سے ناگواری سہیٹتا رہتا تھا۔

''آپ یہاں جاب کرتے ہیں، لیکن کب سے؟ کیا نام ہے آپ کا؟'' اروئی کو حیرانی ہوئی تھی۔

''تقریباً سات آٹھ ماہ ہو چکے ہیں، اسی لئے آپ سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی، مینیجر صاحب سے معلوم ہوا تھا کہ عارفین سر کی ایک پی اے بھی ہیں جو آج کل مری برانچ میں کام کر رہی ہیں۔'' احمر انصاری پہلی ملاقات میں ہی کافی باتونی لگ رہا تھا، ویسے تو وہ ہر لحاظ سے اچھا لڑکا لگ رہا تھا، بس خوامخواہ بے تکلف ہونے کی عادت غلط تھی۔

''مسٹر احمر آپ اس وقت اپنے کیبن میں جائیے سر آنے والے ہوں گے۔'' اس نے آہستگی سے کہا اور دراز سے فائلیں نکالیں۔

''جی میم، پھر ملاقات ہوگی، بائے۔'' وہ ہاتھ ہلا کر چلا گیا تھا۔ اتنے میں عارفین کی آمد بھی ہو چکی تھی۔

وہ آج اروئی کو آفس میں دیکھ کر ٹھہر سا گیا تھا، لیکن اس نے آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی زحمت نہیں کی تھی۔

''کیسی ہو اروئی؟ تمہاری طبیعت کیسی ہے اب؟ تم نے اتنے دنوں سے اپنا سیل آف کیوں کر رکھا ہے؟'' وہ آفس روم میں آئی تو عارفین بے تابی سے پوچھتا چلا گیا تھا۔

''جی۔ سر میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ پلیز ان فائلز کو ایک بار پھر چیک کر لیں۔'' وہ مختصر سا جواب دے کر کام کی بات پہ آ گئی تھی۔

''اروئی تم مجھ سے کیوں خفا ہو؟ اس میں میرا کیا قصور ہے؟ یہ سب تو ہونا ہی تھا، میں تو اب بابا جان کو اصل بات بتانے کی کوشش میں ہوں، بس کوئی مناسب موقع ہاتھ نہیں آ رہا۔''

''سر میں نے آپ سے کچھ کہا؟'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی تھی۔

''یہ تو پرابلم ہے کہ تم کچھ کہہ نہیں رہیں۔'' وہ جھنجھلا گیا تھا۔

''سر میں کچھ کہوں گی بھی نہیں، جو ہو گیا، سو گیا بس سینے میں ہلکا سا درد جاگتا ہے، تو اسے تھپک تھپک کر سلا دیتی ہوں۔''

''اروئی مایوس مت ہو، حانی تمہارا ہے اور صرف تمہارا ہے، بلکہ حانی کے ساتھ ساتھ میں بھی تمہارا ہوں، تم میری زندگی ہو، اور ہم نے زندگی مل کر گزارنی ہے، بس اس کے لئے زندگی کی تمام راہیں صاف کرنا ضروری ہے اور میں بہت جلد ایسا ہی کروں گا۔'' وہ اسے یقین دلا رہا تھا۔ مگر وہ کوئی بات بھی دلچسپی سے سنے بغیر اپنے کام کی فائل اٹھا کر چلی گئی تھی اور پھر ایسا روز ہونے لگا تھا وہ پکارتا رہ جاتا وہ سنی ان سنی کر ڈالتی تھی۔

❁......❁......❁

آج بہروز بھائی کو ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کے لئے جانا تھا، اس لئے اروی آفس سے ذرا پہلے ہی آ گئی تھی، دوپہر دو بجے کا وقت تھا، وہ پیدل چلتی ہوئی ایک بس سٹاپ پہ آ رکی تھی، اس بس سٹاپ سے ایک روڈ رہائشی ایریا کی طرف نکلتا تھا، ایک بازار کی طرف اور ایک سنسان علاقے کی طرف، جہاں لوگوں کا بہت ہی کم آنا جانا ہوتا تھا، اس لئے اس طرف ٹریفک بھی نہ ہونے کے برابر تھا۔ اروی کو وہاں کھڑے ابھی چھ، سات منٹ ہی گزرے تھے کہ اسے نسوانی چیخوں کی آواز ماحول کو چیرتی ہوئی سنائی دی تھی۔ اس نے ٹھٹک کر آگے پیچھے دیکھا، لیکن آس پاس کوئی بھی نظر نہیں آیا تھا۔ مگر چیخنے کی آواز مسلسل آ رہی تھی، بلکہ رفتہ رفتہ قریب آتی سنائی دے رہی تھی، تبھی اروی نے پلٹ کر پچھلے روڈ کی سمت دیکھا، جہاں اس دوپہر اور تیز دھوپ میں ایک لڑکی ننگے سر اور ننگے پاؤں بھاگتی ہوئی نظر آئی تھی اور پھر اس کے پیچھے دو، تین لڑکے بائیک پہ آتے نظر آئے تھے، اروی چند سیکنڈز میں ہی ساری سچویشن سمجھ گئی تھی۔

''اے لڑکی اسے ہماری طرف بھیج ورنہ ایک کی بجائے دو شکار کھیلیں گے ہم۔'' بائیک پہ سوار ایک لڑکے نے کافی خباثت سے کہا تھا اور اروی نے اس آواز کے تعاقب میں کافی حیرت سے مڑ کر پیچھے دیکھا تھا۔

''جرار......؟'' جتنا شدید جھٹکا اروی کو لگا تھا اتنا ہی شدید جھٹکا جرار کو بھی لگا تھا اس کا رنگ اڑ گیا تھا۔

''اروی؟'' اندر سے وہ بری طرح گھبرا گیا تھا جبکہ دوسرے دونوں لڑکے جرار کی حالت سے بے خبر نہ جانے کیا اول فول بک رہے تھے۔

''خبردار جو تم نے اس کو ہاتھ بھی لگایا تو......'' اروی کی غضب ناک آواز پہ وہ ٹھٹک گیا تھا۔

''اوئے کیوں نہ ہاتھ لگاؤں؟'' وہ لڑکا معنی خیزی سے بولا تھا اور جواباً اروی نے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پہ دے مارا تھا۔

''مسٹر جرار تم اپنی کمینگی میں اس حد تک جا چکے ہو مجھے اندازہ نہیں تھا جی چاہ رہا ہے تمہارے منہ پہ تھوک کر چلی جاؤں...... تم لوگوں کی عزتیں داؤ پہ لگاتے پھر رہے ہو گھٹیا بے غیرت انسان تمہیں ذرا شرم نہیں آئی کسی کی بہن اور بیٹی کی عزت پہ ہاتھ ڈالتے ہوئے؟'' وہ اس لڑکی کو تھپڑ مار کر سیدھی جرار کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی اور ان دونوں لڑکوں کے ساتھ ساتھ وہ لڑکی بھی حیرت سے دیکھنے لگی تھی کہ وہ دونوں اک دوسرے کو جانتے ہیں؟''

''اروی...... وہ...... وہ یہ لڑکی۔'' جرار سے کوئی بات کوئی بہانہ نہیں بن پڑا تھا۔

''شٹ اپ اپنی غلیظ ناپاک زبان سے میرا نام بھی مت لینا بد کردار انسان اور آئندہ کبھی ہمارے گھر کا رخ بھی مت کرنا، اور ہاں آئندہ کسی کی عزت سے کھیلنے سے پہلے ذرا یہ سوچ لینا کہ تمہاری اپنی بھی کوئی بہن ہے اگر اسی طرح وہ اس سڑک پہ ننگے سر بھاگ رہی ہو تو تمہیں کیسا لگے گا؟ لیکن میرا خیال ہے تم جیسے بے غیرت کو اپنی بہن کی بھی پروا نہیں ہو گی۔'' وہ انتہائی بلند آواز سے حقارت سے کہتی ہوئی جرار کے پیچھے بیٹھے لڑکے سے اس لڑکی کا دوپٹہ جھپٹ کر واپس پلٹ گئی تھی۔ وہ لڑکی کالج کی سٹوڈنٹ تھی روزانہ یہ لوگ اس کا پیچھا کرتے تھے لیکن وہ اپنی دوستوں کے گروپ کے ساتھ ہوتی تھی اس لئے کبھی ہاتھ نہیں آتی تھی لیکن آج اتفاقاً وہ اکیلی کالج سے واپس جا رہی تھی کہ ان لوگوں کے ہتھے چڑھ گئی اور قسمت اچھی تھی کہ اس کا ٹاکرا اروی سے ہو گیا تھا ورنہ وہ ان تین شیطان صفت لوگوں سے بچنے والی نہ تھی بس اللہ نے اسے بچانے کا وسیلہ بھیج دیا تھا اور یہ اس کے

رب کا بہت بڑا کرم تھا۔

اس لڑکی کے گھر والے اروئ کے مشکور ہو رہے تھے اور اروئ کو واپس اپنے گھر آتے ہوئے شام ڈھل چکی تھی۔

''کیا ہوا بیٹا اتنی دیر کیوں کر دی؟ تمہیں پتہ تو تھا کہ بہروز کا آج چیک اپ ہونا تھا؟'' امی پریشانی سے کہہ رہی تھیں۔

''بس وہ آفس میں کام زیادہ تھا آج اس لئے چھٹی نہیں مل سکی۔'' اروئ اصل بات پہ پردہ ڈال گئی تھی۔

لیکن جرار، اروئ سے زیادہ تیز نکلا تھا اس نے ہمیشہ کی طرح اپنی وکالت کے لئے اپنی بہن کو فون کر کے بھڑکا دیا تھا۔

''اروئ ادھر آؤ میری بات سنو۔'' رات کو وہ عشاء کی نماز پڑھ کر سونے کی تیاری کر رہی تھی جب ثمینہ بھابی نے اروئ کو چھت پہ بلایا تھا اروئ فوری طور پر کچھ بھی سمجھ نہیں پائی تھی لیکن جب بھابی کے عین سامنے پہنچی تو ذہن میں دوپہر والی بات کوندے کی طرح لپکی تھی۔

''جی کہئے خیریت ہے نا؟'' وہ جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے بولی تھی۔

''خیریت کہاں ہے بھلا؟ جرار کا فون آیا تھا وہ بتا رہا تھا کہ اس کے دوستوں کی ایک لڑکی سے کافی دنوں سے تو تو، میں میں، چل رہی تھی اس لئے آج وہ لوگ اس لڑکی کو ڈرانے دھمکانے کے ارادے سے اپنے ساتھ لے گئے اور وہ لڑکی سچ مچ ان سے ڈر کے بھاگ کھڑی ہوئی اور اس کا تم سے ٹکراؤ ہو گیا۔''

''بھابی آپ نے مجھے کس لئے بلایا تھا؟'' اروئ ان کی بات نظر انداز کرتے ہوئے سنجیدگی سے بولی تھی۔

''میں نے تمہیں اس لئے بلایا تھا کہ تم جرار کے بارے میں جو کچھ بھی سمجھ رہی ہو وہ سب غلط ہے وہ ایسا کر ہی نہیں سکتا اس لئے تم کوئی بے بنیاد الزام لگا کر گھر والوں کو کچھ مت بتانا جو بات جہاں ہے اسے وہاں ہی رہنے دو۔''

''کیوں رہنے دو بھابی؟ کیا وہ آپ کا لاڈلا چہیتا بھائی ہے اس لئے؟ آج ایک شریف خاندان کی عزت وہ دوستوں کے ساتھ مل کر تباہ کرنے جا رہا تھا اس کی کوئی پروا نہیں ہے آپ کو؟

آپ صرف اس پہ یقین کر رہی ہیں جو آپ کا بھائی کہہ رہا ہے؟ ایک لڑکی کے سر سے دوپٹہ چھین لیا جائے اس پہ تشدد کیا جائے اسے سنسان علاقے میں لے جا کر زیادتی کے گھناؤنے عزائم سے زدوکوب کیا جائے اور بعد میں کہا جائے صرف ڈرایا دھمکایا تھا کیا آپ کے خیال میں یہ سب ہی سچ ہے؟'' اروئ پھٹ پڑی تھی۔

''آہستہ بولو اروئ لوگ سنیں گے۔'' بھابی نے اسے گھورا تھا۔

''جس طرح آپ کو لوگوں کی فکر ہے اسی طرح ہر ماں باپ کو اپنی بیٹیوں کی عزت کی فکر ہے آپ اپنے بھائی کی وجہ سے اس کی غلطی اس کے گناہ سے آنکھ چرا رہی ہیں مگر ساری دنیا تو ایسا نہیں کر سکتی نا؟ وہ تو اس لڑکی کے گھر والے شریف لوگ تھے اس لئے معاملہ پولیس تک نہیں جانے دیا اگر وہ لوگ پولیس کو بتاتے تو میں بھی یقیناً جرار کے خلاف ضرور گواہی دیتی کیونکہ چشم دید گواہ تو میں ہی تھی نا؟''

''دیکھو اروئ اللہ کے لئے آہستہ بولو، آس پاس والوں نے یا گھر میں کسی نے سن لیا تو کیا سوچیں گے ٹھیک ہے میں مانتی ہوں کہ وہ غلط

ہے اور اس کی غلطی کے لئے میں معافی مانگنے کو تیار ہوں وہ میرا ایک ہی تو بھائی ہے میں اب اس کے ساتھ اور کیا کروں؟" خلاف توقع بھابی کا لہجہ نرم ہو گیا تھا اور انداز میں بے بسی اور شرمندگی اتر آئی تھی۔

اروئی نے بغور ان کے چہرے کا جائزہ لیا تھا انہوں نے ہاتھ جوڑ کے اروئی کو چپ رہنے کا کہا تھا اور اروئی بھلا کب تک کسی کے بندھے ہاتھوں سے نظر چرا سکتی تھی بالآخر خاموش ہو ہی گئی تھی کیونکہ اس کی بھابی رشتے اور عمر دونوں میں اس سے بڑی تھیں اسے کچھ تو لاج رکھنا ہی تھی۔ جب وہ لڑکی جس پہ تشدد ہوا تھا وہ عزت کی وجہ سے چپ ہو کے بیٹھ گئی تھی۔ اروئی تو پھر بھی صرف ایک گواہ تھی۔

❁......❁......❁

"عارفین ادھر آؤ میری بات سنو۔" وہ شاید کہیں باہر جا رہا تھا جب بابا جان کی آواز پہ لاؤنج میں چلا آیا تھا بی بی جان بھی وہاں ہی تھیں اور حانی ان کی گود میں سو رہا تھا۔

"کیا تمہیں اپنی بیوی کی کوئی پروا نہیں ہے؟" ان کے سوال پہ وہ یکدم چونک گیا تھا اس کا خیال اروئی کی سمت گیا تھا۔

"کیا مطلب بابا جان؟" وہ الجھن بھرے انداز سے بولا تھا۔

"زونگلہ گھر پہ رہے گھر سے باہر رہے، تمہیں کوئی احساس ہی نہیں ہوتا؟ میں دو دن سے دیکھ رہا ہوں وہ دوپہر کے وقت گھر سے نکلتی ہے اور فجر کے قریب واپس آتی ہے اور آج تو وہ واپس بھی نہیں آئی۔" بابا جان کی بات پہ عارفین گہری سانس کھینچ کے رہ گیا تھا۔

"بابا جان کون سا ایسا مرد ہے جسے بیوی کے گھر سے باہر رہنے کا کوئی احساس ہی نہ ہو؟ احساس ہوتا ہے، مجھے بھی احساس ہوتا ہے۔ مگر میں اس احساس کے بعد کیا کروں؟ وہی کچھ جو میرے باپ نے کیا؟ یا پھر وہ جو ہماری سوسائٹی کے نوے فیصد مرد کر رہے ہیں۔" عارفین کے جواب پہ بابا جان ٹھٹک گئے تھے اور بی بی جان بھی چونک گئی تھیں۔ بیوی کی عیاشی کے بعد جو کچھ اس کے باپ نے کیا تھا وہ بی بی جان اور بابا جان کے لئے آج بھی ایک تازہ زخم کی مانند تھا اور وہ لوگ پوتے کو بھی اسی راہ پر ڈال رہے تھے؟

وہ دونوں اندر سے دہل گئے تھے حالانکہ بات بھی انہوں نے چھیڑی تھی۔

"دیکھیے بابا جان! میرے والد محترم کی طرح گھر چھوڑ کر دنیا کی بھیڑ میں گم ہو جانا اس مسئلے کا حل نہیں ہے اور نہ ہی باقی مردوں کی طرح بیوی کے کرتوتوں سے چشم پوشی کر لینا اس کا حل ہے۔ بلکہ اصل تو یہ ہے کہ یا تو بیوی کو اپنے رشتے میں ایسا باندھ کر رکھو کہ وہ کہیں بھی جانے نہ پائے، اور اگر چلی جائے تو پھر واپس نہ آئے۔ ایک مشرقی مرد کی زندگی میں عیاش، بدکردار بیوی کی کبھی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، اور اگر پھر بھی وہ اسے اپنی زندگی میں برداشت کرتا ہے تو اس برداشت کے پیچھے اس مرد کی کوئی بہت بڑی مجبوری یا پھر کمزوری ہوتی ہے، اور زونگلہ کو برداشت کرنے کے پیچھے میری سب سے بڑی مجبوری میری ماں ہے اگر کبھی میری یہ مجبوری پیچھے ہٹ جائے تو زونگلہ کو طلاق کے تین جملے کہنے میں مجھے محض تین منٹ لگیں گے۔" عارفین آج بات کرتے کرتے یکدم بپھر گیا تھا زونگلہ کی عیاشیوں کو برداشت کر کر کے اس کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو چکا تھا۔

"ارے نہیں بیٹا ہم ایسا نہیں کہہ رہے کہ تم زونگلہ کو چھوڑ دو بلکہ ہم تو چاہتے ہیں کہ تم اسے آرام سے سمجھاؤ۔" بابا جان نے بات سنبھالنے کی

کوشش کی تھی۔

''کیا میری ماں رابعہ شیرازی میرے باپ کے سمجھانے سے سمجھ گئی تھی؟'' عارفین نے تمسخرانہ کہا تھا۔

''بابا جان زونیکہ بھی رابعہ شیرازی کی بھانجی ہے وہ بھی وہی کرتی ہے جو اس کا دل کہتا ہے۔ میں ہر رات سوچتا ہوں کہ کچھ ایسا کروں تا کہ وہ میری زندگی سے دفع ہو جائے لیکن ہر صبح میں بے بس ہو جاتا ہوں کیونکہ میرے سامنے میری نام نہاد ماں کھڑی ہوتی ہے۔ جب ہماری بیوی، سب کی بیوی بنے تو پھر اسے اپنی بیوی بنائے رکھنا سب سے بڑی بے غیرتی ہے اور میں بہت عرصے سے یہ بے غیرتی کرتا چلا آ رہا ہوں لیکن جس روز برداشت کی حد ختم ہو گئی تب میں نہ کوئی مجبوری دیکھوں گا اور نہ ہی کوئی کمزوری۔''

''مگر بیٹا حانی کا کیا ہوگا؟'' وہ ماں ہے اس کی؟ وہ ماں کے بغیر کیسے رہے گا؟'' بی بی جان نے اسے حانی کا احساس دلایا تھا۔

''بی بی جان اب بھی وہ ''ماں کے بغیر'' ہی رہ رہا ہے۔'' عارفین کے کہنے کا مطلب کچھ اور تھا جبکہ وہ لوگ کچھ اور سمجھے تھے۔

''مگر بیٹا......''

''بس بی بی جان جو کچھ جیسا چل رہا ہے فی الحال چلنے دیں انشاءاللہ سب بہتر ہی ہوگا۔'' وہ انہیں تسلی دینے والے انداز میں کہتا اٹھ کھڑا ہوا تھا اور پھر سر جھٹک کر باہر نکل گیا تھا وہ دونوں پریشان سے بیٹھے تھے صرف یہ سوچ کر کہ کیا بیٹا، باپ کی تاریخ کو دہرانے والا تھا؟

❁......❁......❁

سبطین شیرازی کی نسبت بچپن سے ہی مہر النساء سے طے ہو چکی تھی لیکن سبطین بہت ہی رنگین مزاج اور حسن پرست مرد تھا جبکہ اس کی چچازاد کزن مہر النساء اس کے معیارِ حسن پہ ہرگز پورا نہیں اترتی تھی اس لئے وہ مہر النساء سے کترایا کترایا سا رہتا تھا لیکن بابا جان کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ سبطین کا رجحان مہر النساء کی طرف ہی ہو اور اس کے لئے وہ سبطین شیرازی کے روز و شب کا پورا پورا پہرہ دیتے اور اس کا دھیان رکھتے تھے۔

سبطین اور مہر النساء دونوں ہم عمر تھے اس لئے دونوں ایک ساتھ پڑھ رہے تھے حالانکہ سلطین کو مہر النساء کے ساتھ پڑھنے پہ بہت اعتراض ہوتا تھا مگر بابا جان کے سامنے اس کی دال ہرگز نہیں گلتی تھی وہ لاکھ ہاتھ پاؤں مارتا مگر بچ نہیں پاتا تھا۔ بابا جان کو اپنی بن ماں باپ کی بھتیجی اتنی ہی عزیز تھی جتنا اپنا اکلوتا بیٹا عزیز تھا وہ کبھی بھی اس کی حق تلفی یا پھر ناانصافی نہیں ہونے دیتے تھے اس لئے جب سبطین نے کراچی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا تو انہوں نے خود بہ خود ہی مہر النساء کا ایڈمیشن بھی اس کے ساتھ کروا دیا تھا۔

اس طرح کر کے بابا جان شاید اس کی آوارہ مزاجی کے آگے بند باندھ رہے تھے مگر کوئی مرد کسی بند باندھنے سے بند جائے ایسا کبھی پہلے ہوا تھا؟ جواب ہوتا؟ سبطین شیرازی کی نظر یونیورسٹی میں قدم رکھتے ہی رابعہ درانی پہ ٹھہری تھی اور اس سے آگے نہیں بڑھ سکی تھی مہر النساء بہت ہی سادہ سی اپنی ذات میں گم رہنے والی لڑکی تھی اسے ایک ہی یونیورسٹی اور ایک ہی کلاس روم میں رہتے ہوئے کبھی بھی سبطین اور رابعہ درانی کے عشق و عاشقی کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ مگر بابا جان ان سے دور رہتے ہوئے بھی ساری خبر رکھتے تھے انہوں نے ایک روز سبطین شیرازی کو گھیر لیا تھا۔

''سبطین میں تمہیں آخری بار سمجھا رہا ہوں اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ ورنہ بہت برا انجام ہوگا تمہارا۔'' انہوں نے اسے وارننگ دی تھی۔

''میں رابعہ کو پسند کرتا ہوں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' بالآخر اس نے کہہ دیا تھا۔

''کیا کہا؟'' بابا جان دھاڑ اٹھے تھے۔

''ہاں ٹھیک کہہ رہا ہوں میں مہر النساء کو پسند نہیں کرتا مجھے ایسی دقیانوسی بیوی نہیں چاہئے، میں ایسی بیوی چاہتا ہوں جو میرے قدم سے قدم ملا کر چلے، جو میرے ہر مسئلے کا حل ہو نہ کہ خود ایک مسئلہ بن جائے۔'' اس نے مہر النساء کے خیال سے خفگی سے سر جھٹکا تھا۔

''تم ابھی نادان ہو سبطین شیرازی قدم سے قدم ملا کر چلنے والی بیویاں اکثر بہت آگے نکل جاتی ہیں اور پھر تم جیسے نام نہاد و غیرت مند کبھی بھی ان کے قدم سے قدم نہیں ملا پاتے کیونکہ ان کی رفتار تم لوگوں سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔'' بابا جان نے بیٹے کو ملامت کی تھی۔

''آپ جو جی چاہے کہہ لیں مگر میری شادی صرف رابعہ سے ہی ہوگی یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔'' سبطین شیرازی باپ کے سامنے ڈٹ گیا تھا آخر حسن کے جس جال میں وہ پھنسا تھا وہاں کچھ اور نظر آ جاتا کبھی ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

سبطین شیرازی نے رابعہ درانی کو کورٹ میرج کے لئے اکسایا مگر رابعہ درانی کورٹ میرج نہیں بلکہ پراپر طریقے سے شادی کرنا چاہتی تھی تاکہ پورے شہر اور پوری یونیورسٹی کو پتہ چلتا کہ سبطین شیرازی اسے پسند کرتا ہے اور اسے بیاہنے آیا ہے مگر بابا جان کی یونیورسٹی آمد نے اس کے پرخچے اڑا دیئے تھے۔

''تم لڑکیوں میں سے رابعہ درانی کون ہے؟'' انہوں نے غضب ناکی سے پوچھا تھا۔

''میں ہوں رابعہ درانی آپ کون ہیں؟'' رابعہ درانی تیکھے تیور لئے سامنے آئی تھی۔

''سبطین کہاں ہے دو دن ہو گئے ہیں وہ گھر نہیں آیا۔''

''میں آپ کے سبطین کو اپنے پرس میں لے کر نہیں گھوم رہی، آپ کا بیٹا ہے آپ کو خبر ہونی چاہئے کہ وہ کہاں ہے؟'' وہ چڑ گئی تھی۔

''بیٹا میرا ہے مگر عاشق تو وہ تمہارا ہے نا؟ تم اسے آج کل اپنے پرس میں تو کیا اپنے دوپٹے کے پلو میں بھی لے کر گھوم سکتی ہو تمہارا دم چھلا بنا ہوا ہے۔'' بابا جان کا دل چاہ رہا تھا اس شاطر لڑکی کو کھڑے کھڑے گولی ماردیں جو یہ جانتے ہوئے بھی کہ سبطین شیرازی اپنی چچازاد سے انگیج ہے، پھر بھی اس پہ ڈورے ڈال رہی تھی۔

''آپ ذرا دھیان سے بات کریں بزرگوار، آپ کا بیٹا میرے پیچھے پیچھے گھوم رہا ہے، میں نہیں۔'' وہ نخوت سے بولی تھی۔

''میرے بیٹے کو دعوت نظارہ دیتی ہو تو وہ گھومتا ہے نا؟'' بابا جان کی بات پہ رابعہ درانی کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا، وہ کھلم کھلا سب کے سامنے اس کی انسلٹ کر رہے تھے اور پھر دونوں میں اس قدر جھڑپ ہوئی کہ بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے۔

''بابا جان آپ یہاں؟ یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟'' مہرالنساء ابھی ابھی کلاس روم سے باہر نکلی تھی اور بابا جان کو رابعہ درانی پہ مشتعل ہوتے دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔

''ہونہہ بڑی آئی بابا جان کی چہیتی، تمہیں تو میں دیکھ لوں گی...... سبطین شیرازی میرا ہے اور میں اسے حاصل کر کے رہوں گی، دیکھتی ہوں کہ آپ بھی کیا کرتے ہیں؟'' اس نے سب کے سامنے ان کو چیلنج کیا تھا۔

''عیاش عورتیں اسی طرح پوری دنیا میں اعلان کرتی ہیں۔'' بابا جان آج حد پار کر رہے تھے۔

''میں بے شک عیاش ہی سہی، مگر آپ کی اس پاک دامن بی بی کو کبھی سبطین کی بیوی نہیں بننے دوں گی، یہ اس کے نام کو تو کیا صورت دیکھنے کو بھی ترسے گی، میں اس بے عزتی کا بدلہ عمر بھر لوں گی آپ لوگوں سے۔'' رابعہ درانی کا چیلنج سچ ثابت ہوا تھا اس نے اسی دن سبطین شیرازی سے نکاح کر لیا تھا اور اسی رات وہ ''شیرازی ہاؤس'' میں آ گئی تھی جہاں آج کل بابا جان اور مہرالنساء ٹھہرے ہوئے تھے۔

''یہ گھٹیا لڑکی میرے گھر میں داخل نہیں ہو سکتی۔'' بابا جان چیخے تھے۔

''بابا جان آہستہ بات کریں، یہ اب آپ کی بہو ہے۔'' سبطین شیرازی کا دوٹوک لہجہ بابا جان کو خاموش کروا گیا تھا۔ رابعہ درانی کا جادو اس کا نشہ سر چڑھ کے بول رہا تھا اور بابا جان مزید کچھ بھی سننے کی تاب نہیں رکھتے تھے۔ وہ اب وہاں ٹھہرنا نہیں چاہتے تھے، روتی بلکتی مہرالنساء کو لے کر واپس گاؤں کے لئے روانہ ہوئے۔

''آئندہ کبھی شیرازی ہاؤس میں قدم مت رکھنے محترمہ مہرالنساء...... ورنہ دھکے دے کر نکال دوں گی۔'' رابعہ درانی نے مہرالنساء کے پیچھے فقرہ کسا تھا اور مہرالنساء بے مروت سے کھڑے سبطین شیرازی کو اک نظر دیکھ کر شیرازی ہاؤس سے نکل گئی تھی۔ یہ وہ شیرازی ہاؤس تھا جس کے بابا جان نے خواب دیکھے تھے کہ سبطین اور مہرالنساء یہاں ایک ساتھ رہیں گے۔ مگر......

رابعہ شیرازی سبطین کے عشق میں ایسی اندھی بھی نہیں ہوئی تھی کہ اپنا اچھا برا دیکھے بنا اس سے نکاح کر لیتی، اس نے سبطین شیرازی کے اکلوتے پن اور دولت، جائیداد اور جاگیر سب کچھ دیکھ اور پرکھ کر اس کو اپنے دام میں الجھایا تھا اور وہ ''حسن پرست'' بڑی آسانی سے الجھ بھی گیا تھا۔ پورا ایک سال ہو گیا تھا وہ نہ گاؤں گیا تھا نہ ہی کسی سے ملنے کی کوشش کی تھی۔ البتہ ایک سال بعد عارفین کی پیدائش پہ بی بی جان اور بابا جان خود ہی بن بلائے مہمان کی طرح ملنے آگئے تھے، لیکن رابعہ شیرازی کا رویہ ان کے ساتھ کچھ اچھا نہیں تھا۔ اس لئے وہ صرف پوتے سے مل کر ہی واپس چلے گئے تھے اور سبطین شیرازی انہیں روک بھی نہیں پایا تھا۔

وہ رابعہ شیرازی جو عارفین کی پیدائش تک پھونک پھونک کے قدم اٹھاتی آرہی تھی، ایک بچے کی ماں بننے کے بعد بالکل آزاد ہو گئی تھی۔ اس نے اپنا احتیاط کا چولا اتار پھینکا تھا۔ اب اس کے دن سوتے تھے اور راتیں جاگتی تھیں۔ عارفین گورنس کے ہاتھوں پل رہا تھا اور سبطین شیرازی اس کے رنگ ڈھنگ اور روٹین دیکھ دیکھ کر حیران ہوتا رہتا تھا، لیکن رفتہ رفتہ اسے احساس ہوا کہ رابعہ شیرازی محض پارٹیز میں ہی نہیں جاتی بلکہ اس کے کئی فرینڈز کے ساتھ تعلقات بھی ہیں اور اس کے تعلقات کی نوعیت سامنے آتے ہی اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔ لہٰذا رابعہ شیرازی کے کرتوتوں کو جاننے کے بعد آئے روز ان کے بیڈروم میں جھگڑے ہونے لگے تھے۔ مگر سبطین شیرازی جو اپنی تمام کشتیاں جلا چکا تھا۔ وہ شکست خوردہ سا بیٹھا رہ گیا تھا اور اس مقام پہ آکر اسے مہرالنساء بہت شدت سے یاد آئی تھی، اور یہ مہرالنساء کی طلب ہی تھی کہ وہ ہر بات بھلا کر واپس حویلی چلا آیا تھا۔ جہاں آج کل مہرالنساء کے رشتے کی باتیں ہو رہی تھیں۔

''مہرالنساء مجھے معاف کر دو۔'' اس نے مہرالنساء کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

''معافی کیسی سبطین؟ تم اپنی زندگی، اپنی مرضی کے مالک تھے، تمہیں جو اچھا لگا تم نے کیا، اس میں معافی کا تو کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا؟''

''نہیں مہرالنساء میں تمہارا مجرم ہوں، تم بچپن سے میرے نام سے منسوب تھیں اور میں نے چند دنوں میں اتنا گہرا رشتہ......''

''سبطین خونی رشتوں کے علاوہ کوئی بھی رشتہ گہرا نہیں ہوتا، بس اب یہ ہی دیکھ لو ہم دونوں منگیتر نہیں ہیں، مگر چچازاد کزن اب بھی ہیں۔ ہمارا صرف ایک رشتہ ہے جو حقیقتاً ایک کچا رشتہ تھا اور کچے رشتوں کے ٹوٹنے پہ دل اتنا چھوٹا بھی نہیں کرنا چاہئے کہ بندہ کسی اور کام کا ہی نہ رہے۔ مجھے بھی شروع شروع میں یہی لگا تھا کہ میری دنیا ختم ہو گئی ہے۔ مگر اب پتہ چلا ہے کہ میری دنیا صرف ''تم'' ہی نہیں تھے میری دنیا تو بی بی جان بھی ہیں، میری دنیا تو بابا جان بھی ہیں، میری دنیا یہ حویلی ہے، یہ گاؤں ہے...... میری دنیا بہت وسیع ہے سبطین، ایک تم نہ ہوئے تو کیا ہوا بھلا؟'' مہرالنساء نے اسے اس کی اہمیت جتا کر بھی بے وقعت کر ڈالا تھا۔

''میں تمہاری دنیا نہ سہی مہرالنساء مگر تم میری دنیا ضرور بن چکی ہو، تم مجھے بے شک اہم نہ جانو، لیکن تم میرے لئے کتنی اہم ہو، میں ان دو سالوں میں اچھی طرح جان چکا ہوں۔ پلیز مہرلنساء مجھے اپنا لو، مجھے معاف کر دو۔ میں تمہاری طرف واپس پلٹنا چاہتا ہوں۔'' ہتھیار ڈال دیئے تھے، مگر مہرالنساء بھی مر کے بھی کسی کی سوتن نہیں بن سکتی تھی اس نے ہزار منتوں اور واسطوں کے باوجود سبطین شیرازی کو واپس لوٹا دیا تھا اور ساتھ والے گاؤں سے آنے والے پرپوزل کے لئے حامی بھر لی تھی، اس کی شادی کی خبر سن کر سبطین شیرازی ایک بار پھر حویلی بھاگا آیا تھا۔ اس

نے مہر النساء کو ہر ممکن طریقے سے اس شادی سے منع کیا تھا۔ مگر وہ باز نہیں آئی تھی اور مہر النساء کو ہمیشہ کے لئے کھو دینے کا احساس سبطین شیرازی کو روگ کی طرح لگ گیا تھا۔

رابعہ شیرازی کو شوہر کی دیوانگی کا علم ہوا تو وہ بھتے سے اکھڑ گئی تھی۔ اس نے ایک بار پھر دنگا فساد مچایا تھا۔ مگر اس کے اطمینان کے لئے یہ کافی تھا کہ مہر النساء کی شادی ہو گئی ہے۔

''ابھی تک اپنی چہیتی کا روگ لئے بیٹھے ہیں؟ وہ تو اپنے شوہر کے ساتھ عیش کر رہی ہو گی اور آپ کو فقیر بنا کے یہاں بٹھا گئی ہے۔'' رابعہ شیرازی نے زہر خند لہجے میں کہا تھا۔

''کاش اس نے بہت پہلے مجھے اپنا فقیر بنا دیا ہوتا تو میں آج تمہاری یہ مکروہ شکل بھی نہ دیکھتا۔ کاش مجھے پہلے پتہ ہوتا کہ میں ایک نایاب ہیرا ٹھکرا کر تم جیسا بد کردار نا کارہ پتھر سینے سے لگا رہا ہوں۔ کاش مہر النساء میری ہو جاتی۔'' سبطین شیرازی رو، رو کے اپنی قسمت کو کوستا تھا اور رابعہ شیرازی، مہر النساء کا نام سن سن کر پاگل ہوتی رہتی تھی، اور پھر تین سال رابعہ شیرازی کی بد چلنی کا داغ سینے پہ سہہ کر سبطین شیرازی کو جب کوئی بھی راستہ نہ ملا تو اس نے ایک رات خاموشی سے گھر چھوڑ دیا تھا۔

اس میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ اپنے دکھ، اپنی چوٹیں بابا جان کو دکھاتا۔ اس نے صرف مہر النساء کو سب دکھایا تھا اور جب وہ بھی پرائی ہو گئی تو اس کے پاس واپسی کا کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔ بے شک اس کے ماں، باپ اسے دوبارہ قبول بھی کر لیتے، مگر وہ ندامت اور پچھتاوے کا بوجھ لے کر سر اٹھا کے جی نہیں سکتا تھا۔ اس لئے ایک عجیب راہ فرار کا انتخاب کیا تھا جو سننے والوں کو حیران پریشان کر گیا تھا۔

❂......❂......❂

یہ دھچکا بابا جان کے لئے کچھ کم نہیں تھا۔ وہ غصے کے بہت تیز تھے۔ وہ مشتعل ہو کر رابعہ شیرازی کو ''شیرازی ہاؤس'' سے نکال بھی سکتے تھے۔ مگر پوتے کا خیال کر کے انہوں نے رابعہ شیرازی کو بھی برداشت کر لیا تھا اور یہاں آ کر رابعہ شیرازی ایک بار پھر اپنے آپ کو ان پہ حاوی سمجھنے لگی تھی، کیونکہ ان کے اکلوتے بیٹے کا اکلوتا وارث ان کی مٹھی میں تھا اور پھر اس نے عارفین کی ذات کو ہمیشہ کیش کیا تھا۔ شادی کے چار سال بعد مہر النساء دو بیٹیوں کے ہمراہ بیوگی کی چادر اوڑھے واپس حویلی آ گئی تھی۔ اس کے سسرال والوں کا رویہ اس کے ساتھ اچھا نہیں تھا۔ اس لئے اس نے سسرال والوں کو چھوڑ دیا تھا۔

صرف ایک بابا جان تھے جو ہر دھچکے، ہر مصیبت، ہر دکھ کو دل پہ سہارتے پھر رہے تھے۔ انہوں نے پوتے کی پرورش کی تھی۔ انہوں نے مہر النساء کو سنبھالا تھا۔ انہوں نے مہر النساء کی بیٹیوں کو سینے سے لگایا تھا اور سب سے بڑی بات کہ اپنی ذات کو کبھی بکھرنے نہیں دیا تھا۔ اتنا سب کچھ سہہ کر بھی ان کا حوصلہ بلند ہی رہتا تھا۔

❂......❂......❂

''کیسی ہو اروئ؟'' وہ...... گھر میں داخل ہوئی تو جرار، امی اور بہروز بھائی کے پاس بیٹھا نظر آیا تھا۔ اروئ کے تن بدن کو آگ چھو گئی تھی۔ وہ کتنی دیدہ دلیری سے اسے مخاطب کر رہا تھا۔ یہ سب اس کی بہن ثمینہ بھابی کے کرشمے تھے۔ حالانکہ اروئ نے اسے اپنے گھر میں داخل ہونے سے منع کیا تھا۔

''لگتا ہے اروئ کا موڈ آف ہے؟'' جرار بے تکلفی سے بولا تھا۔

''تھکی ہوئی آئی ہے، بیٹا اتنے کام کر کر کے موڈ خراب ہو ہی جاتا ہے، وہ اکیلی ہم سب کا بوجھ اٹھا رہی ہے۔ اس کی ہم عمر لڑکیاں تو فیشن کرتے نہیں تھکتیں، وہ تو پھر ہمارے اور گھر کے چکروں میں پڑی رہتی ہے۔'' امی کو اس کی تھکن کا بہت احساس ہوتا تھا۔

''اروئ کی شادی کے لئے بھی کچھ سوچا ہے یا نہیں؟''

''بس بیٹا کوئی اچھا سوالی آ گیا تو اللہ کا احسان مانوں گی۔''

''ہوں ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔'' جرار آہستگی سے بولا تھا اور پھر چند دن بعد ہی اس نے اپنا پرپوزل بھیج دیا تھا۔ جس پہ گھر والے تو پرسکون تھے۔ مگر اروئ اندر ہی اندر بھڑک گئی تھی اور اس نے کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر نا صرف جرار کے منہ پہ انکار کیا تھا، بلکہ اچھی خاصی عزت افزائی بھی کر دی ڈالی تھی، جس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ عارفین اور اروئ دونوں میڈیا کی زد میں آ گئے تھے اور آج دونوں کو خبر نہیں تھی کہ کون کہاں ہے؟

❁......❁......❁

صبح کا مکھڑا روشن ہو چکا تھا، سورج کی کرنیں صبح کے چہرے کا سنگھار بنی ہوئی تھیں اور اروئ کے آنسو اس کے رخساروں پہ لکیر کی صورت نقش ہو چکے تھے۔ ساری رات اس نے ہسپتال کے بستر پہ جاگتے گزاری تھی۔ اس کی آنکھیں رتجگے اور آنسوؤں کے بوجھ سے بوجھل اور سوجی ہوئی تھیں، دل کے زخم، آنکھوں کے زخموں سے زیادہ گہرے اور دردناک تھے۔ اسے اپنوں نے ٹھکرا دیا تھا۔ اس کی غلطی، اس کا گناہ، اس کا قصور جاننے کی بھی کوشش نہیں کی تھی، اتنی جلدی اس کے وجود سے آنکھیں چرائی تھیں کہ وہ ان کے آنکھ چرانے کا صدمہ ہی نہ سہہ پا رہی تھی...... اور اس کی آنکھیں بار بار جلتے ہوئے پانیوں سے لبریز ہوئی جا رہی تھیں۔

''بیٹا کس چیز کا دکھ رلا رہا ہے تمہیں؟ اپنوں نے بدل جانے کا؟ یا پھر اکیلے رہ جانے کا؟'' وہ خاتون اپنے آنسو پونچھ کر اس کے سر کو تھپکتے ہوئے بولی تھیں۔

''مجھے خود پتہ نہیں کہ مجھے کس کس چیز کا دکھ رلا رہا ہے؟ اپنا شوہر ہوتے ہوئے بھی اس کے نہ ہونے کا دکھ، اپنی ممتا پیاسی رہ جانے کا دکھ، اپنے گھر والوں کی طوطا چشمی کا دکھ، اپنے بھائی کے سفاک لفظوں کا دکھ، اپنی رسوائی کا دکھ، اپنی دربدری کا دکھ...... میرا دکھ کوئی ایک ہو تو میں بتاؤں نا؟ میں اتنے رشتوں کے ہوتے ہوئے بھی بے گھر ہوں...... میرا کوئی گھر ہی نہیں ہے، میرا کوئی اپنا نہیں ہے، میرے رہنے کے لئے چھت نہیں ہے، میرے لئے کچھ بھی نہیں ہے...... کیا کسی کو بھی میرا احساس نہیں؟ کسی کو میری اتنی بھی پروا نہیں کہ میں اکیلی کہاں جاؤں گی؟ کہاں رہوں گی؟ کیا کروں گی؟ کیا یہ ہی ہوتے ہیں اپنے؟'' وہ کہتے کہتے تڑپ تڑپ کر رونے لگی تھی اور وہ خاتون دوبارہ سے اسے سمجھانے اور بہلانے میں لگ گئی تھیں، وہ

اسے تسلی دلاسہ دے رہی تھیں، ڈھارس بندھا رہی تھیں۔ مگر اروی کا اتنی جلدی سنبھل جانا بھی آسان نہیں تھا۔

''تم میرے ساتھ چلو، مجھے اپنی ماں سمجھو، میں تمہیں کبھی کوئی دکھ نہیں پہنچنے دوں گی، جو ہو گیا سو ہو گیا، حوصلہ کرو اب۔'' انہوں نے اروی کا سر کندھے سے لگا لیا تھا، اور پھر ڈاکٹرز کے ڈسچارج کرتے ہی انہوں نے رات بھر کے بل پے کیئے اور ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کا کہا تھا۔

❁......❁......❁

''صاحب وہ کل شام آپ کی پی اے آئی تھیں آپ سے ملنے، شاید کوئی کام تھا، کافی پریشان لگ رہی تھیں۔'' عارفین ناشتہ کر رہا تھا، جب چوکیدار ڈائننگ روم میں داخل ہوا تھا۔

''کیا؟ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا؟'' عارفین یک دم پریشان ہوتے ہوئے ناشتہ وہیں چھوڑ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''صاحب کل شام آتے ہی آپ بیڈروم میں چلے گئے تھے، اس لئے میں بتا نہیں سکا تھا۔''

''او مائی گاڈ پتہ نہیں کس حال میں ہے وہ، اور کیا پریشانی تھی اسے؟'' وہ زیر لب بڑبڑاتا اپنا سیل فون اٹھا کر باہر نکل آیا تھا۔ اروی کے نمبر پہ ٹرائی کیا جو مسلسل آف جا رہا تھا۔

''کہاں جا رہے ہو عارفین؟ تم اس لڑکی کا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ رہے پورے میڈیا میں گندہ کر کے رکھ دیا ہے اس نے...... کتنی بار کہہ چکی ہوں کہ دو حرف لعنت کے بھیجو اور فارغ کرو اسے۔'' رابعہ شیرازی سیڑھیاں اتر کر قریب آ گئی تھیں۔ عارفین نے پہلے ان کو، پھر زوئلہ کو دیکھا انداز جلا دینے والا تھا۔

''بہت جلد ایسا ہی کروں گا مام فکر مت کریں۔'' وہ دبے لہجے میں کہہ کر آگے بڑھ گیا تھا اور رابعہ شیرازی کا دل خوش ہو گیا تھا۔ گویا عارفین کو اس رسوائی کے بعد عقل آ گئی تھی۔ وہ اروی سے رابطہ نہ ہونے کی صورت میں دل میں ایک فیصلہ کر کے اروی کے گھر پہنچ گیا تھا۔

''کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟'' چھوٹے سے دروازے پہ دستک دے کر انتظار کرنے کھڑا ہوا تو اندر کی بے چینی بڑھنے لگی تھی اور اسی بے چینی کے دوران اسے سارہ کی صورت نظر آئی تھی۔

''جج...... آیئے۔'' وہ چاہ کر بھی اسے انکار کی ہمت نہیں کر پائی تھی اور فوراً پیچھے ہٹ کے اسے راستہ دیا تھا۔

''آپ یہاں؟'' ثمینہ بھابی اور بہروز بھائی، عارفین شیرازی کو دیکھ کر چونک گئے تھے اور پھر اگلے ہی پل بہروز بھائی کے ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے اور چہرے پہ ناگواری نظر آنے لگی تھی۔

''میں اروی سے ملنے اور آپ سے بات کرنے آیا ہوں۔'' وہ ڈائریکٹ بہروز بھائی سے مخاطب ہوا تھا۔

''لیکن ہمیں آپ کی کوئی بات نہیں سننی، آپ یہاں سے جا سکتے ہیں۔'' بہروز بھائی کا میٹھا لہجہ آج بہت تلخ ہو رہا تھا۔ انداز میں بے مروتی اور بدلحاظی تھی۔

''میں اروی سے ملے بغیر نہیں جاؤں گا۔'' وہ سختی سے بولا تھا۔

''نہیں ہے وہ یہاں، اس کا گندہ ناپاک وجود اس قابل نہیں تھا کہ اسے اپنے پاس رکھا جائے۔ وہ غلیظ آپ کے ساتھ ہی اچھی لگ سکتی ہے، اس لئے اسے آپ کے پاس بھیج دیا ہم نے...... نکال دیا ہے اس گھر سے...... دفع ہوگئی ہے وہ یہاں سے۔'' ثمینہ بھابی انتہائی حقارت سے بولی تھیں اور عارفین یک دم تڑپ اٹھا تھا۔

''کیا کہا؟ آپ نے اسے گھر سے نکال دیا؟ آپ نے اروی کو گھر سے نکال دیا؟'' وہ حیرت کے مارے پاگل ہونے لگا تھا۔

''ہاں ہاں ہم نے اسے نکال دیا ہے، وہ گندی پوٹلی۔''

''شٹ اپ...... جسٹ شٹ اپ...... اپنی زبان کو لگام دیں، ورنہ زبان کھینچ لوں گا آپ کی۔'' وہ یکدم دھاڑ اٹھا تھا۔ آج اس کے صبر، اس کے برداشت کا پیمانہ لبریز ہوگیا تھا۔ وہ ہمیشہ سب کا لحاظ اور مروت کرتا آرہا تھا۔ مگر یہ دنیا بد لحاظی اور بے مروتی کی دنیا تھی۔ اس کے ساتھ اس جیسا بن کے رہنا پڑتا تھا۔

''اروی میری بیوی ہے۔ میری عزت ہے، اس کے بارے میں ایک لفظ بھی غلط کہا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ اسے گندی پوٹلی کہنے والے ذرا یہ تو سوچ لیں کہ آپ خود کیا چیز ہیں؟ آپ کا بائیو ڈیٹا کیا ہے آخر؟ اونہہ ایک اوباش بھائی کے سوا اور ہے ہی کون آپ کا؟'' وہ پانچ سیکنڈ میں ثمینہ بھابی کی طبیعت صاف کر چکا تھا اور بہروز بھائی پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہکا بکا سے بیٹھے عارفین شیرازی کو دیکھ رہے تھے۔

''آپ لوگ اس لڑکی پہ الزام تراشی کر رہے ہیں، جس نے آپ لوگوں کی خاطر اپنا آپ تک بیچ ڈالا؟ آپ کے علاج کی خاطر کہاں کہاں نہیں پہنچی وہ؟ کس کس سے قرض کی بھیک نہیں مانگی اس نے؟ اپنی انا، اپنی عزت نفس، اپنا غرور بیچ کر آپ کا علاج کروایا ہے اس نے، اپنی ذات گروی رکھی تھی اس نے، اپنی ممتا، اپنی اولاد کا سودا کیا تھا اس نے، صرف آپ کی زندگی بچانے کے لئے اور اس خاتون کا سہاگ سلامت رکھنے کے لئے...... اس نے آپ کی ممتا کو دکھ کے عذاب سے بچا لیا۔ مگر اپنی ممتا کو جدائی کے امتحان میں ڈال دیا، صرف آپ لوگوں کی خاطر۔'' وہ کہتے کہتے ماں جی کی طرف پلٹا تھا۔

''آج تک اگر وہ اس گھر کا سہارا نہ بنتی تو کب کے آپ لوگ سڑک پہ آچکے ہوتے، آپ کو بیوی بچوں سمیت در، در بھیک مانگنا پڑتی۔ اس وقت آپ لوگ مجبور تھے۔ آپ لوگوں کی آنکھوں پہ غربت کی پٹی بندھی ہوئی تھی، اس وقت وہ جھوٹ بھی بولتی تو آپ لوگوں کو سچ لگتا تھا اور آج جب آپ کو لگتا ہے آپ کا مشکل وقت نکل چکا ہے تو آج اس کا سچ بھی آپ کو جھوٹ لگ رہا ہے؟ اس وقت آپ کی عزت اور غیرت کہاں تھی جب آپ کے گھر کی اک اک چیز بک رہی تھی، جب آپ کا گھر بھی بکنے ہی والا تھا، آپ کوڑی کوڑی کے محتاج تھے۔ تب کہاں تھی آپ کی عزت...... ہر جاننے والے سے، ہر محلے دار سے قرض مانگا تھا آپ نے، تب غیرت کہاں تھی آپ کی؟ آج اس لڑکی کے دامن پہ کسی نے جھوٹا الزام لگا دیا ہے تو آپ کی غیرت جاگ اٹھی ہے؟ ہونہہ آپ لوگوں کی خاطر رات رات بھر جاگتی تھی اور رات رات بھر روتی تھی، آپ لوگوں کے ذکر سے اس کا دن گزرتا تھا، وہ کہتی تھی میرا بھائی، میری ماں، میری بہنیں، میری بھابی...... میرے اپنے، لعنت بھیجتا ہوں ایسے اپنوں کی اپنائیت پہ...... میں سمجھتا تھا میرے گھر والے مفاد پرست اور خود غرض ہیں، مجھے یہ نہیں پتہ تھا کہ میری بیوی کے گھر والے بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ صرف میری ماں ہی مطلب پرست

نہیں یہاں تو ہر ماں مطلب پرست ہو چکی ہے۔'' اس نے ماں جی کو تلخی سے دیکھ کر سر جھٹکا تھا۔

'' آج کل کے دور میں جو بھی اپنوں کے لئے کوئی قربانی دے گا، الٹا وہی اپنوں کا مجرم کہلائے گا۔ آج کے دور میں کسی کے ساتھ بھلا کرنا سب سے بڑا گناہ اور بے غیرتی ہے۔'' عارفین سالوں کی بھڑاس نکال رہا تھا۔

'' مجھے پتہ تھا اروی کے ساتھ کوئی نہ کوئی مسئلہ ضرور رہا ہوگا، اس لئے میں سارے پروف ساتھ لے کر آیا ہوں، یہ اروی کے ایگری منٹ پیپر ہیں اور یہ نکاح نامہ۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑے رول کیے ہوئے کاغذات بہروز بھائی کی چارپائی پہ پھینک دیئے تھے۔

'' اور آج کے بعد کسی نے بھی اس کی طرف انگلی اٹھائی تو میں ہاتھ توڑ کے رکھ دوں گا۔ اور ہاں جاتے جاتے آپ کو اتنا بتا دوں آپ کا چہیتا بھائی اس وقت جیل میں ہے، اگر چھڑانے کی ہمت ہوئی تو چھڑا لیجئے گا، میں کل رات اس کا سارا بندوبست کر کے آیا تھا جو کام بہت پہلے ہونا چاہیے تھا وہ اب ہوا ہے۔ اللہ حافظ چلتا ہوں، مجھے اروی کو ہر حال میں تلاش کرنا ہے، کیونکہ میرا بیٹا اپنی ماں کے بغیر رہ رہ کر نڈھال ہو گیا ہے۔'' وہ جاتے جاتے جان بوجھ کر بہت کچھ جتا گیا تھا، جہاں باقی سب دم بخود ششدر سے بیٹھے تھے وہیں ثمینہ بھابی تڑپ اٹھی تھیں کہ ان کا بھائی جیل میں تھا۔

❁......❁......❁

مہر النساء کی گاڑی جیسے ہی حویلی میں داخل ہوئی تھی بابا جان پریشان سے قریب آ گئے تھے۔

'' بیٹا زیادہ پریشانی والی بات تھی تو مجھے بتا دیتیں، میں ہسپتال آ جاتا؟'' وہ اپنی دھن میں بات کرتے کرتے چپ ہو گئے تھے اور اروی گاڑی سے اترتے ہی ٹھٹک گئی تھی۔ اس نے عارفین کے بابا جان کو چونک کر دیکھا تھا۔

'' پریشان مت ہو بیٹا، یہ تمہارا اپنا گھر ہے، تم مالک ہو اس گھر کی۔'' مہر النساء نے مسکرا کر کہا تھا۔

'' آپ...... آپ مہر النساء آنٹی ہیں؟'' اروی نے حیرت سے دیکھا تھا۔

'' ہاں میں تمہاری اور عارفین کی مہر النساء آنٹی ہوں۔ میں کل شہر ڈاکٹر سے چیک اپ کروانے گئی تھی اور اتفاق دیکھو کہ اللہ نے تم سے ملا دیا'' وہ اسے اپنے ساتھ لگائے اندر آ گئی تھیں۔

'' دیکھو بیٹا یہ سارا کھیل رابعہ باجی کا رچایا ہوا کھیل ہے، مجھ سے اور میری بیٹیوں سے بھاگتے ہوئے انہوں نے کبھی ذرا دیر کے لئے یہ بھی نہیں سوچا کہ اگر سوتن ہی بننا ہوتا تو بہت پہلے میں ان کی سوتن بن چکی ہوتی اور آج سبطین شیرازی کی راجدھانی پہ راج کر رہی ہوتی۔ مگر میں کبھی سوتن بننے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ ایسے کام صرف وہ خود کر سکتی ہیں...... تم سے عارفین کا نکاح کروانے سے پہلے کاش وہ مجھ سے کچھ رابطہ کر لیتیں تو پھر میں ان کو بتاتی جو عورت خود کسی کی سوتن بننا پسند نہیں کرتی وہ اپنی بیٹی کو کسی کی سوتن کیسے بنا سکتی ہے؟ عارفین میری بیٹیوں کے لئے صرف ایک بھائی ہے اور ہمیشہ بھائی بن کے ہی رہے گا۔ صرف مجھ سے بھاگنے کے لئے انہوں نے نہ جانے کیسے کیسے کھیل کھیلے ہیں اور کیا کیا جال بچھائے ہیں۔ مگر افسوس کہ وہ خود اس جال میں پھنس چکی ہیں، ان کا کھیل ناکام ہو چکا ہے۔'' مہر النساء بہت ہی آرام اور تحمل سے بات کرتی تھیں اور اروی حیران بیٹھی ان کی باتیں سن رہی تھی۔

رابعہ شیرازی اس عورت سے بھاگ رہی تھیں جو خود اپنی ذات میں انجمن تھی، جس کے سکون پہ رشک آتا تھا۔

''مہر النساء کون ہے یہ لڑکی؟'' بابا جان کوئی کام بنٹا کر اندر آئے تو استفسار کر ہی لیا تھا۔

''آپ کے پوتے کی بیوی ہے یہ، آپ کی بہو ہے۔'' مہر النساء مسکرا رہی تھیں۔

''بہو؟'' وہ اچنبھے سے بولے تھے اور مہر النساء نے ہاتھ پکڑ کر ان کے پاس بیٹھا لیا تھا اور رفتہ رفتہ عارفین کی داستان حیات سنانا شروع کر دی تھی، بابا جان کی آنکھیں کھلی جا رہی تھیں۔

❁......❁......❁

آج رمضان کا پہلا دن شروع ہو رہا تھا اور ہر طرف رمضان المبارک کی تیاری اور خوشی کی گھما گھمی دیکھنے میں نظر آ رہی تھی۔ حویلی میں بھی تیاریاں عروج پہ تھیں۔ سبھی لوگ خوش تھے۔ مگر بابا جان چپ چپ سے پھر رہے تھے، جو کچھ ان پہ انکشاف ہوئے تھے وہ کچھ کم بھی تو نہیں تھے، سب کچھ اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے قبول کرنے والا بھی نہیں تھا۔ لہٰذا ان کی خاموشی، ان کی سنجیدگی بجا تھی۔

''کیا بابا جان میرے وجود کو قبول کرنے کی وجہ سے پریشان۔''

''ارے نہیں بیٹا تم کو غلط فہمی ہو رہی ہے، میں بابا جان کی رگ رگ سے واقف ہوں، وہ تمہاری وجہ سے نہیں صرف عارفین کی وجہ سے پریشان ہیں کہ ماں کے ایسے خطرناک کھیل اور عزائم میں وہ کب تک پھنسا رہے گا؟ کیا کرے گا آخر؟'' مہر النساء نے اروی کا ہاتھ تھپکتے ہوئے اسے تسلی دی تھی۔

اروی کو حویلی آئے ہوئے آج چار دن ہو چکے تھے، لیکن ان لوگوں نے ابھی تک عارفین کو اروی کے بارے میں نہیں بتایا تھا اور نہ ہی اس سے کوئی رابطہ کیا تھا۔ کیونکہ بابا جان یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ زندگی کے اس اہم اور حساس موڑ پہ آ کر عارفین خود کیا کرے گا؟ یا پھر وہ کیا کر سکتا ہے؟ لہٰذا اب فیصلے اور انجام کی باگ عارفین کے ہاتھ میں تھی، اور عارفین کو یہ خبر ہی نہ تھی کہ وہ بنا کسی چیلنج کے آزمایا جا رہا ہے، اس کے پیارے اسے پرکھ رہے ہیں۔

پورے گاؤں میں شام کے سائے ڈھلے جا رہے تھے اور پورا گاؤں شام کی لپیٹ میں آتا جا رہا تھا۔ آج سب کا پہلا روزہ تھا۔ سبھی گرمی، بھوک اور پیاس سے تھکے تھکے لگ رہے تھے۔ جب اچانک حویلی میں عارفین کی گاڑی آ کے ٹھہری تھی۔

''عارفین؟'' مہر النساء آنٹی فوراً کرسی چھوڑ کے کھڑی ہو گئی تھیں۔ عارفین نے جھک کر سیٹ پہ سوئے ہوئے حانی کو اٹھایا اور آگے بڑھ آیا تھا۔

''غلامو بابا گاڑی سے میرا سامان نکال کے لے آؤ'' اس نے اندر بڑھتے ہوئے آواز دی تھی اور اس کی آواز پہ حانی کسمسا کے رہ گیا تھا۔

''عارفین تم اس وقت، سب خیریت ہے نا؟'' مہر النساء آنٹی نے جلدی سے آگے بڑھ کے حانی کو اٹھا کر اپنے کندھے سے لگا لیا تھا۔

''جی خیریت ہے، بابا جان کہاں ہیں؟'' اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''اندر ہوں گے۔'' وہ اشارہ کرتے ہوئے خود بھی اس کے ساتھ ہی آ گئی تھیں۔

''عارفین میرا بچہ!'' بی بی جان نے اسے دیکھتے ہی بازو پھیلا دیئے تھے۔

''السلام علیکم بابا جان۔'' بی بی سے مل کر وہ ان کی طرف بڑھا تھا۔

''وعلیکم السلام۔'' ان کا انداز لیا دیا تھا۔ عارفین نے انہیں چونک کر دیکھا، ان کے مزاج کی خنگی دور سے ہی نظر آ رہی تھی۔

''یقیناً بابا جان کو بھی کہیں سے خبر ہو گئی ہو گی؟'' وہ دل ہی دل میں سوچ کر رہ گیا تھا۔

''بابا جان۔'' وہ آہستگی سے بولا تھا۔

''جی کہیے برخوردار، ہم سن رہے ہیں، آپ فرمائیے کیا فرمانا ہے؟'' لہجہ سنگین بے لچک اور دوٹوک تھا۔

''میں نے آج وہ کام کیا ہے جو میرے بابا کو کرنا چاہیے تھا اور جو مجھے بھی بہت پہلے کر دینا چاہئے تھا۔'' عارفین کا سر جھکا ہوا تھا، انداز دھیما تھا، مگر لہجہ مضبوط اور پُر سکون تھا۔

''بتاؤ؟''

بابا جان نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''میں نے زونکہ کو طلاق دے دی ہے اور شیرازی ہاؤس اپنی ماں کے نام لکھ کر خود ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس گھر کو چھوڑ دیا ہے۔ میری ماں ہمیشہ مجھے گھر چھوڑ دینے کی دھمکی دے کر اموشنل بلیک میل کرتی تھیں،۔ آج میں نے وہ کام کیا ہے کہ ان کو گھر بھی نہیں چھوڑنا پڑے گا اور میں بھی آزاد ہو جاؤں گا، اب وہ اس گھر میں رہیں یا پھر چھوڑ دیں یہ ان کی مرضی...... میں وہ گھر چھوڑ آیا ہوں۔ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وہاں آ گیا ہوں جہاں میرے بابا کو ہونا چاہئے تھا۔'' عارفین کی بات پہ بابا جان کی آنکھوں میں چمک اتری تھی۔

''کیا یہ سب کر کے تم خوش ہو؟''

''ہاں میں خوش ہوں، کیونکہ اب میں صاف ستھری آزاد زندگی گزاروں گا لیکن بابا جان ابھی میں آپ کا مجرم ہوں، میں آپ سے شرمندہ ہوں۔ میں نے اپنی ماں کے کہنے پہ آپ سے جھوٹ بولا تھا، آپ سے کچھ چھپایا تھا۔ جس کے لئے میں آپ سے شرمندہ ہوں، آپ پلیز مجھے معاف کر دیں بابا جان، میں حالات اور واقعات کی وجہ سے مجبور تھا۔'' عارفین نے ان کے سامنے سر جھکا کر ہاتھ جوڑ دیئے تھے اور بابا جان دیکھتے رہ گئے۔

ایک یہ عارفین کی شرمندگی تھی جو ہاتھ جوڑ کے معافی کی طلب گار تھی اور ایک اس کے باپ سبطین کی شرمندگی تھی جس نے نظر تک نہ ملائی اور ہمیشہ کے لئے منہ موڑ کر نہ جانے کہاں چلا گیا تھا اور بابا جان کے خیال میں اس شرمندگی سے یہ شرمندگی بہتر تھی جو اپنے گناہ، اپنی غلطی کا اعتراف کر کے معافی مانگنے کا حوصلہ بھی رکھتی تھی۔ گو یا کم حوصلہ انسان اگر اچھا کام نہیں کر سکتا تو پھر برا کام بھی نہ کرے۔

''بابا جان پلیز مجھے معاف کر دیں۔'' اس نے دوبارہ کہا تھا اور بابا جان نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لیا تھا۔

''ارے بیٹا معافی کیسی؟ جتنے اچھے کام تم نے سرانجام دیئے ہیں اس کے لئے تو تم معافی کے نہیں انعام کے حق دار ہو۔ آج تم نے مرد بن کے دکھایا ہے، مردوں والا کام کیا ہے تم نے۔ دل خوش کر دیا ہے تم نے۔'' وہ اس کا کندھا تھپک کر بولے تھے۔

''انعام؟''

''ہاں بیٹا انعام...... ہم نے تمہارے لئے ایک لڑکی پسند کی ہے، بہت جلد ہم تمہاری شادی کر دیں گے۔ ہماری بہت خواہش تھی کہ تم ہماری پسند سے شادی کرو اور یہ لڑکی ہماری پسند اور تمہارا انعام ہے۔''

''مگر بابا جان...... وہ...... وہ حانی کی ماں۔'' عارفین چکرا گیا تھا۔

''یہ حانی کی ماں ہی ہو گی بیٹا، ایک مکمل پرفیکٹ ماں...... ایک سگی ماں۔'' وہ اسے تسلی دے رہے تھے، لیکن عارفین کی حالت دیکھنے والی تھی۔ وہ رابعہ شیرازی سے بچ کے نکلا تو بابا جان کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔

''ایم سوری میں کوئی شادی نہیں کر سکتا، میں پہلے ہی شادی شدہ ہوں۔''

''دیکھو بیٹا سوچ لو۔''

''میں کچھ سوچنا نہیں چاہتا۔''

''عارفین مان جاؤ یہ لڑکی بہت اچھی ہے، ہمیں بھی پسند ہے۔'' مہر النساء نے بھی کہا تھا۔

''میں نہ مان سکتا۔''

''پلیز سر مان جائیں نا۔'' اروی کی دھیمی آواز پہ عارفین نے کرنٹ کھا کے دیکھا تھا، وہ بی بی جان کے پہلو میں بیٹھی دھیمے سے کہتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔

''اروی تم...... تم یہاں؟'' وہ بے ساختہ تیزی سے اس کے قریب آیا تھا۔

''یہ میرا گھر ہے، میں یہاں نہیں آؤں گی تو اور کہاں جاؤں گی؟'' اس نے...... پرسکون اور پراعتماد لہجے میں کہا تھا۔

''مگر...... تمہیں یہاں کا پتہ؟''

''مجھے میری آنٹی لے کر آئی ہیں، آپ اتنے پریشان کیوں ہو رہے ہیں؟'' اروی نے خفگی سے کہا تھا اور عارفین نے حیرت سے مہر النساء کی سمت دیکھا تھا۔

''باقی ساری تفصیل روزہ افطار کرنے کے بعد سن لینا، چلو اذان کا وقت بس ہوا ہی چاہتا ہے۔'' مہر النساء نے سب کو فوراً اٹھنے کا حکم دیا تھا اور عارفین نے تو بمشکل افطار کیا تھا اور جلدی جلدی ساری تفصیل پوچھنے لگا تھا کہ اروی یہاں تک کیسے پہنچی؟

❁......❁......❁

عشاء کی نماز اور تراویح پڑھنے کے بعد وہ حویلی آیا تو سب ہی اپنے اپنے کمروں میں بند آرام کرنے جا چکے تھے۔ اس لئے وہ بھی مزید کہیں ٹھہرے بغیر اپنے بیڈ روم کی طرف آ گیا تھا۔ آج پہلی بار ایسا ہو رہا تھا کہ اپنے بیڈ روم کی جاتے ہوئے اس کے قدم سرشار، ریلیکس اور بہکے بہکے ہو رہے تھے۔ اس کی چال میں اپنی منزل، اپنی محبت، اپنا سکون پا لینے کا نشہ ہمک رہا تھا۔ دل کی خوشی انگ انگ میں رچی ہوئی تھی۔ اس کے دل و دماغ میں سرور سا چھا رہا تھا۔ آج اس کے دل سے اس کے دماغ سے، اس کی ذات سے کئی بوجھ ہٹ گئے تھے۔ آج وہ ایک فریش پرسنالٹی محسوس ہو رہا تھا۔

وہ اپنے کمرے کے دروازے کے سامنے آ کر ذرا دیر کے لئے ٹھہر سا گیا تھا۔ اندر سے اروی کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ اپنے جذبوں کا جہان آنکھوں میں آباد کیے اندر داخل ہوا تھا اور پہلی نظر کو ہی قرار آ گیا تھا۔ اروی بیڈ پہ کھیلتے حانی کے اوپر جھکی، اسے بار بار چوم رہی تھی اور وہ اروی کے چہرے کو چھو چھو کر خوش ہو رہا تھا۔ اس کی...... غوں غوں اور قلقاریاں پورے کمرے میں بکھری ہوئی تھیں۔

''کیا سارا پیار آج ہی کرنے کا ارادہ ہے؟'' وہ بھی آ کر حانی کی دوسری سائیڈ پہ بیٹھ گیا تھا۔

''میں اسے ساری عمر پیار کروں تو میرا پیار ختم نہیں ہوگا میری جان، میرا حانی آئی لو یو سوچ۔'' وہ کہتے کہتے اسے بھینچ کر پھر سے چومنے لگی تھی اور وہ خوش ہو رہا تھا۔

''ایسا ہی اظہار تم مجھ سے نہیں کر سکتیں؟'' عارفین نے اروی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اسے اروی کے ہاتھ بہت پسند تھے۔ وہ اکثر اس کی ہتھیلی پہ پیار کرتا تھا۔

''آپ کو میرے اظہار کی کیا ضرورت ہے؟'' اروی کا انداز خفا سا تھا۔

''اروی مجھے ہی تو تمہارے اظہار کی ضرورت ہے۔ مجھے آج تک کسی نے نہیں چاہا، میں سب کا مفاد بنا رہا ہوں...... تم...... صرف تم ہو جو مجھے چاہو گی اور میری خوشی کی انتہا نہیں رہے گی۔'' عارفین کا لہجہ عجیب سا ہو رہا تھا۔ اروی بے ساختہ اسے دیکھنے پہ مجبور ہو گئی تھی۔

''اور پھر مجھے کون چاہے گا؟'' اروی نے بھی محبت مانگ لی تھی۔ عارفین مسکرا اٹھا تھا۔

''تم خود ہی تو کہتی ہو سر دل کے حساب رہنے دیں یہ کبھی پورے نہیں ہوتے، دل کا کھاتہ اندھا ہوتا ہے کبھی بھرتا ہی نہیں ہے، چاہے حساب کتاب کے لئے کتنے ہی اوراق سیاہ ہو جائیں، اور آج میں بھی تمہیں یہ ہی کہوں گا کہ حساب دل رہنے دو...... بس محبت کو بغیر حساب کتاب کے چلنے دو۔ جتنی تمہیں میری چاہ ہوئی تم مجھے اتنا چاہ لینا اور جتنی مجھے تم سے محبت ہوئی، میں تمہیں اتنی محبت کر لوں گا، لیکن یار آج تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ تم سے میرا رشتہ پہلی نظر میں ہی بن گیا تھا اور اس رشتے کا نام محبت تھا۔ یہ مجھے آج معلوم ہو رہا ہے۔'' وہ رفتہ رفتہ اسے اپنے قریب کرتا جا رہا تھا۔

''سر ایک بات کہوں آپ سے؟''

''کہو میری جان کیا کہنا ہے؟'' وہ گھمبیر بوجھل لہجے میں بولا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ابھی ابھی نشہ کر آیا ہو۔

''میں نے ابھی عشاء کی نماز اور تراویح پڑھنی ہیں، آپ حانی کو سنبھالئے میں وضو کر لوں۔''

''ہائیں۔'' عارفین یکدم تڑپ کے حواسوں میں لوٹ آیا تھا۔

''مگر اروی۔''

''سر میں نے صبح روزہ رکھنا ہے۔'' وہ سختی سے گھور کر بولی تھی۔

''یار میرے پاس کچھ دیر اور بیٹھو پلیز میں تمہیں گڈ نیوز دیتا ہوں۔''

''کیسی گڈ نیوز؟''

''آج جب میں یہاں آ رہا تھا تب احمر انصاری نے مجھے کال کی تھی وہ تمہاری بہن سارہ کے لئے رشتہ لے کر جا رہے ہیں اور مجھے پوری امید ہے کہ اسے انکار نہیں ہوگا۔ سارہ اور احمر کی انگیج منٹ ہو جائے گی۔'' عارفین نے اسے بات بتاتے بتاتے دوبارہ سے بانہوں میں بھر لیا تھا۔ اروئی کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔ مگر وہ فوراً ہی سنبھل گئی تھی۔

''مجھے ایسی گڈ نیوز سے کوئی سروکار نہیں ہے، سب کی اپنی اپنی زندگی ہے، جو جیسے چاہے جیسے ہماری بلا سے۔'' وہ سر جھٹک کر بولی تھی۔

''لیکن میں تو ویسے جینا چاہتا ہوں جیسے تم چاہو گی۔'' وہ گستاخی پہ مائل تھا۔

''میں بھی ویسے ہی جینا چاہتی ہوں سر...... میرا سب کچھ بھی صرف آپ ہیں۔''

''یار یہ بار بار سر کیوں؟'' وہ جھنجھلایا تھا۔

''تو پھر؟'' وہ استفہامیہ دیکھنے لگی۔

''عارفین صرف عارفین...... البتہ اگر موڈ ہو تو ساتھ میں ''جانو'' کا اضافہ بھی کر سکتی ہو۔'' وہ شوخ ہو رہا تھا۔

''نہیں نہیں صرف عارفین ہی کافی ہے۔'' وہ گھبرا کے بولی۔

''تو پھر کہو......''

''عارفین۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''جی میری جان۔''

''مجھے جانے دیجئے، میں نے وضو کرنا ہے۔''

''ہائیں، پھر وہی بات؟'' وہ چپ ہو کے رہ گیا اور اروئی بمشکل اپنا آپ چھڑا کر وضو کرنے چلی گئی اور وہ حانی کے ساتھ کھیلتا ہوا اس کے نماز سے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا تھا۔